U15713. (17-1209)

Title - HIKAYAAT ROOMI (Part-1,2)

Creator - Roomi; Mutarjuma Mirza Nizam Shah Labeeb.

Publisher - Anjuman Taraqqi Urdu (Delhi).

Date - 1945

Pages - 238.

Subjects - Farsi Hikayaat - Roomi; Masnavi Manavi - Hikayaat.

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (ہند) نمبر ۱۳۸

حکایاتِ رومیؒ

پہلا اور دوسرا حصّہ

ترجمہ از

مرزا نظام شاہ صاحب لبیبؔ

بہ نظرِ ثانی

مولوی سیّد ہاشمی صاحب (فرید آبادی)

شائع کردہ

انجمنِ ترقیٔ اردو (ہند)، دہلی

۱۹۴۵ء

قیمت مجلد سے بلا جلد عہ

فہرستِ مضامین حکایاتِ رومی

حصۂ اوّل

دفترِ اوّل مثنوی شریف

صفحہ

دفترِ دوم مثنوی شریف

صفحہ

دفتر دوم مثنوی شریف

(ختم حصّہ اوّل حکایاتِ رومی)

فہرستِ مضامین حکایاتِ رومی حصہ دوم

دفترِ چہارم مثنوی شریف

دفترِ پنجم مثنوی شریف

دیباچہ

مولانا رومی قدس سرہ العزیز کی مثنوی شریف میں صدہا حکایات، محاضرات و مطائبات شامل ہیں اور دوسرے محاسن و کمالات کے علاوہ اس بزرگ کتاب کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ تمثیل کے پیرایے میں اخلاق و نفسیات کے باریک مسائل اور تصوّف و روحانیات کے صدہا رموز و اسرار کو اس طرح بیان کیا ہے کہ نہ صرف دماغ بلکہ دل میں اتر جاتے ہیں۔ مجھے ایک مدّت سے خیال تھا کہ ممکن ہو تو ان قصص و حکایات کو یکجا اُردو میں ترجمہ کر دیا جائے تاکہ ہمارے ملک کے عام ناظرین اور طلبہ بھی حضرت مولانا کے دریائے فیوض و برکات سے بقدرِ توفیق بہرہ مند ہو سکیں۔ اپنی کم فرصتی کے باعث بعض اہلِ قلم احباب سے بھی تحریک کی۔ زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے نے مثنوی شریف کو نئی ترتیب کے ساتھ "مرآۃ المثنوی" کے نام سے شائع کیا اور حکایات کے موتی جو اصل کتاب میں دور دور ٹکے ہوئے ہیں، انھیں ایک جگہ لڑیوں میں پرو دیا۔ اس سے مکرمی مرزا نظام شاہ صاحب لبیب (گورگانی) کی تجویز کے مطابق، ترجمہ کرنے میں بڑی سہولت ہو گئی۔ صاحبِ عالم اُردو زبان کے کہنہ مشق ادیب اور شاعر اور اسی کے ساتھ دنیائے تصوّف کے دانا و بینا سیاح ہیں۔ انھوں نے ان حکایات کا ترجمہ بڑے ذوق شوق سے قلعۂ معلّیٰ کی ٹکسالی زبان میں کیا۔ کہیں کہیں اپنے مستقرِ ثانی، حیدرآباد کے محاوروں میں چاشنی دے کر اسے اور مزہ دار بنا دیا۔ لیکن

متن کے لفظ و معنیٰ کی پابندی سے مترجمہ کہانیوں میں بھی اسلامی تصوّف کا اتنا گہرا رنگ آگیا کہ عام اُردو ناظرین کے واسطے کتاب دشوار اور پیچیدہ نظر آنے لگی اور اس خیال سے کہ اصل مقصد ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ بجز اس کے چارہ نہ رہا کہ اُردو ترجمے کی غور و احتیاط سے نظرِ ثانی کی جائے اور وہ حکایتیں یا تمثیلات جو خالص مذہبی رنگ کی یا محض مسلمانوں کی اعتقادی ہیں، حذف کردی جائیں (۲) بعض قصّے جو اپنی جگہ پر مناسب ہیں لیکن علیحدہ منتخب کیے جانے میں ان کی عریانی بچّوں یا عورتوں کے سامنے لانے کے لائق نہیں رہی ان کو چھوڑ دیا جائے (۳) جہاں استدلال زیادہ دقیق یا دلائل طولانی اور مکرر آگئے ہیں، وہاں اختصار و سادگی سے کام لیا جائے۔ غرض یہ کہ کتاب صرف کہانیوں کا مجموعہ اور ہر پڑھنے والے کی دلچسپی کا باعث رہے۔ ہاں اس کے ضمن میں اخلاقی نصائح اور حضرتِ مصنّف رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگانہ تعلیم کا پیرایہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ فقط

دہلی۔ شعبان ۱۳۵۸ھ　　　　سیّد ہاشمی (فریدآبادی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بادشاہ اور کنیز

دوستو! ایک قصہ سنو، جو ہمارے حال پر صادق آتا ہو۔ اگر اپنے حال کو ہم پرکھتے رہیں تو دُنیا اور آخرت دونوں جگہ پھل پائیں۔

اگلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا جسے دُنیا و دیں دونوں کی بادشاہی حاصل تھی۔ ایک دن شکار کے لیے مصاحبوں کے ساتھ سوار ہو کر نکلا۔ گھوڑا دوڑاتا پھرتا تھا کہ یکایک عشق کا شکار ہو گیا۔

سرِ راہ ایک لونڈی نظر پڑی کہ دیکھتے ہی دل و جان سے اس کا غلام ہو گیا، منہ بولی قیمت دے کر لونڈی کو مالک سے خریدا اور بادشاہ بیگم بنا لیا۔ اتّفاق دیکھیے وہ بیمار ہوئی۔ بادشاہ نے اپنے ملک اور بیرونِ سلطنت کے حاذق حکیموں کو علاج کے لیے جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ میری جان بھی اسی کی زندگی پر منحصر ہے بلکہ یقین جانو کہ خود میں بیمار ہوں اور جب تک وہ اچھّی نہ ہو جائے میں تندرست نہیں ہو سکتا۔ جو طبیب مرض شناس میری جان کو آسایش پہنچائے گا وہ بے اندازہ دولت سے مالا مال کر دیا جائے گا۔

طبیبوں نے عرض کیا کہ اے بادشاہ! ہم میں سے ہر ایک مسیحِ زمانہ ہے، بھلا وہ کون سی بیماری ہے جس کی دوا ہمارے پاس نہیں، ہم اپنی جان لڑا دیں گے اور تشخیصِ مرض و علاج میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔

انھوں نے شیخی میں یہ بھی نہیں کہا تھا کہ خدا چاہے گا تو علاج کامیاب ہوگا۔ خدا نے اپنی قدرت کے آگے انسانی تدبیر کی کمزوری اس طرح ظاہر کی کہ انھوں نے علاج میں جس قدر زیادہ سرگرمی دکھائی اسی قدر بیماری اور بڑھتی گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ کنیز سوکھ کے کانٹا ہوگئی اور اُدھر یہ حال کہ روتے روتے بادشاہ کی آنکھوں سے خون کے دریا بہ نکلے۔

خدا کی قدرت! سکنجبین سے صفرا اور روغنِ بادام سے خشکی پیدا ہوتی تھی۔ ہڑ سے قبض ہونے لگا۔ غرض دواؤں کی تاثیر اتنی بدلی کہ جو چیز مریضہ کی صحت اور آرام کے لیے دی جاتی تھی اس سے تکلیف سوا ہو جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ بیمار کا دل ضعیف ہوگیا، نیند بالکل اچٹ گئی۔ آنکھوں میں جلن اور دل میں دھڑکن رہنے لگی۔ نتیجہ یہ کہ سارے شربت، دوائیں اور تیمارداری کے سامان بےکار ثابت ہوئے اور طبیب بھی شرمندہ ہوئے اور طبیبوں کی ساری شیخی کرکری ہوگئی۔

جب بادشاہ نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ طبیبوں کے بنائے کچھ نہیں بنی تو ایک رات ننگے پاؤں مسجد میں پہنچا اور سجدے میں گر کر اس قدر پھوٹ پھوٹ کر رویا کہ سجدے کی جگہ آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ جب ذرا دل ٹھہرا تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی کہ بارِ الٰہا! سارے جہاں کی بادشاہت بخش دینا تیری ادنیٰ بخشش ہے اس کے مقابلے میں یہ بندہ جو آرزو لے کر حاضر ہوا ہے وہ کیا حقیقت رکھتی ہے۔ ہماری ساری دوا دوش اور ان طبیبوں کی تدبیریں تیری رحمت کے اشارے کے آگے گرد ہیں۔ اے سارے

عالم کے حاجت روا! ہم نے بہت ہی غلط راستہ اختیار کیا کہ تجھ سے مدد نہ چاہی اور اپنی کم زور تدبیروں پر اڑے رہے۔ اے سارے جہان کی فریاد سننے والے! تو نے خود ہی فرمایا ہے کہ میں ہر بندے کے دل کی بے تابی سے واقف ہوں مگر بخشش اور عطا اُسی پر کی جاتی ہے جو علانیہ بھکاری بن کر ہماری بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے!

بادشاہ نے ایسی تڑپ کر دعا کی تھی کہ دریائے رحمت میں جوش آگیا۔ بادشاہ کو نیند کی سی غنودگی طاری ہوئی، خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک مردِ بزرگ تشریف لائے ہیں، فرماتے ہیں کہ اے بادشاہ! مبارک ہو تیری دعا قبول ہوئی۔ کل ہمارا بھیجا ہوا ایک مسافر آئے گا، وہ بڑا دانا حکیم ہے اور اس کی حذاقت میں ذرا شک نہیں اس لیے تجھ پر لازم ہے کہ اس کی ہر ہدایت کی تعمیل کرے اس کے علاج کی کرامت تجھے خود معلوم ہو جائے گی۔

بادشاہ یہ خواب دیکھتے ہی چونک اُٹھا۔ غفلت کے پردے اُٹھ گئے۔ کنیز کی محبت نے غلام بنا رکھا تھا اب گویا ازسرِ نو آزادی اور بادشاہی پائی۔ جب دن نکلا اور آفتاب مشرق سے برآمد ہوا تو بادشاہ بالاخانے کے برآمدے میں آبیٹھا۔ راستے پر نگاہ لگی ہوئی تھی کہ دیکھیے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک مردِ بزرگ صاحبِ کمال سائے میں دھوپ کی طرح چلے آتے ہیں۔ جب قریب پہنچے تو دیکھا سر سے پیر تک نور جھلک رہا ہے۔ بادشاہ خود پیشوائی کو آگے بڑھا۔ اس غیبی مہمان سے بادشاہ اس طرح ملا جس طرح کہ شکر گلاب کی پتیوں میں پیوست ہو جاتی ہے۔ یوں سمجھو کہ جیسے دو جانیں باہم یکجا ہو کر ایک ہو رہی تھیں۔ ان کی ایسی مثال تھی جیسے ایک پیاسا اور دوسرا پانی یا ایک مے پرست اور دوسرا شراب۔ الغرض اسے

دیکھ کر بادشاہ نے (اپنے جی میں کہا) کہا کہ اے مردِ خدا میرا معشوق تو دراصل تو تھا لیکن جہان میں ایک کام دوسرے کام کے ذریعے سے پیدا ہوا کرتا ہے، سو اس عشق کا ذریعہ کنیز کا عشق ہوا۔ اے فرستادۂ خدا! تو میرے حق میں مصطفٰیؐ کا درجہ رکھتا ہے۔ اب میں عمرؓ کی طرح تیری خدمت و اطاعت پر کمربستہ ہوں گا۔

الغرض بادشاہ باوجود شوکت و حشمت کے بالکل فقیرانہ خاکساری کے ساتھ اپنے مہمان کے سامنے گیا۔ کبھی ہاتھوں کو چومتا، کبھی پیشانی کو بوسہ دیتا، کبھی وطن اور سفر کا راستہ دریافت کرتا۔ یوں ہی پوچھتا پوچھتا اپنے ایوانِ شاہی میں لے گیا اور جی میں خوش ہو کر کہنے لگا کہ میں نے یہ بے قیاس دولت تو پائی مگر بڑے صبر کے بعد۔ صبر تلخ تو ہوتا ہے لیکن اس کا پھل میٹھا اور نتیجہ کامیاب دیکھا۔

مہمان کو کھانا کھلایا اور ماندگیٔ سفر دور ہونے کے بعد حرم سرائے شاہی میں لے جا کر بیمار کو دکھایا اور حالاتِ مرض بیان کیے۔ وہ خدا کے ولی بیمار کے پاس بیٹھ گئے، چہرے کا رنگ، نبض، قارورہ وغیرہ دیکھ کر مرض کی علامتیں اور تمام ابتدائی اسباب دریافت کر کے کہا کہ جو دوا ان طبیبوں نے کی وہ سب بالکل غلط تھی۔ ولی اللہ نے ظاہری صورت سے پوشیدہ مرض تاڑ لیا لیکن بادشاہ کو اس کی خبر نہ دی۔ دراصل اس کی بیماری صفرا یا سودا کی زیادتی سے نہ تھی۔ ہر لکڑی اپنے دھوئیں سے پہچانی جاتی ہے جب ولی اللہ نے پہچان لیا کہ اسے دل کی بیماری ہے اور باقی بالکل تندرست ہے تو بادشاہ سے مخاطب ہوا۔ اور کہا اے بادشاہ مجھے مریضہ سے کچھ پوچھنا ہے، چاہتا ہوں کہ

سب اپنے بیگانے یہاں سے الگ کر دیے جائیں۔ بادشاہ نے محل میں تنہائی کرا دی اور خود بھی باہر چلا گیا تاکہ ولی اللہ اپنے حسبِ منشا حال دریافت کر سکیں۔

جب سارا محل خالی ہو گیا اور سوائے طبیب و مریض کے کوئی نہ رہا تو ان بزرگ نے آہستہ آہستہ سوالات شروع کیے کہ تمہارا شہر کون سا ہے کیوں کہ ہر شہر کا طریقِ علاج الگ ہوتا ہے اور تمہارے قرابت دار کون کون سے ہیں، ان میں زیادہ نزدیک کے عزیز کون ہیں اور ان میں سب سے زیادہ محبت کن سے ہے۔ نبض پر ہاتھ رکھ کر زمانے کے تلخ و ترش کی داستانیں سننے لگے۔ مریضہ بھی حکیم کو کامل پا کر ہر راز کو فاش کرنے لگی، جہاں جہاں وہ فروخت ہوئی اور جن جن شہروں میں رہی سب حال صاف صاف بیان کیا۔ وہ بزرگ سلسلہ وار اس کی داستان سن رہے تھے لیکن پوری توجہ اس کی نبض پر تھی کہ دیکھیں کس کے ذکر پر نبض غیر معمولی حرکت کرتی ہے۔ القصّہ کنیز نے اپنے شہر کے تمام دوستوں، عزیزوں کو گنایا اس کے بعد دوسرے شہر کا تذکرہ کیا مگر چہرے کے رنگ اور نبض کی حرکت میں کوئی فرق نہ آیا۔ یہ پوچھ گچھ یوں ہی آگے بڑھتی گئی، ایک ایک شہر اور ایک ایک مکان کے واقعے اور حادثے اس نے سنائے مگر نہ چہرے کے رنگ میں کوئی فرق آیا نہ نبض میں کوئی حرکت خلافِ معمول پیدا ہوئی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ شہر سمرقند کا ذکر زبان پر آیا۔ اس ذکر کے ساتھ ہی اس نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور بیان کیا کہ ایک سوداگر مجھے اس شہر میں لایا اور ایک مالک کے ہاتھ جو سنار تھا مجھے فروخت کر دیا، اس نے مجھے چھ مہینے تک اپنے پاس

رکھا اور اس کے بعد پھاڑ ڈالا جب اس واقعے کو بیان کر رہی تھی تو غم کی آگ دفعتاً بھڑک اُٹھی، اس کی نبض حرکت میں آئی اور چہرہ زرد پڑ گیا۔ جب ان بزرگ کو اس بھید سے آگاہی ہوئی تو مریضہ کی بیماری کے طول کھینچنے کا سبب معلوم ہو گیا۔ انھوں نے پوچھا کہ وہ زرگر کس محلے اور کس بازار میں رہتا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ محلہ غاتفر میں پُل کے پاس رہتا ہے جب سارے اتے پتے پوچھ لیے تو ان بزرگ نے بہت کچھ دلاسا دیا کہ اب یقین کر کہ تیری بیماری گئی۔ چوں کہ مجھے تیری بیماری کی اصلیت معلوم ہو گئی ہے۔ انشاءاللہ تیرے علاج میں جادو کی کیفیت ظاہر ہو گی۔ مگر ایک پابندی ضروری ہے وہ یہ کہ یہ بھید تو کسی سے بیان نہ کرے چاہے بادشاہ تجھ سے کتنا ہی کرید کرید کر پوچھے تو اس پر بھی ظاہر نہ کیجیو۔

پھر وہ بزرگ مریضہ کے پاس سے اٹھ کر بادشاہ کے پاس آئے اور اپنی مصلحت کے مطابق مریضہ کا کچھ حال سُنا کر مطمئن کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ حضرت اب تدبیر کیا ہے اور علاج شروع کرنے میں کیا دیر ہے۔ بزرگ نے کہا کہ اس کی بیماری کا علاج تو بس یہی ہے کہ سمرقند سے ایک سنار طلب کیا جائے اس کو انعام و اکرام کا امیدوار بنایا جائے اور اس کے لیے اشرفیاں اور خلعت روانہ کیا جائے تاکہ وہ اس لالچ میں آ کر تیرے پاس حاضر ہو اور تیرا محبوب اس کی ملاقات سے ایسا خوش ہو کہ یہ غم اور بیماری جاتی رہے۔ جب سنار تیری اتنی داد و دہش دیکھے گا تو وہ اپنے گھر بار سے جدا ہو کر یہیں آ پڑے گا۔

بادشاہ نے اس ہدایت کو دل و جان سے قبول کیا اور عرض کیا جو حکم آپ دیں گے میں اس کی تعمیل کروں گا۔ پھر دو امیر روانہ کیے جو بڑے ذی شعور، امانت دار اور سچے تھے۔ وہ دونوں کے دونوں سمرقند پہنچے اور زرگر کو بادشاہ

سکے بلاوے کی یہ خوش خبری دی کہ ای اُستاد تیرا چرچا تمام دُنیا میں ہو رہا ہو، ہمارے بادشاہ نے زیورات کی تیاری کے لیے تجھے امیر بنا دینے کا ارادہ کیا ہو چناں چہ یہ خلعت اور دینار و درم تیرے لیے بھیجے ہیں اور جب دارالسلطنت میں حاضر ہوگا تو بادشاہ کا مصاحبِ خاص تو ہی رہے گا۔ زرگر نے جب اتنا کثیر مال اور بیش بہا خلعت دیکھا تو پھولا نہ سمایا، اپنے وطن اور بال بچوں کو چھوڑ دینے کی ٹھان لی۔ خوشی خوشی طے مسافت کرنے لگا اور اس بات سے بے خبر تھا کہ بادشاہ نے اس کی جان لینے کا قصد کیا ہو۔ ایک عربی گھوڑے پر سوار ہو کر بہت تیزی سے دوڑتا ہوا چلا اور اپنے خوں بہا کو خلعت سمجھا۔ جب وہ مردِ مسافر دارالسلطنت میں پہنچا تو طبیب نے اس کو حضورِ شاہ میں بڑی خوشی اور اظہارِ کامیابی کے ساتھ پیش کیا کہ وہ شمع حسن پر جلایا جائے۔

بادشاہ نے زرگر کی بہت خاطر کی اور سونے کا ایک ڈھیر اس کے سپرد کر کے حکم دیا کہ ہنسلی، جھانجھن، کمر پٹہ، گھوڑوں کی زینت کے زیور اور وہ تمام برتن اور آرائشی ظروف جو بادشاہوں کی بزم کے لائق ہوں تیار کیے جائیں۔ زرگر نے وہ سب سونا لیا اور بالکل بے خبر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ ان ولی اللہ نے سلطان سے عرض کی ای بادشاہِ ذی جاہ اس کنیز کو زرگر کے حوالے کرتا کہ وہ اس کی ملاقات سے آرام پائے۔ بادشاہ نے حسینہ کو زرگر کے حوالے کر دیا۔ یہاں تک کہ دونوں کی خوب خلا ملا ہو گئی۔ چھ مہینے تک دونوں یک جان و دو قالب رہے۔ جب کنیز کا دل بھر گیا تو حکیم نے زرگر کے واسطے ایک ایسا شربت تیار کیا کہ وہ پی کر روز بروز کم زور ہونے لگا۔ بیماری کی وجہ سے اس کا حسن و جمال پھیکا پڑنے لگا تو رفتہ رفتہ کنیز کا دل بھی اُچٹنے لگا۔ اور جب بالکل بدشکل، بدمزاج اور ہڈیوں کا ڈھانچا رہ گیا تو بالکل ہی سرد ہو گیا۔

جوں جوں مردِ زرگر پر بیماری کا غلبہ ہوتا تھا وہ سونے کی طرح پگھلا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ میں وہ مشکی ہرن ہوں کہ صیاد نے جس کی نافہ سے سارا خون نکال ڈالا ہو مگر جس نے اپنی غرض کے لیے مجھے موت کے گھاٹ اتارا ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ میرا خون یوں ہی سونا کا سوتا نہیں رہے گا۔ جو بلا آج مجھ پر ہے کل اس پر بھی آئے گی۔ بھلا مجھ جیسے حسین و خوش رو جوان کا خون ضائع ہو سکتا ہے۔ یہ آخری فقرے تھے جو کہتے کہتے ٹھنڈا ہوا اور کنیز درد و رنج کی آفت سے چھوٹی کیونکہ قاعدہ ہی یہ ہے کہ مرنے والوں کے ساتھ عشق دیرپا نہیں ہوتا کیونکہ وہ پھر پلٹ کر آنے والے نہیں مگر زندہ کا عشق نہ صرف جان میں بلکہ آنکھوں میں بھی پھول کی کلی کی طرح ہر دم تازہ رہتا ہے۔ لہٰذا تجھ کو اس زندہ سے عشق کرنا چاہیے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور ایسا باقی ہو جو ہر زمان تجھ کو شرابِ حیات پلاتا رہتا ہے۔ عشق اس کا اختیار کر جس کے عشق سے تمام انبیا نے فروغ پایا اور یہ کہنا تو کوئی بات نہیں کہ اس بارگاہ تک ہماری رسائی ممکن نہیں اچھے بڑے سے بڑے کام بھی دریادلوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہیں۔

ولی اللہ کی تدبیر سے مردِ زرگر کا مارا جانا نہ تو کسی خطا سیا کی توقع سے ہوا اور نہ کسی عتاب کے خوف سے۔ بات یہ ہے کہ جب تک خدا کی طرف سے اشارہ نہ ہوا انھوں نے صرف بادشاہ کی خوشنودی کی خاطر یہ کام نہیں کیا اور بادشاہ نے بھی ایک بندۂ خدا کا خون محض نفسانیت کے لیے نہیں کیا۔

وہ حکیم اغراضِ نفسانی سے بالکل پاک تھا اور جو کچھ اس نے کیا وہ نیکی پر مبنی تھا لیکن وہ نیکی بدی کے پردے میں پوشیدہ تھی۔ اگر کسی مسلمان کا خون بہانا اس کا مقصد ہو اور باوجود اس کے میں اس کی تعریف کروں تو میں کافر ہوا۔

ادھر وہ بادشاہ بھی معمولی بادشاہ نہ تھا بلکہ باخدا اللہ کا خاص بندہ۔ تم اپنے

احوال و افعال کے لحاظ سے خدا کے پاک بندوں کے احوال و افعال پر قیاس کرتے ہو مگر درصل صحیح نتیجے سے تم بہت دور جا پڑے ہو لہذا تم طریق انکار و اعتراض میں جلدی نہ کرو۔ دیکھو میں تمھیں ایک اور قصہ سناتا ہوں شاید تمھارا نصیب یاوری کرے اور تم کوئی اچھی نصیحت حاصل کرلو۔

ایک توتے کا گنجے فقیر کو اپنی طرح سمجھنا

ایک پنساری کے پاس طرح طرح کی بولیاں بولنے والا، خوش رنگ، توتا تھا۔ وہ توتا دکان کی نگہبانی کرتا اور آنے جانے والوں سے مزے مزے کی بولیاں بولتا تھا۔ ایک دن اتفاق یہ ہوا کہ مالک اپنے گھر گیا ہوا تھا اور دکان پر توتا نگہبانی کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک بلی چوہے پر دوڑی۔ توتا اپنی جان بچانے کو جونہی ایک طرف بھاگا تو گڑبڑ میں روغن بادام کی بوتلیں لڑھک گئیں۔ جب مالک گھر سے واپس آیا تو دیکھا کہ تیل کے چکتوں سے تمام فرش چکنا ہوگیا ہے۔ بنیے نے خفا ہوکر توتے کے سر پر ایک ایسا دھپ لگایا کہ چوٹ کے صدمے سے وہ گنجا ہوگیا۔ کئی دن تک توتے نے بولنا چالنا ترک کر دیا اور پنساری اپنی حرکت پر پشیمان ہونے لگا۔ وہ اپنی ڈاڑھی نوچتا اور اپنے جی میں آپ کہتا کہ افسوس! کاش کہ میرا ہاتھ اس بری گھڑی سے پہلے ہی ٹوٹ جاتا جس گھڑی میں نے اس کے سر پر دھپ لگایا تھا۔ اسی پشیمانی میں وہ ہر صاحب دل درویش کے آگے نذرانے پیش کرتا تھا کہ کسی طرح اس کا توتا پھر بولنے لگے۔ اسی طرح کئی دن گزر گئے۔ پنساری حیران و پریشان اپنی دکان پر بیٹھا تھا اور دل میں غم و غصہ کھا رہا تھا کہ دیکھیے میرا توتا کبھی بولے گا بھی یا نہیں کہ اتنے میں ایک ملنگ فقیر

چار ابروؤں کا صفایا کیے اور اوندھے ہوئے پیالے کی طرح سر گھٹائے اس طرف سے گزرا۔ توتے نے فوراً درویش پر آوازہ کسا اور کہا کہ اے او گنجے! شاید تو نے بھی تیل کی بوتل گرائی ہو جو تجھے گنجا ہونا پڑا؟ سننے والے بے اختیار ہنس دیے کہ لو صاحب یہ توتا فقیر کو بھی اپنی مانند سمجھتا ہے۔ لہذا تم اپنے احوال پر خدا کے پاک بندوں کا اندازہ نہ کرو۔ اگرچہ لکھنے میں شیر (درندہ جانور) اور شِیر کی شکل ایک ہے لیکن معنی میں زمین آسمان کا بل ہے۔ اکثر ایسا ہوا کہ لوگوں نے خدا کے نیک اور برگزیدہ بندوں کو نہیں پہچانا اور گمراہ ہو گئے۔

ایک یہودی وزیر کا مکر و فریب سے نصرانیوں میں تفرقہ ڈلوانا

ایک یہودی بادشاہ بہت ظالم تھا وہ عیسیٰ کا دشمن اور عیسائیوں کا قاتل تھا اگرچہ وہ زمانہ عیسیٰ کی تصدیق کا تھا مگر وہ موسیٰ کے نام پر شیدا نہ تھا۔ اس ناسمجھ بادشاہ نے خدا کی راہ میں بھی خدا کے دو پیاروں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا تھا۔ وہ اپنی یہودیت کے تعصب میں بھینگا سوچنے لگا تھا۔ اس نے لاکھوں عیسائیوں کو چن چن کر اس قدر ظلم سے مارا کہ موسیٰ کا دین بھی تھر تھر کانپنے لگا۔

مارے ڈر کے عیسائیوں نے طے کیا کہ اپنی اپنی جان بچائیں اور اپنے دین و مذہب کو فرشتے سے بھی چھپائیں اس بادشاہ کا ایک وزیر رہزنِ دین و ایمان تھا۔ اپنے مکر سے پانی پر گرہ لگاتا تھا۔ اس نے عرض کی کہ اے بادشاہ! تو جو ان چھپے عیسائیوں کی تلاش میں مصروف ہو گیا ہے تو اس میں کامیابی نہ ہوگی کیوں کہ دین کوئی مشک و عود کی خوشبو تو ہے نہیں کہ الگ پہچانی جا سکے اس لیے یہ اصول پوری قوم کو تباہ کرنے کے لیے کچھ مفید نہیں۔ اس قوم کا دین سو غلافوں میں چھپ گیا ہے۔ اے ظ

ہیں یہ قوم تیری دوستی و ہم مشربی کا دم بھرتی ہے مگر باطن میں بالکل مخالف ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا تدبیر کی جائے کہ دُنیا بھر میں نصرانی کا نام و نشان اور خفیہ طور پر بھی دینِ عیسوی کہیں باقی نہ رہے۔ اس نے کہا اے بادشاہ! میرے کان اور دونوں ہاتھ کٹوا دے اور ناک اور ہونٹوں کو چِروا کے مجھے سولی پر لٹکانے کی سزا تجویز کر۔ جب مجھے سولی کے نیچے لایا جائے تو ایک شخص کو مقرر کر کہ وہ تیرے حضور حاضر ہو کر رحم کی التجا کرے۔ یہ سب کام ایسی عام جگہ ہونا چاہیے جہاں چوراہا ہو تاکہ خبر ہر طرف بہت جلد پھیل جائے۔ جب تو مجھے جان کی امان دے دے تو دیس نکالا کر کے شہر سے دُور کسی جنگل میں پھنکوا دے تاکہ پھر میں ان نصرانیوں میں فساد ڈلوا دوں۔ وہ اس طرح کہ میں پکار پکار کر کہوں گا کہ "اے دلوں کا بھید جاننے والے خدا تو واقف ہے کہ میں عیسائی زادہ ہوں ظالم بادشاہ کو خبر ہو گئی اور وہ ازراہِ تعصب میری جان کے پیچھے پڑ گیا۔ میں نے ہر چند چاہا کہ اپنا دین پوشیدہ رکھوں اور اپنے کو یہودی ظاہر کروں لیکن بادشاہ میرے بھید کی بو پا گیا۔ اگر عیسیٰ مسیحؑ کی روح میری پشت و پناہ نہ ہوتی تو وہ یہودیت کے نشے میں میرے پُرزے پرزے کر دیتا۔ عیسیٰ کے واسطے میری جان ہلاک ہو یا سر اُڑ جائے تو کچھ پروا نہیں بلکہ ہزار ہا احسان مانوں کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ لیکن چوں کہ میں دینِ عیسوی اور علمِ اناجیل میں کامل ہوں اس لیے یہ اندیشہ ضرور ہے کہ کہیں یہ دینِ پاک جاہلوں کے ہاتھ پڑ کر غارت نہ ہو جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں اس دینِ برحق کا رہ نما بنایا اور اس کی ذات سے امید ہے کہ وہ نصرانی قوم کو ہماری رہ نمائی میں ہدایت عطا فرمائے گا"

پھر جب نصرانی قوم دین میں میری ہدایتوں پر عمل کرنے لگے گی تو میں ان کے درمیان ایسے ایسے فتنے اور فساد پھیلاؤں گا کہ میری چالاکی پر شیطان بھی

حیران رہ جائے گا۔ ایسے ایسے حیلوں سے اُن کو فریب دوں گا اور اس قدر افراتفری ڈالوں گا کہ آخرکار وہ آپس ہی میں خون ریزیاں کر کے سب کے سب ختم ہو جائیں گے۔

جب وزیر نے مکّاری کی تدبیریں الف سے یا تک سنا دیں تو بادشاہ خاطر جمع ہو گیا۔ اس کو بھرے مجمع میں بے عزّت کیا تاکہ تمام رعایا اس کے حال سے واقف ہو جائے اور پھر نصرانیوں کی آبادی کی طرف پھنکوا دیا کہ ان کو دعوت دے کر مکر کے جال میں پھنسائے۔

عیسائیوں نے اس کو ان برے حالوں میں دیکھا تو اس کے درد و مصیبت پر زار زار رونے لگے اور اس طرح رفتہ رفتہ ہزارہا عیسائی اس کے پاس جمع ہو گئے۔ وہ ان پر انجیل اور عقائد و عبادات کے باطنی حقائق کھولنے لگا اور حضرت مسیحؑ کے اقوال و افعال کا وعظ کرنے لگا۔ وہ بظاہر تو احکامِ مسیحی کا وعظ کرتا تھا مگر باطن میں یہ وہ سیٹی تھی جو جال کے پیچھے چھپ کے پرندوں کو بلانے اور پکڑنے کے لیے بجائی جاتی ہے۔ الغرض عوام النّاس کی تقلید بے بصار تو اندھی ہوتی ہی ہے، سب عیسائی قوم اس پر فریفتہ ہو گئی۔ دلوں میں اس کی محبّت جڑ پکڑ گئی اور اس کو عیسیٰؑ کا نائب سمجھنے لگے۔ وہ کافر وزیر عیسائیوں کا دینی پیشوا بن گیا اور حلوے میں لہسن کا چھینٹا دینے لگا۔ جو لوگ اہلِ ذوق تھے وہ اس کی تقریر کی لذّت میں ایک طرح کی کڑواہٹ بھی پاتے تھے کیوں کہ وہ بعض مطالب اس طرح چھپا کر بیان کرتا تھا جیسے گلقند میں زہر ملا ہوا ہو۔ ایسی نیک بات کے دھوکے میں نہ آنا چاہیے جس کی تہ میں سو برائیاں چھپی ہوئی ہوں۔ جو لوگ صاحبِ علم و ذوق نہ تھے انھوں نے اس کی تقریروں کو گلے کا ہار بنا لیا تھا۔ یہاں تک کہ چھ برس تک بادشاہ سے الگ رہ کر وہ تمام عیسائیوں کا پیشوا بن گیا۔ اصلاح

دین و دُنیا کی تمام ذمّے داری مخلوق نے اسی پر ڈال دی اور اس کی ہاں نہ پر جان دینے لگی۔ باوجود اس کے بادشاہ سے پیام سلام جاری تھے اور بادشاہ اس کی کارروائیوں سے بالکل مطمئن تھا۔

آخر کار اپنی دلی مراد کے لیے بادشاہ نے خط لکھا کہ اے محسن یہود! اب تیرے کام کا وقت آن پہنچا، بہت جلد میرے دل کی کھٹک دور کر، میں تن من سے تیری نادر تدبیر کے چلن کا انتظار کر رہا ہوں لہذا جلد ان عیسائیوں کی الجھن سے مجھے نجات دے۔ وزیر نے جواب دیا کہ اے بادشاہ میں توڑ جوڑ میں ہوں کہ دینِ عیسوی میں فتنہ بپا ہو جائے۔

اس نصرانی قوم میں بارہ امیر بڑے زبردست تھے جو اپنے قبیلوں پر حکومت کرتے تھے اور کوئی آدمی اپنے امیرِ قبیلہ کے حکم سے سرتابی نہ کرتا تھا اور یہ بارہ کے بارہ امیر اس مکّار وزیر کے غلام ہو گئے تھے سب کے سب اس کے قول کی تصدیق کرتے اور اس کے اعمال و افعال کی پیروی کرتے تھے اور اس کے اشارے پر جان دینے کے لیے تیّار تھے۔

اب اس یہودی بچّے نے چالاکی یہ کی کہ ہر امیر کے نام ایک ایک وصیت نامہ اس اہتمام سے لکھا کہ ہر ایک میں طریقِ عبادات اور دین کے معارف ایک دوسرے سے مختلف بلکہ بالکل متضاد تھے۔ کسی میں ریاضت کرنے اور بھوکے رہنے کی ہدایت تھی اور توبہ و انابت کی شرط تھی تو کسی میں لکھا تھا کہ ریاضت بے کار ہے، اس راہ میں جود و سخا کے بغیر نجات نہیں۔ کسی میں لکھا تھا کہ تیری بھوک پیاس اور تیری سخاوت یہ سب شرک ہے، سوائے توکّل و تسلیم کے باقی سب مکر کے پھندے ہیں۔ کسی میں لکھا کہ آدمی پر خدمتِ خلق واجب ہے اور توکّل کا خیال محض فریب ہے۔ کسی میں لکھا کہ یہ جو دین میں امر و نہی کے احکام ہیں یہ اس لیے

نہیں کہ ان پر عمل کیا جائے بلکہ اس لیے کہ ہمارا یہ عجز ہم پر ثابت ہو کہ ہم ان کی پوری پوری تعمیل نہیں کر سکتے اور اس طرح ہم پر خدا کی قدرت اور ہیبت طاری ہو۔ کسی میں لکھا کہ اپنا عجز مت دیکھ، اپنا عجز دیکھنا تو خدا کی دی ہوئی نعمت سے انکار کرنا ہے بلکہ اپنی قدرت و اختیار کو اسی کی دی ہوئی نعمت اور عینِ حق سمجھ۔ کسی میں لکھا کہ قدرت و نعمت ان دونوں پر توجّہ نہ کر سوا خدا کے جو کچھ آدمی کے پیشِ نظر ہو وہ بُت ہے۔ کسی میں لکھا کہ یہ عجز اور قدرت اور جہاں تک تیرا فکر پہنچے ان سب سے نظر پھیرے کیوں کہ ہر بین والے اپنے اپنے نفس کی رہ نمائی میں چل کر ٹھوکریں کھاتے رہے۔ کسی میں لکھا کہ یہ غور و فکر جو مشاہدۂ حق کے لیے تو کرتا ہے یہ شمعِ راہ ہے اس کو کبھی بجھنے نہ دے، اگر تو مراقبے و مشاہدے ترک کر دے گا تو تیری شمعِ وصال آدھی رات کو تیرے ہی ہاتھوں گل ہو جائے گی۔ کسی میں لکھا تھا کہ اس مراقبے و مشاہدے کی شمع کو بجھا دے کوئی خوف نہ کر تا کہ آخرت میں ایک کا بدلہ ایک لاکھ پائے۔ کسی میں لکھا کہ جو کچھ خدا نے تجھے عطا کیا اور تجھ پر اسے آسان کر دیا اس کو خوشی خوشی لے اور اپنے آپ کو امتحان میں مت ڈال۔ کسی میں لکھا کہ یہ سارا عالم ایک ہی ہے جو شخص خدا اور بندے کو الگ الگ دیکھتا ہے وہ بھینگا ہے۔ کسی میں لکھا کہ یہ کثرت ایک کیوں کر ہو سکتی ہے ایسا گمان کرنے والا سوا مجنون کے اور کون ہو سکتا ہے۔

غرض اس قسم کے ایک دوسرے کی ضد بارہ وصیت نامے اس دینِ عیسوی کے دشمن نے لکھے۔ اس نے عیسیٰؑ کی یک رنگی کی بو بھی نہ سونگھی تھی مگر اس تیاری کے بعد اب انتہائی مکر یہ کھیلا کہ وعظ و نصیحت ترک کر کے تنہائی میں جا بیٹھا۔ چالیس پچاس دن تک جو چلّہ کیا تو مریدوں میں عام اضطراب پھیل گیا۔ تمام مخلوق اس کے حال، قال، ذوقِ عرفان اور اس کے دیدار کے شوق میں دیوانی

ہوگئی۔ بہتیری منّت سماجت کی، روئے پیٹے مگر وہ شدّت ریاضت سے دوہرا ہوگیا اور اندر ہی اندر سے جواب دیا کہ میری جان اپنے چاہنے والوں سے دور تو نہیں لیکن باہر آنے کا دستور نہیں۔ تمام امیر مخلوق کی سفارش کے لیے جمع ہوئے اور مریدوں نے آہ وزاری شروع کی۔ وزیر نے جواب دیا کہ اے سخن پرست مسخرو! صرف زبان سے کان تک وعظ و پند کو قبول کرنے والو! ان ظاہری کانوں میں روئی کی ڈاٹیں ٹھونسو اور آنکھوں پر سے ظاہر کے ٹانکے توڑو، یہ ظاہری کان باطنی کانوں کی ڈاٹیں ہیں۔ جب تک ظاہری کان بہرے نہ ہوں باطنی کان نہیں کھلتے لہٰذا بالکل بے حس، بے گوش اور بے سمجھ ہو جاؤ تاکہ خدا سے خطاب اِرجِعی[1] سن سکو۔ اگر مجھے مانتے ہو تو میں اپنا آخری پیام تم تک پہنچا دوں گا۔ لیکن اگر میرے کمال میں کچھ بھی شبہہ ہے تو خود کیوں زحمت اٹھاتے اور مجھے کیوں تکلیف پہنچاتے ہو۔ میں اس تنہائی سے ہرگز باہر نہ نکلوں گا کیوں کہ مراقبے و مشاہدے میں مشغول ہوں، سب نے عرض کیا کہ اے وزیر ہم کو تیرے حکم سے کوئی انکار نہیں ہے اور ہمارا کہنا غیریت کے ساتھ نہیں بلکہ ہماری حالت یہ ہے کہ تیرے فراق میں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور روح کی گہرائیوں سے آہ کے دھوئیں بلند ہو رہے ہیں۔ بچہ اپنی ماں یا انّا کی گود میں بُرائی بھلائی جانے بغیر بھی روتا ہے تو یہ اس کا رونا شکوہ شکایت کی بنا پر نہیں ہوتا۔ وزیر نے اندر ہی اندر سے پکار کر کہا کہ اے میرے مریدو! تم کو معلوم ہے کہ مجھ کو عیسیٰؑ نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنے سب مریدوں اور بہی خواہوں سے الگ ہو جاؤں، دیوار کی طرف رُخ کر کے تنہا بیٹھوں اور اپنے وجود سے بھی جدائی اختیار کروں بس اس سے

---

[1] سورۂ فجر یٰۤاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً

زیادہ کہنے کی اجازت نہیں اور مجھے گفتگو سے کام بھی نہیں۔ اے دوستو! خدا حافظ! میں مرچکا ہوں اور چوتھے آسمان پہ پہنچ چکا ہوں تاکہ آسمانِ آتشیں کے نیچے سوکھی لکڑی کی طرح نہ سلگوں۔ بس اب میرا منشا یہ ہے کہ حضرت کے پاس چوتھے آسمان پر حاضر رہوں

اس کے بعد ہر امیر کو الگ الگ بلا کر تنہائی میں بات چیت کی اور ہر ایک سے یہی کہا کہ دینِ عیسوی کا سچا پیرو اور میرا خلیفہ تو ہی ہے باقی سب امیر تیرے پیرو رہیں گے عیسیٰؑ مسیح کا حکم یہی ہے لہذا جو امیر تجھ سے سرتابی کرے اس کو گرفتار کر کے مار ڈال یا قید کر دے لیکن جب تک میں مر نہ جاؤں یہ راز کسی پر ظاہر نہ کر۔

اسی طرح ہر امیر کو الگ الگ اس نے وصیت کی کہ دینِ خدا میں میرا نائب تیرے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے اور ہر ایک سے رازداری کا وعدہ لیا اور خلافت دے کر ایک ایک وصیت نامہ دیا یہ سب وصیت نامے حروفِ تہجی کی طرح ایک دوسرے سے مختلف اور آپس میں متضاد تھے۔

اس کام سے فارغ ہو کر دوسرے دن سے دروازہ بند کر کے پھر چلے میں بیٹھ گیا اور اسی مدت میں اپنے کو ہلاک کر لیا۔ جب مخلوق اس کی موت سے آگاہ ہوئی تو اس کی قبر پر قیامت برپا ہو گئی، اس کے دردِ فراق میں کیا امیر کیا غریب سب بے قرار ہو کر ماتم کرتے رہے۔ آخر ایک ماہ کے بعد سب مرید جمع ہوئے اور امیروں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ اس کی گدی پر بیٹھنے کا اہل کون ہے تاکہ ہم اس کو اپنا پیشوا بنائیں اور اس کی شفاعت و امداد کا دامن تھامیں۔

اب ایک امیر قوم کے سامنے آیا اور دعویٰ کیا کہ اس وزیر کا اور اس سے پہلے عیسیٰؑ کا نائب میں ہوں۔ دیکھو! یہ وصیت نامہ میرے دعوے کا شاہد ہے کہ یہ نیابت میرا ہی حق ہے۔ اس کے بعد دوسرا امیر مقابلے پر آیا اور اس نے بھی بغل

سے ایک وصیت نامہ نکالا اور خلافت کا دعویٰ کیا، یہاں تک کہ دونوں میں غصّہ اور ضد پیدا ہوگئی اور اسی طرح بارہ کے بارہ امیروں نے اپنی اپنی ٹکڑیاں الگ کر کے تلواریں سونت لیں۔ ہر امیر ایک ہاتھ میں تیغ اور دوسرے ہاتھ میں وصیت نامہ لیے میدانِ جنگ میں اترا اور مست ہاتھی کی طرح ایک دوسرے کے مقابل ہوگیا۔ ہر قبیلے نے اپنے اپنے امیر کا ساتھ دیا اور ان میں سخت جنگ ٹھن گئی۔ لاکھوں نصرانی اس جنگ میں ہلاک ہوئے یہاں تک کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ مگر اس سے بھی بڑھ کر آفت یہ آئی کہ اُن کے عقیدوں میں ہمیشہ کے لیے سخت اختلاف پیدا ہوگیا۔ وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے اور اس نااتفاقی نے انھیں پھر کبھی ملنے نہ دیا۔ نہ اُن کے دین کی کوئی وقعت اور قوت باقی رہی۔ صرف وہ گروہ جس نے خاتم المرسلین صلعم کی پیشین گوئی کو سمجھا اور مبارک نام احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعظیم کی، اس نام کی پناہ میں آگیا ورنہ دینِ عیسوی کے سب احکام خبط اور عقائد ایک معما بن کے رہ گئے اور خردمندوں کی نظر سے گر گئے۔

ایک خرگوش کا شیر کو مکر سے ہلاک کرنا

کلیلہ دمنہ سے اس قصّے کو پڑھ اور اس میں سے اپنے حصّے کی نصیحت حاصل کر۔ کلیلہ دمنہ میں جو کچھ تو نے پڑھا وہ محض چھلکا اور افسانہ ہے، اس کا مغز اب ہم پیش کرتے ہیں۔

ایک سبزہ زار میں چرندوں کی شیر سے ہمیشہ کشمکش رہتی تھی چونکہ شیر چرندوں کی تاک میں لگا رہتا تھا اس لیے وہ چراگاہ ان سب کو اجیرن ہوگئی تھی۔ آخر

سب نے مل کر ایک تدبیر سوچی اور شیر کے پاس آ کر کہا کہ ہم روزانہ تیرے کھانے کے لیے پیٹ بھر کے راتب مقرر کیے دیتے ہیں اس مقررہ راتب سے زیادہ شکار مت کرنا کہ یہ جنگل ہم پر تنگ نہ ہو جائے۔ شیر نے جواب دیا کہ اچھا اگر تم مکر نہ کرو اور اپنے قول قرار پر قائم رہو تو یہ بھی سہی۔ مگر میں تم جیسوں سے بہت بہت دھوکے کھا چکا ہوں، میں بہت سوں کے قول و فعل سے نقصان اٹھا چکا ہوں اور بہت سے سانپ بچھو مجھے ڈس چکے ہیں۔ بہت کچھ بحث ہوئی جانور کہتے تھے کہ اے بہادر سردار جب تجھے گھر بیٹھے رزق پہنچتا ہے تو پھر خدا کا شکر بجا لا اور زیادہ کی ہوس میں تکلیف اور مشقت نہ اٹھا کیوں کہ تو ہزار ہاتھ پاؤں مارے خدا نے جو نصیب میں لکھ دیا ہے اس سے زیادہ مل ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے اللہ کے نیک بندوں نے توکل کی تعلیم دی ہے۔ شیر نے جواب دیا کہ اللہ کے نیک بندوں نے تو ہمیشہ سخت محنت کی اور تکلیف اٹھائی۔ یہ دنیا تلاش اور جستجو کا مقام ہے۔ علم الٰہی کے بھید بھی محنت اور کوشش ہی سے کھلے ہیں۔

غرض شیر نے وہ دلیلیں دیں کہ وہ جبری فرقہ لاجواب ہو گیا۔ لومڑی، خرگوش، ہرن اور گیدڑ نے جبر کے طریق کو ترک کر دیا اور شیر سے عہد کیا کہ یہ بیعت کبھی نہ ٹوٹے گی۔ ہر روز شکار بے کھٹکے پہنچ جائے گا اور تقاضے کی نوبت نہ آ سکے گی۔ یہ معاہدہ کر کے وہ ایک چراگاہ میں پہنچے۔ سب مل کر ایک جگہ بیٹھے اور آپس میں گفتگو ہوئی۔ ہر ایک نئی تدبیر اور نئی رائے بتاتا تھا دوسرے کو کٹوانے کے درپے تھا۔ آخرکار یہ رائے طے ہوئی کہ قرعہ ڈالا جایا کرے۔ قرعے میں جس کا نام آ جائے وہ بغیر کسی حیل حجت کے شیر کی غذا کے لیے نامزد کیا جائے۔ ان سب نے اس طریقے کو تسلیم کیا۔ چنانچہ ہر روز جس کے نام قرعہ نکلتا وہ شیر کے پاس بے کھٹکے روانہ ہو جاتا تھا۔ جب اس قربانی کا دور خرگوش تک پہنچا تو خرگوش پکارا کہ کیوں صاحب! آخر یہ ستم کب تک

سمجھا جائے گا؟ چرندوں نے کہا کتنی مدت سے ہم عہد کے مطابق اپنی جان فدا کر رہے ہیں۔ اے سرکش! ہم کو بدنام مت کر اور بہت جلد جا، ایسا نہ ہو کہ شیر ہم سے ناراض ہو جائے۔ خرگوش نے کہا کہ دوستو! مجھے اتنی مہلت دو کہ میری تدبیر تم کو ہمیشہ کے لیے مصیبت سے بچا دے۔ مجھے خدا نے ایک نئی چال سمجھا دی ہے اور کم زور جسم والے کو بڑی قوی رائے سے سرفراز کیا ہے۔ چرندوں نے کہا اے چالاک خرگوش! بھلا بتا تو سہی کہ تیری سمجھ میں کیا آیا ہے کہ تو شیر سے الجھتا ہے تو صاف صاف بیان کر کیوں کہ مشورت سے فہم حاصل ہوتی ہے اور ایک عقل کو کئی عقلوں سے مدد ملتی ہے، خرگوش نے کہا کہ ہر راز بیان کے لائق نہیں ہوتا ایسا کرنے سے مبارک کام نامبارک ہو جاتا ہے اور کبھی نامبارک کام مبارک۔ بالغرض اس نے اپنا راز چرندوں سے بیان نہ کیا اور اپنا راز اپنی جان کے ساتھ لگائے رکھا۔ اس نے شیر کے سامنے جانے میں کچھ دیر لگائی اور اس کے بعد خوں خوار شیر کے سامنے چلا گیا۔

دیر ہو جانے سے شیر غرّا غرّا کر زمین کو نوچے ڈال رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ دیکھا! میں نہ کہتا تھا کہ ان کمینوں کا عہد بالکل بودا ہے اور پورا ہونے والا نہیں۔ ان کی چکنی چپڑی باتوں نے مجھے گدھے سے بھی بدتر کر دیا۔ خیر دیکھوں تو یہ مخلوق کب تک دھوکے دیتی رہے گی۔ وہ غصّے میں گرج رہا تھا کہ ارے! ان دشمنوں نے کانوں کی راہ سے میری آنکھیں بند کر دیں۔ ان اہلِ جبر کے مکر نے مجھ کو بے دست و پا ہی نہیں کیا بلکہ میرے بدن کو لکڑی کی تلوار سے قیمہ کر دیا۔ آئندہ ان کی چاپلوسی میں کبھی نہ آؤں گا کہ وہ سب شیطانوں اور چڑیلوں کے بہکاوے ہیں۔

اتنے میں دیکھا کہ خرگوش دور سے آرہا ہے، خرگوش بالکل گستاخانہ بے خوف دوڑتا آرہا تھا اور اس میں بھی سرکشی کے انداز تھے۔ کیوں کہ قاعدہ ہے کہ غم زدہ یا جھجکتی ہوئی چال پر شبہ ہو جایا کرتا ہے اور دلیرانہ چال پر کوئی اندیشہ نہیں کرتا۔

جب وہ آگے بڑھ کر نزدیک پہنچا تو شیر نے وہیں سے ڈانٹا کہ ای ناخلف! ارے میں نے کتنے بیلوں کو چیر ڈالا اور کتنے شیروں کو گوش مالی دے دی ہی، یہ آدھا خرگوش ایسا کہاں کا ہی جو اس طرح ہمارے فرمان کی خاک اڑائے۔ ارے گدھے! اپنے خواب خرگوش کو ترک کر اس شیر کے غرّانے کو غور سے سن۔

خرگوش نے عرض کی" اگر جان کی امان پاؤں تو ایک عذر پیش کروں"۔ شیر نے کہا" ابے بھونڈے بے وقوف بادشاہوں کے آگے سارا زمانہ آئینہ ہی، بھلا تو کیا عذر پیش کرے گا، تو مرغ بے ہنگام ہی تیرا سر اڑا دینا چاہیے، احمق کے عذر کو کبھی سننا بھی نہ چاہیے"۔

خرگوش نے کہا کہ" ای بادشاہ! ادنیٰ سے ادنیٰ رعیت کو بھی رعیت سمجھ اور مصیبت زدوں کی معذرت کو قبول فرما۔ یہ تیری شان و شکوہ کی زکوٰۃ ہوگی"۔

شیر نے کہا کہ" میں مناسب موقع پر کرم بھی کرتا ہوں اور جو شخص جس جامے کے لائق ہوتا ہی وہ اس کو پہناتا ہوں"۔

خرگوش نے عرض کی کہ" اگر تجھے عذر قبول ہی تو سن کہ میں صبح سویرے اپنے رفیق کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو رہا تھا (ان چرندوں نے) تیرے واسطے آج ایک اور خرگوش بھی میرے ساتھ کر دیا تھا۔ راستے میں ایک دوسرے شیر نے ہم غلاموں پر تاک لگائی میں نے اس سے کہا ہم شاہنشاہ کی رعیت ہیں اور اسی درگاہ کے غلام ہیں۔ اس نے کہا کہ بادشاہ کون ہوتا ہی تجھے کہتے ہوئے شرم نہیں آتی، ہمارے آگے کسی کا ذکر مت کر۔ اگر تو اس رفیق کے ساتھ میرے آگے سے ذرا بھی کترائے گا تو تجھ کو اور تیرے شاہنشاہ کو پھاڑ ڈالوں گا۔ میں نے کہا کہ ذرا مجھے اتنی ہی اجازت دیجیے کہ اپنے بادشاہ سلامت سے تمھاری خبر پہنچا کر چلا آؤں۔ اس نے کہا کہ اپنے ساتھی کو رہن کر دے ورنہ میرے مذہب میں تو قربانی ہی

ہم دونوں نے ہر چند خوشامد درامد کی مگر اس نے ذرا نہ سنا۔ میرے ساتھی کو چھین لیا اور مجھے چھوڑ دیا۔ وہ ہمراہی اس کے پاس گروی ہوگیا اور مارے خوف کے اس کا دل خون ہوگیا۔ میرا ہمراہی تازگی اور موٹاپے میں مجھ سے تگنا اور نہ صرف جسم میں بلکہ خوبی اور خوب صورتی میں بھی کہیں بڑھا چڑھا ہے۔ القصہ اس شیر کی وجہ سے وہ راستہ بند ہوگیا۔ ہم پر جو کچھ بیتا پڑی وہ گوش گزار کی گئی۔ لہٰذا اے بادشاہ! اس حالت میں روزمرّہ اپنا راتب پہنچنے کی امید نہ رکھ۔ سچّی بات کڑوی ہوا کرتی ہے مگر میں نے تو سچ ہی کہہ دیا۔ اگر تجھے بر وقت راتب چاہیے تو راستے کو صاف کر۔ ابھی میرے ساتھ چل اور اس نڈر شیر کو دفع کر۔" شیر نے کہا "ہاں چلو، دیکھوں تو وہ کہاں ہے؟ اگر تو سچا ہے تو آگے آگے چل تاکہ اس کو اور اس جیسے سو بھی ہوں تو سزا دوں اور اگر تو نے جھوٹ کہا ہے تو اس کی سزا تجھے دوں۔"

خرگوش آگے آگے فوج کے نشان بردار کی طرح بڑھا تاکہ شیر کو اپنے مکر کے جال تک پہنچائے۔ ایک شکستہ کنوئیں کو پہلے ہی سے منتخب کر لیا تھا۔ دونوں وہاں تک پہنچ گئے مگر دراصل گھاس تلے کا پانی تو خود یہی خرگوش تھا۔ پانی گھاس پھوس کو تو بہا لے جایا کرتا ہے مگر تعجب یہ ہے کہ پہاڑ کو بھی بہا لے جاتا ہے، خرگوش کے مکر کا جال شیر کے حق میں کمند ہوگیا۔ وہ خرگوش بھی عجیب دل گردے کا تھا کہ شیر کو اڑا لے گیا۔ شیر جو خرگوش کے ساتھ تھا تو غصے میں بھرا ہوا اور کینے کی آگ میں پھک رہا تھا۔ دلیر خرگوش جو آگے آگے تھا اب اس نے آگے بڑھنے سے پاؤں روکے۔ شیر نے دیکھا کہ ایک کنوئیں کے پاس آتے ہی خرگوش رکا اور پاؤں پیچھے پیچھے ڈالنے لگا۔ شیر نے پوچھا "تو نے آگے بڑھتے ہوئے قدم پیچھے کیوں پھیر لیے، خبردار پیچھے مت ہٹ، آگے بڑھ۔" خرگوش نے کہا "میرے پاؤں میں دم کہاں، میرے تو ہاتھ پیر پھول گئے۔ میری جان میں کپکپی پڑ گئی اور دل ٹھکانے نہیں رہا۔ تو نہیں دیکھتا

کہ میرے چہرے کا رنگ سونے جیسا زرد پڑ گیا ہے، یہ میری دلی حالت کی خبر دیتا ہے"۔ شیر نے کہا" آخر سبب تو بتا کہ تو اس طرح کیوں جھجک رہا ہے؟ اے بیہودہ! تو مجھے چکمہ دیتا ہے، سچ بتا تو نے پاؤں آگے بڑھنے سے کیوں روکا؟" خرگوش نے کہا "اے بادشاہ وہ شیر اسی کنویں میں رہتا ہے۔ کنواں کیا ہے ایک قلعہ ہے جس میں وہ ہر آفت سے محفوظ ہے۔ میرے ساتھی کو چھین کر اسی کنویں میں لے گیا ہے"۔ شیر نے کہا اچھا تو آگے بڑھ کر دیکھ اگر وہ کنویں میں اب بھی موجود ہے تو میرے مقابلے سے مغلوب ہو جائے گا"۔ خرگوش نے کہا کہ "میں تو اس کے خوف کی آگ سے جلا جا رہا ہوں، البتہ اگر تو مجھے اٹھا کر اپنی بغل میں لے لے تو نشان دہی کرنے کو حاضر ہوں تاکہ اے بلوان! تیری ہمت اور پشتی بانی کی ڈھارس میں آنکھیں کھولوں اور کنویں میں جھانک کر دیکھوں۔ میں تو صرف تمھاری ہمت ہی سے کنویں کی طرف رُخ کر سکتا ہوں"۔

شیر نے اسے اپنی بغل میں اٹھا لیا تو اس کی پناہ میں کنویں کے دہانے تک پہنچا۔ جب ان دونوں نے کنویں میں جھانکا تو شیر نے اس کی بابت کی تصدیق کی۔ اصل میں کنویں کے پانی میں شیر نے اپنے ہی عکس کو اس طرح دیکھا کہ ایک شیر بغل میں خرگوش دبائے کھڑا ہے۔ جونہی اس نے پانی میں اپنے دشمن کو دیکھا، غصے میں بے تاب ہو کر خرگوش کو چھوڑ دیا اور کنویں میں کود پڑا اور جو کنواں ظلم کا کھودا تھا اس میں خود ہی گر گیا۔

جب خرگوش نے دیکھا کہ شیر کنویں میں بے دم ہو گیا تو قلابازیاں کھاتا خوشی خوشی سبزہ زار کو دوڑا۔ وہ شیر کا شکاری چرندوں میں پہنچا اور کہا کہ "اے قوم! مبارک ہو، خوش خبری دینے والا آگیا۔ اے عیش کرنے والو! خوش ہو جاؤ کہ وہ دوزخ کا کتا پھر دوزخ کو سدھارا جس کو سوائے ظلم کے کچھ نہ سوجھتا تھا، مظلوم کی آہ اس کو

لگی اور وہ پارہ پارہ ہوگیا۔ اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ سر پھٹ کر بھیجا نکل پڑا اور ہماری جانوں کو آسے دن کی مصیبت سے امان ملی۔ خدا کا فضل ہے کہ وہ نیست و نابود ہو گیا اور ایسے سخت دشمن پر ہمیں غلبہ حاصل ہوا۔

سب چرندے مارے خوشی کے اچھلنے کودتے اور قہقہے لگاتے ایک جگہ جمع ہوئے خرگوش کو شمع کی طرح بیچ میں لے کر سب نے سجدہ کیا اور کہا بے شک یا تو تو فرشتہ ہے یا جن ہے یا شیروں کا ملک الموت ہے۔ جو کچھ بھی تو ہے ہماری جان تجھ پر قربان ہے۔ تو نے ایسی فتح پائی ہے کہ بس یہ تیرے ہی زور بازو کا کام تھا۔ بھلا اس خوش خبری کا تفصیلی واقعہ تو سنا جس سے ہماری روح کو تازگی اور دل کو غذا ملی ہے۔ اس نے کہا اے میرے بزرگو! یہ محض خدا کی تائید تھی ورنہ خرگوش کی کیا بساط ہے۔ خدا نے مجھے جرأت اور عقل کو روشنی بخشی اور اس عقل کی روشنی سے میرے ہاتھ پیروں میں توانائی آئی ہے۔ اے حضرات! یہ اسی کا فضل ہے لہذا جان و دل سے خدا کی درگاہ میں سجدہ کرو اور یہ دعا کرو۔ اے بادشاہوں کے بادشاہ! ہم نے ظاہری دشمن کو تو مار لیا لیکن اس سے بدتر دشمن ہمارے اندر موجود ہے۔ اس اندر کے دشمن کو مارنا عقل و تدبیر سے ممکن نہیں کیوں کہ یہ خرگوش کے بس کا نہیں۔ ہمارا نفس دوزخ ہے اور دوزخ ایسی آگ ہے کہ سات سمندر پی کر بھی نہ بجھے اور اس کی بھڑک میں کوئی کمی نہ آئے۔

ہدہد کے دعوے پر کوّے کا طعنہ اور ہدہد کا جواب

جب سلیمانؑ کی بادشاہت کا ڈنکا بجا تو سب پرندے اطاعت میں حاضر ہوئے جب انھوں نے سلیمانؑ کو اپنا محرم راز اور زبان داں پایا تو ہر گروہ دل و جان سے حاضرِ دربار ہو گیا۔ سب پرندوں نے اپنی چوں چوں کرنی چھوڑ دی اور سلیمانؑ کی صحبت

میں بنی آدمؑ[۵۱] سے زیادہ فصیح بولنے لگے۔ سب پرندے اپنی اپنی حکمت و دانائی بیان کرتے تھے مگر یہ خودستائی کچھ شیخی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اپنی خلقت کا اظہار تھا کہ سلیمانؑ کو ہدایت و تعلیم کے پھیلانے میں مدد ملے۔ ہوتے ہوتے ہُدہُد کی باری آئی اس نے کہا اے بادشاہ ایک ہنر جو سب سے ادنیٰ ہے عرض کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ تصربات ہی مفید ہوتی ہے۔ سلیمانؑ نے پوچھا کہ وہ کون سا ہنر ہے؟ ہُدہُد نے کہا کہ جب میں بلندی پر اڑتا ہوں تو پانی کو پاتال میں بھی ہو تو دیکھ لیتا ہوں۔ اس تفصیل کے ساتھ کہ یہ کہاں ہے کس گہرائی میں اور اس کا کیا رنگ ہے، یہ بھی کہ وہ پانی زمین میں سے اُبل رہا ہے یا پتھر سے رِس رہا ہے۔ اے سلیمانؑ تو اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ مجھ ایسے واقف کار کو رکھ۔ حضرت نے کہا اچھا بے آب و گیاہ اور خطرناک ریگستانوں میں تو ہمارے ساتھ رہا کر۔ تو ہماری ہمراہی بھی کرے اور پیش روی بھی تاکہ ہمارے لیے پانی کا کھوج لگاتا رہے۔

جب کوّے نے سنا کہ ہُدہُد کو یہ منصب عطا ہو گیا تو اسے حسد ہوا اور حضرت سلیمانؑ سے عرض کیا کہ ہُدہُد نے بالکل غلط کہی اور گستاخی کی ہے۔ یہ خلافِ ادب ہے کہ بادشاہ کے حضور میں ایسا جھوٹا دعویٰ کیا جائے جس کا پورا کرنا ممکن نہ ہو۔ اگر ہمیشہ اس کی نظر اتنی تیز ہوتی تو مٹھی بھر خاک میں چھپا ہوا پھندا کیوں نہ دیکھ سکتا۔ جال میں کیوں پھنستا اور پنجرے میں کیوں گرفتار ہوتا۔ سلیمانؑ نے کہا کیوں اے ہُدہُد کیا یہ سچ ہے کہ تو میرے آگے دعویٰ کرتا ہے اور وہ بھی جھوٹا۔ ہُدہُد نے کہا خدا کے واسطے اے بادشاہ! مجھ بے نوا فقیر کے خلاف دشمن کی لگائی بجھائی میں مت آ۔ اگر میرا دعویٰ غلط ہو تو

---

[۵۱] افصح من اخیک مولانا کا حاکمانہ طرزِ بیان ہے، اخیک یعنی تیرے بھائی مراد بنی آدم۔

یہ سر حاضر ہی، ابھی گردن اڑا دے۔ رہی موت اور خدا کے حکم سے گرفتاری، اس کا علاج میرے کیا کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ اگر خدا کی مشیت میری عقل کی روشنی کو نہ بجھائے تو میں اُڑتے اڑتے پھندے اور جال کو دیکھ لوں۔ لیکن جب حکمِ الٰہی ہوتا ہے تو عقل سو جاتی ہے، چاند سیاہ ہو جاتا ہے اور آفتاب گہن میں آجاتا ہے میری عقل اور بینائی میں یہ قوت نہیں ہے کہ خدائی حکم کا مقابلہ کروں۔

حضرت عمرؓ کے پاس سفیرِ قیصر کا آنا

قیصر کا ایک سفیر دور دراز بیابانوں کو طے کر کے حضرت عمرؓ سے ملنے کو مدینے پہنچا۔ لوگوں سے پوچھا کہ خلیفہ کا محل کون سا ہے تاکہ میں وہاں اپنا خیمہ و خرگاہ پہنچاؤں۔ لوگوں نے جواب دیا کہ اس کا کوئی محل نہیں اس کا روشن قصر تو اس کا دل ہے۔ اس کی حکومت و شہریاری کا ساری دنیا میں شہرہ ہے لیکن وہ خود درویشوں کی طرح گھاس پھوس کی جھونپڑی میں رہتا ہے۔ اے بھائی! تجھے اس کا محل کیا دکھائی دے گا جب کہ تیرے دل کی آنکھ میں[1] بال نکل آئے ہیں۔ پہلے دل کی آنکھ سے بیماری کے بال صاف کر دے پھر کہیں اس کے محل کے دیکھنے کی آرزو کر۔ جب سفیرِ روم نے یہ باتیں سنیں تو اور زیادہ مشتاق ہو گیا خیمہ و خرگاہ کو بے نگرانی چھوڑ کر حضرت عمرؓ کی ہر طرف تلاش کرنے لگا۔ قاعدہ ہے کہ ڈھن سچی ہو تو ڈھونڈنے والا مطلب پا ہی جاتا ہے۔ ایک اعرابی کی عورت نے کہا کہ دیکھو! عمرؓ اس کھجور کے درخت کے نیچے ہیں۔ ساری مخلوق سے الگ ہو کر وہ ظل اللہ درخت کے سایے میں سو رہا ہے۔ سفیر اُدھر بڑھا

---

[1] مراد پربال کی بیماری

تو وہ دور ہی ٹھٹک کر رہ گیا اور حضرت عمرؓ کو دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ ہر چند آپ سو رہے تھے مگر سفیر پر ہیبت طاری ہو گئی اور اسی کے ساتھ روح میں ایک سرور کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اگرچہ محبت اور ہیبت ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن اس نے یہ دو ضدیں اپنے دل میں جمع پائیں۔ اپنے جی میں کہنے لگا کہ میں نے کتنے بادشاہوں کی شان و شوکت دیکھی ہے اور بڑے بڑے درباروں میں سرفرازی حاصل کی ہے۔ کسی بادشاہ کی ہیبت مجھ پر اتنی نہیں چھائی جتنی کہ اس مرد کے رعب نے میرے ہوش اڑا دیئے۔ میں شیروں کے بَن میں بھی پھرا ہوں مگر کبھی ایسا خوف زدہ نہیں ہوا۔ میں نے جنگوں اور بڑی بڑی مہموں میں صفیں کی صفیں الٹ دی ہیں۔ میں نے بڑے بڑے زخم کھائے بھی ہیں اور لگائے بھی ہیں۔ ہمیشہ دوسروں کے مقابلے میں میرا دل مضبوط رہا۔ مگر یہ شخص جو بے ہتھیار زمین پر پڑا سوتا ہے، کیا سبب ہے کہ اسے دیکھ کر میری بوٹی بوٹی لرز رہی ہے۔ یہ اس گدڑی والے فقیر کی ہیبت نہیں ہو سکتی۔ یہ ضرور حق کی ہیبت ہے۔ مخلوق کی نہیں۔

وہ دل ہی دل میں یہ باتیں کر رہا تھا کہ حضرت عمرؓ خواب سے بیدار ہوئے۔ سفیر نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ آپ نے جواب دے کر آگے طلب کیا اور تسلّی دے کر اپنے پاس بٹھایا۔ اس کے ویران دل کو آباد کیا۔ بہت سی معرفت کی باتیں سمجھائیں۔ گویا شوقین شاگرد کو کامل استاد ملا۔ سفیر نے دریافت کیا کہ اے امیر المومنین جان سی لطیف شے عالمِ بالا سے عالمِ اسفل میں کیسے اتری اور ناحق وہ عالم کا پرندہ گھٹے ہوئے پنجرے میں کیسے بند ہو گیا؟ حضرت نے فرمایا کہ جنابِ باری کے حکم میں وہ لذّت اور ترغیب ہے کہ بےگنتی وجود وجود کی حالت میں عدم کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔

سفیر نے جب یہ نکتے سنے تو اس کے دل میں ایک نئی روشنی پیدا ہوئی اس نے پھر سوال کیا کہ اس میں فائدہ اور حکمت کیا تھی کہ لطیف روح اس کثیف خاک

ہیں قید ہو گئی صاف پانی کا کیچڑ میں جذب ہو جانا اور روح باقی کا فانی اجسام میں گرفتار ہونا ایک سی بات ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے عزیز تو چاہتا ہے کہ تیری ہر بات میں معنی بندھے ہوئے ہوں۔ آزاد و لطیف مطالب کو لفظوں میں قید کرنا ایسا ہے جیسے ہوا کو چند آوازوں میں بند کر لینا۔ یہ کام تو نے ایک فائدے کی خاطر کیا ہے لیکن خود یہ فائدہ تیرے منشا کو کہاں دیکھ سکتا ہے۔ پس جب ہم کو اس فعل میں فائدے نظر آتے ہیں تو وہ ذات جس نے تمام فائدے پیدا کیے ہیں اپنے فعل میں کیا کیا فوائد نہ دیکھتی ہو گی۔ اب اگر گفتگو کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو زبان بند کر لے اور اگر واقعی فائدہ مند ہے تو اعتراض چھوڑ اور خدا کا شکر بجا لا۔

ایک مقید طوطی کا ہندستان کے طوطیوں کو پیغام بھیجنا

ایک سوداگر کے پاس ہندستان کا خوب صورت طوطی تھا۔ ایک مرتبہ سوداگر نے سامانِ سفر تیار کر کے ہندستان جانے کا قصد کیا۔ رخصت ہوتے وقت گھر کے سب نوکروں تک سے پوچھا کہ ہر ایک کے لیے کیا کیا تحفے لائے جائیں۔ ہر ایک نے اپنی اپنی پسند عرض کی۔ اس نے سب سے وعدہ کیا اور طوطی سے بھی دریافت کیا کہ مجھے ملک ہندستان جانا پڑ گیا ہے تو بتا تیری فرمائش کیا ہے؟ طوطی نے کہا جب تو وہاں کے طوطیوں کو دیکھے تو میرا حال یوں بیان کر کہ تمہاری قوم کا فلاں طوطی جو تمہاری ملاقات کا مشتاق ہے، گردشِ آسمان سے ہماری قید میں ہے۔ تم کو اس نے سلام کہا اور اپنی خلاصی کا مشورہ طلب کیا ہے۔ کہتا ہے ممکن ہے کہ میں تمہارے اشتیاق ہی اشتیاق میں ختم ہو جاؤں اور فراق میں جان دے دوں۔ کیا یہ انصاف ہے کہ میں قیدِ سخت میں گرفتار ہوں اور تم

کبھی سبزے پر اور کبھی درخت پر مزے اڑاؤ۔ کیا دوستوں کے آئینِ وفا ایسے ہی ہوتے ہیں کہ میں اس قید میں گرفتار اور تم خوش بو کے باغوں میں آزاد پھرو۔

سوداگر نے وعدہ کیا کہ اس کا پیام سلام اس کی قوم تک پہنچا دے گا۔ جب ہندستان کی حدود میں پہنچا تو جنگل میں چند طوطیوں کو دیکھا۔ گھوڑا روک کر آواز دی اور اپنے طوطی کا سلام اور وہ پیغام جو امانت تھا انھیں پہنچا دیا۔ ان طوطیوں میں سے ایک طوطی تھر تھر کانپ کر گر پڑا اور اس کا سانس اکھڑ گیا۔ مالکِ طوطی یہ خبر دیکھ کر بہت پشیمان ہوا اور جی میں کہنے لگا کہ میں نے ناحق ایک جان لی۔ شاید یہ ہمارے طوطی کا عزیز تھا۔ میں نے اپنی بے موقع بات سے اس غریب کو پھونک دیا۔ القصہ جب سوداگر کاروبارِ تجارت سے فارغ ہو کر اپنے وطن واپس آیا۔ تو ہر غلام کے لیے تحفہ لایا اور ہر لونڈی کو ہدیہ دیا۔ طوطی نے پوچھا کہ میری فرمائش بھی پوری کی، کیا کہا اور کیا دیکھا، بیان کر۔ سوداگر نے کہا کہ نہیں میرا جی نہیں چاہتا، میں خود کہہ کر پشیمان ہوں، اپنا ہاتھ چباتا اور انگلیاں کاٹتا ہوں کہ بیہودگی سے ایسا بُرا پیغام بالکل بے سمجھی اور بھولے پن سے کیوں لے گیا۔ طوطی نے کہا اے میرے مالک! پشیمانی کاہے کی؟ وہ ایسی کون سی پشیمانی ہے جس نے اس قدر غصہ اور غم پیدا کر دیا ہے۔ سوداگر نے کہا کہ تیرے ہم جنس طوطیوں کے گروہ سے میں نے تیری داستان بیان کی۔ ان میں ایک طوطی تیرا دردآشنا نکلا (پیغام سنتے ہی) اس کا پتّا پھٹ گیا، کانپ کر گرا اور مر گیا۔ میں ازحد پشیمان ہوا کہ پیغام ہی کیوں دیا لیکن جب منہ سے نکل گیا تو پشیمانی بے فائدہ ہے۔ سوداگر کے طوطی نے جب یہ قصہ سنا تو وہ بھی تھرتھرا کر گرا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ مالک نے طوطی کو اس حال سے گرا ہوا پایا تو کھڑا ہو گیا اور ٹوپی زمین پر پٹخ دی۔ رنج و غم کے مارے اپنا گریبان چاک کر دیا۔ بین میں کہتا تھا کہ اے خوب صورت اور خوش

آواز طوطی ، ارے یہ تجھے کیا ہوگیا ، تو ایسا کیوں ہوگیا۔ ہائے ہائے تو ایسا تھا اور تو ویسا تھا۔ آخر جب رو پیٹ چکا تو اس کو پنجرے سے باہر پھینک دیا۔ اور فوراً ہی طوطی اڑکر ایک بلند ڈالی پر جا بیٹھا۔ اس مردہ طوطی نے اس طرح کی پرواز کی جیسے آفتاب مشرق سے دھاوا کرتا ہو۔ مالک پرندے کی اس حرکت پر حیران رہ گیا۔ بھلاوے میں پڑا ہوا تھا کہ یکایک پرندے کے چلتر جو دیکھے تو سر اونچا کرکے اس سے مخاطب ہوا اور کہا کہ، ای میرے بلبل! اپنے حال کی تفصیل میں سے کچھ حصّہ ہم کو بھی دے۔ ہندستان کے طوطی نے کیا رمز کیا جس کو تو بھانپ گیا اور ہماری آنکھوں پر اپنے مکر سے پردہ ڈال دیا۔ تو نے وہ چال کھیلی کہ ہم کو جلایا اور خود روشن ہوگیا۔ طوطی نے کہا کہ اس نے اپنے عمل سے مجھے یہ نصیحت کی کہ نغمہ، آواز، خوش دلی کو ترک کر کیوں کہ تو اپنی صدا کے باعث ہی گرفتار ہوا ہے۔ صرف نصیحت کی غرض سے اس نے اپنے کو مردہ بنالیا۔ یعنی ای پرندے تو جو عام وخاص کا دل بہلانے والا گویا ہے تو مردہ بن جا تاکہ قید سے خلاصی پائے۔ پھر طوطی نے سلام کرکے کہا بس اب خدا حافظ ای میرے مالک! الوداع۔ تو نے بڑی مہربانی کی کہ مجھے اندھیری قید سے آزاد کردیا۔ مالک (سوداگر) نے کہا، خدا کی امان، جا۔ تو جاتے جاتے مجھ کو ایک نیا راستہ دکھا گیا۔ طوطی نے وطن اصلی کا رُخ کیا۔ ایک مدت صعوبتِ سفر اٹھانے کے بعد آسایش و آرام سے رہنے لگا۔ ادھر مالک نے اپنے جی میں کہا، میرے لیے اب مصلحت یہی ہے کہ طوطی کا راستہ اختیار کروں کہ وہ بالکل روشن اور صاف ہے۔

طوطی کے مرنے سے مراد نفس کو مارنا ہے۔ دیکھ موسمِ بہار میں بھی پتھر سرسبز نہیں ہوتا لہٰذا تو خاک ہو جا تاکہ تجھ سے رنگ برنگ کے پھول کھلیں۔ سالہا سال تو سخت پتھر بنا رہا، تھوڑی سی دیر کے لیے خاک ہوکر بھی آزمایش کر۔

ایک بوڑھے چنگی[1] کا گورستان میں خدا کے واسطے چنگ بجانا

تم نے سنا ہوگا کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک مطرب چنگ بجانے والا بڑا باکمال گزرا ہے۔ بلبل اس کی آواز سے مست ہو جاتے تھے۔ اس کی دل کش آواز کی ایک بینڈ میں سے سو آوازیں نکلتی تھیں۔ جہاں وہ گاتا تھا وہاں لوگ مسحور ہو جاتے تھے اور اس کی دردناک آواز سے قیامت برپا ہو جاتی تھی۔ اسی طرح زمانہ گزرتا گیا اور وہ بڈھا ہو گیا حتیٰ کہ تان میں جان نہ رہی اور اس کے نغمے میں مچھروں کی بھنبھناہٹ پیدا ہو گئی۔ گھٹڑے کے پھندے کی طرح اس کی پیٹھ خم اور گھوڑوں کی دمچی کی طرح بھویں آنکھوں پر لٹک پڑیں۔ وہ رسیلی آواز بالکل بے سُری، بھدّی اور دل خراش ہو گئی۔ وہ درد انگیز الاپ جس پر زہرہ کو بھی رشک آتا تھا بڈھے گدھے کی آواز کی مانند ہو گئی کہ اب اس کا کوئی قدردان نہ رہا اور رفتہ رفتہ وہ بالکل مفلس اور روٹی کپڑے تک کو محتاج ہو گیا۔ اسی پریشانی میں اس نے ایک روز درگاہِ الٰہی میں مناجات کی کہ اے بارِ الٰہ تو نے اپنے ذلیل بندے پر بڑے کرم کیے۔ عمرِ دراز بھی عطا کی اور اپنے عادات و اطوار درست کرنے کی مہلت بھی دی۔ میں نے ستّر سال تک گناہ کیا پھر بھی تو نے کسی دن مجھ سے اپنی بخشش واپس نہ لی لیکن آج میرے پاس کمائی میں سے کچھ نہیں ہے، آج میں تیرا مہمان ہوں۔ چوں کہ میں تیرا ہوں اس لیے چنگ بھی اب تیرے ہی حضور میں بجاتا ہوں۔ چنگ لیا اور خدا کی تلاش میں روتا ہوا مدینے کے قبرستان میں پہنچا اور کہا آج میں صلے کا طالب صرف خدا سے ہوں جو اپنے احسان و کرم سے کھوٹے سکّے بھی قبول کر لیتا ہے۔ چنگ جی کھول کر بجایا اور روتے

---

[1] سارنگی کی قسم کا ایک ساز چنگ تھا بجانے والے کو چنگی کہتے ہیں۔

روتے سر جھکا کر ایک قبر پر پڑ گیا۔ اسی حالت میں آنکھ لگ گئی۔ دنیا کے رنج اور بدن کی آفتوں سے آزاد، ایک نامحدود جہان اور صحرائے جان میں پھرنے لگا۔ اسی وقت خداوند تعالیٰ نے حضرت عمرؓ پر یکایک ایسی نیند غالب کی کہ وہ بھی حیرت میں ہو گئے کہ میرا معمول تو ایسا نہیں ہے، یہ غیبی واقعہ ہے اور ضرور اس میں کوئی بھید ہے۔ تکیے پر سر رکھ کر سو گئے، خواب میں حق کی طرف سے ندا آئی جس کو ان کی جان نے سنا کہ اے عمرؓ ہمارے ایک بندے کی حاجت روا کر کے اس کا صلہ ادا کر۔ ہمارا ایک خاص اور معزز بندہ ہے ذرا تو قبرستان تک تکلیف کر اور بیت المال سے پورے سات سو دینار لے اور اس کے پاس جا کر کہہ کہ اے ہمارے دست گرفتہ اس وقت تو یہ لے لے اور اس کو خرچ کر جب یہ ختم ہو جائے تو پھر یہیں آجا۔

آواز کی ہیبت سے عمرؓ کی آنکھ کھل گئی۔ فوراً تعمیل پر کمر باندھی اور قبرستان کا رخ کیا بغل میں ہمیانی دبائے ڈھونڈنے نکلے۔ قبرستان میں کئی چکر لگائے وہاں اس بوڑھے کے سوا اور کوئی دکھائی نہ دیا۔ ہر دفعہ اسی بوڑھے پر دھیان جاتا تھا۔ مگر پھر اپنے جی میں کہتے تھے کہ یہ نہ ہوگا یہاں تک کہ تھک گئے اور سوا اسی بوڑھے کے اور کوئی نظر نہ آیا۔ جی میں سوچا کہ خدا نے یہ تو فرمایا ہے کہ ہمارا خاص بندہ بہت پاک، لائق اور خوش نصیب ہے بھلا چنگی بوڑھا خاصۂ خدا کیوں کر ہو سکتا ہے۔ دوبارہ پھر قبرستان کے گرد چکر لگایا جیسے شکاری شیر جنگل کے اطراف گھیرا کرتا ہے۔ جب یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو یہ بوڑھا ہی ہے تو دل میں کہا بے شک تاریکی میں بھی بہت سے روشن دل ہوتے ہیں، قریب آئے اور با ادب وہاں بیٹھ گئے۔ جونہی ایک چھینک حضرت عمرؓ کو آئی وہ بوڑھا اٹھ بیٹھا۔ حضرت کو دیکھ کر حیران رہ گیا چاہا کہ چلا جائے مگر خوف سے پاؤں کانپنے لگا۔ اپنے جی میں کہنے لگا، اے خدا تجھ سے فریاد کرتا ہوں کہ محتسب بوڑھے چنگی کے سر پر آن پہنچا۔ حضرت عمرؓ

نے اس سے کہا کہ مت ڈر اور مجھ سے نہ بھاگ کہ میں خدا کی طرف سے تیرے لیے خوش خبریاں لایا ہوں۔ خداوندِ عالم نے تیری وہ تعریف فرمائی کہ حضرت عمرؓ کو تیرا گرویدہ بنا دیا۔ خدا نے تجھے سلام کہا ہے اور پوچھا ہے کہ اب تیرا کیا حال ہے۔ لے یہ چند سکّے تیرا صلہ ہیں۔ انھیں خرچ کر اور پھر یہیں آجانا۔ جب یہ سُنا تو بوڑھے کی عجب حالت ہوئی، اپنے ہاتھ کاٹنے اور پیچ و تاب کھانے لگا۔ بے اختیار چلّا کر کہا کہ اے بے مثل و بے نظیر خدا! یہ بے وسیلہ بوڑھا مارے شرم کے پانی پانی ہوگیا۔ جب روتے روتے بے حال ہوگیا تو چنگ کو زمین پر اس زور سے دے مارا کہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ کہا، اے چنگ، تو ہی خدا کے اور میرے درمیان حجاب رہا ہے اور تو ہی نے سیدھے راستے سے مجھے پھیرا ہے۔ اے خطا بخش و خطا پوش خدا! میرے گناہ معاف اور میری گزشتہ زندگی پر رحم کر۔ اسی طرح روتا چلّاتا اپنے گناہ دہرا رہا تھا۔ یہ حال دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تیری مدہوشی بھی تیری ہوشیاری کی علامت ہے۔ پھر آپ نے اس کو توجہ دی کہ گزشتہ کے رنج اور توبہ کے مقام سے نکل کر معرفت میں محو ہوگیا۔ گویا ایک جان گئی اور دوسری زندگی کا آغاز ہوا۔

ایک اعرابی کا خلیفہ بغداد کے پاس کھاری پانی بطور تحفہ لے جانا

اگلے زمانے میں ایک خلیفہ تھا جس نے حاتم کو بھی اپنی سخاوت کے آگے بھکاری بنا دیا تھا اور دنیا میں اپنی داد و دہش اور فیضِ عام سے حاجت مندی اور ناداری کی جڑ اکھیڑ دی تھی۔ مشرق سے مغرب تک اس کی بخشش کا چرچا ہوگیا۔ ایسے بادشاہ کریم کے زمانے کی ایک داستان سنو! ایک رات اعرابی عورت

نے اپنے شوہر سے کہا کہ ہم ہر قسم کی محتاجی اور تکلیف برداشت کر رہے ہیں ۔ سارا عالم خوش ہے اور ہم ناخوش ۔ روٹی کھانے کو میسر نہیں ہمارا کھانا پینا تو درد اور آنسو ہیں ۔ ہمارا لباس دن کی دھوپ ہے ۔ اور سوتے وقت رات ہماری توشک ہے اور چاندنی لحاف ہے ۔ چاند کے ہالے کو گول چپاتی سمجھ کر ہمارا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھ جاتا ہے ۔ ہمارے فقر و فاقہ سے فقیروں کو بھی شرم آتی ہے ۔ ہمارے دن رات روٹی کی فکر ہی میں گزرتے ہیں ۔ جیسے سامری آدمیوں کی صحبت اور آبادی سے وحشت کرتا تھا اسی طرح اپنے بیگانے ہم سے دور بھاگتے ہیں ۔

میاں نے کہا یہ شکایتیں کب تک کیے جائے گی ۔ ہماری عمر ہی ایسی کیا زیادہ رہ گئی ہے بہت بڑا حصّہ گزر چکا ۔ عقلمند آدمی مفلسی اور فارغ البالی کو خاطر میں نہیں لاتا کیوں کہ دونوں حالتیں پانی کی موج ہیں آئیں اور گزر گئیں ۔ موجِ دریا چاہے ہلکی ہو چاہے تیز جب کسی دم اسے قرار ہی نہیں تو پھر اس کا ذکر ہی کیا ؟ جو بہت آرام و عیش سے جیتا ہے وہ بہت بُری طرح مرتا ہے ۔ تو تو میری بیوی ہے ، بیوی کو اپنے شوہر کا ہم خیال ہونا چاہیے تاکہ آپس کے اتفاق سے سب کام ٹھیک ہوں ۔ جوتی کا جوڑا باہم ایک سا ہی مناسب ہوتا ہے ۔ اگر جوتے اور موزے کا جوڑا پہننے کے لیے بنایا جائے تو کیسا بدزیب ہوگا ۔ میں تو دل مضبوط کیے قناعت کی طرف جا رہا ہوں تو حرص و ہوس کی طرف کیوں جا رہی ہے ؟

وہ مردِ قانع خلوص اور ہمدردی سے اس قسم کی نصیحتیں بیوی کو دیتا رہا ۔ بیوی نے جھلا کر ڈانٹا کہ اوبے غیرتی کے دین دار میں آیندہ تیری باتوں میں نہ آؤں گی خالی خولی دعوے اور پند و نصیحت کی بکواس مت کر ۔ تو نے کب قناعت سے جان روشن کی ، تو نے تو قناعتوں کا نام سیکھ لیا ہے ۔ تو خدا کا نام بیچ میں ڈال کر مجھے چکمہ دیتا ہے تاکہ (جب میں شکوہ کروں) تو مجھے گستاخی اور فساد کے الزام میں

بدنام کرے۔ تیری نصیحت نے مجھے لاجواب نہیں کیا۔ ہاں نام حق نے مجھے بند کر دیا۔ مگر تُف ہے تجھ پر کہ تو نے نام حق کو چڑی مار کا پھندا بنا لیا۔ نام حق ہی میرا بدلہ تجھ سے لے گا۔ میں نے تو جان و تن نام حق کے حوالے کر دیا تاکہ میرے زخموں کی چرچراہٹ تیری رگِ جاں تک پہنچائے یا تجھ کو بھی میری طرح قیدی (عورت) بنا دے۔ عورت نے اس قسم کی صلواتوں کے دفتر کے دفتر شوہر کو سنا دیے۔

مرد عورت کے طعنے چپ چاپ سنتا رہا۔ اس کے بعد دیکھو تو جواب کیا دیتا ہے۔ مرد نے کہا کہ اے عورت! تو میری بیوی ہے کہ بیچا۔ لڑائی جھگڑے اور بدگوئی کو چھوڑ اور اگر نہیں چھوڑتی تو مجھے چھوڑ۔ میرے کچے پھوڑوں پر ڈنک نہ مار اور میری بے خود جان پر زخم نہ لگا۔ اگر تو زبان بند کرے تو خیر! ورنہ یاد رکھنا میں ابھی گھر بار چھوڑ دوں گا۔ تنگ جوتا پہننے سے ننگے پانو پھرنا بہتر ہے۔ ہر وقت کی خانہ جنگی سے سفر کی مصیبت جھیلنی اچھی۔

عورت نے جب دیکھا کہ وہ بالکل بدمزاج اور گرم ہو گیا ہے تو جھٹ رونے لگی۔ ظاہر ہے کہ رونا عورت کا زبردست جال ہے۔

پھر عاجزی سے کہنے لگی، میاں! میں تیری بیوی نہیں تیرے پانو کی خاک ہوں۔ میں تجھے ایسا نہ سمجھتی تھی بلکہ مجھے تو تجھ سے دوسری ہی امید تھی۔ جسم و جان اور جو کچھ بھی میں ہوں سب کا تو ہی مالک ہے اور تو ہی میرا فرماں روا ہے۔ اگر فقر و فاقے کی وجہ سے میرا دل مقامِ صبر سے ہٹا بھی ہے تو یہ اپنے لیے نہیں بلکہ تیرے لیے ہے۔ تو میری سب مصیبتوں اور بیماریوں کی دوا بنا رہا ہے اس لیے میرا جی نہیں چاہتا کہ تو بے سر و سامان رہے۔ تیری جان کی قسم یہ شکوہ شکایت اپنے لیے نہیں بلکہ یہ آہ و واویلا تیرے لیے ہے۔ تو جدائی کی باتیں جو کرتا ہے یہ ٹھیک نہیں، جو چاہے کر مگر یہ نہ کر۔

اس طرح کی باتیں کہتی رہی اور روتے روتے اوندھے منہ گر پڑی۔ اس بارش میں سے ایک بجلی چمکی اور مرد کے دل پر اس کی ایک چنگاری جھڑی۔ مرد اپنی گفتگو کی پشیمانی سے ایسا دردمند ہوا جیسے مرتا ہوا کوتوال اپنے سابقہ ظلم کی یاد سے۔ جی میں کہنے لگا کہ جب اپنی جان کا میں شوہر ہوں تو اپنی جان کو میں نے لاتیں کیوں کیوں ماریں۔ پھر اس سے کہا، ای عورت! میں اپنے کہے پر پشیمان ہوں۔ اگر پہلے میں کافر تھا تو اب مسلمان ہوتا ہوں۔ میں تیرا گناہ گار ہوں۔ میری معذرت قبول کر، تیری مخالفت سے باز آیا۔ اب تجھے اختیار ہے، تیغ میان سے نکال۔ جو کچھ تو کہے گی وہی بجالاؤں گا۔ بدی نیکی غرض جو کچھ نتیجہ نکلے اس پر توجہ نہ کروں گا۔ میں تیرے وجود میں فنا ہو جاؤں گا۔ کیوں کہ میں محب ہوں اور محبت اندھی اور بہری ہوتی ہے۔ عورت نے کہا کہ آیا یہ عہد تو نیکی کے ساتھ کر رہا ہے یا ایک حیلہ نکال کر میرے دل کا بھید لے رہا ہے؟ مرد نے کہا اُس خدا کی قسم جو تمام بھیدوں کا جاننے والا ہے جس نے خاک سے آدم جیسے پاک نبی کو پیدا کیا، اگر تیرے پاس میری یہ درخواست تیرا امتحان کرنے کی غرض سے ہے تو ذرا اس امتحان کو بھی آزما کر دیکھ۔ عورت نے کہا، دیکھ آفتاب چمک رہا ہے اور ایک عالم اس سے روشن ہے۔ خدا کا خلیفہ اور رحمٰن کا نائب جس سے شہرِ بغداد نو بہار بنا ہوا ہے۔ اگر تو اس بادشاہ سے ملے تو خود بھی بادشاہ ہو جاتے، اقبال مندوں کی دوستی بجائے خود کیمیا ہے بلکہ ان کی ادنیٰ سی توجہ کے آگے کیمیا بھی کیا چیز ہے۔ احمد صلعم کی نظر ابو بکرؓ پر پڑ گئی۔ وہ ایک تصدیق میں صدیق ہو گئے۔ مرد نے کہا کہ بھلا میں بادشاہ کی نظر میں کیسے آ سکتا ہوں۔ کسی بہانے کے بغیر اُدھر کا رُخ بھی نہیں کر سکتا۔ عورت نے کہا کہ ہمارے مشکیزے میں برساتی پانی بھرا رکھا ہے۔ تیری ملک اور سرو سامان جو کچھ ہے یہی ہے۔ اس پانی کے مشکیزے کو اٹھا کر لے جا اور اس نذر کے ساتھ شاہنشاہ کے حضور پیش ہو اور عرض کر کہ ہماری جمع پونجی اس کے سوا اور کچھ نہیں،

بے آب و گیاہ ریگستان میں اس سے بہتر پانی نہیں جڑتا۔ چاہیے اس کا خزانہ موتی اور جواہر سے لبریز ہو لیکن ایسا پانی اس کے خزانے میں نایاب چیز ہے۔ مرد نے کہا اچھی بات ہے۔ مشکیزے کا منہ بند کر۔ دیکھ تو یہ نذرانہ ہمیں کیا فائدہ پہنچاتا ہے۔ تو اس کو نمدے میں سی دے تاکہ بادشاہ اسی سوغات سے روزہ کھولے۔ ایسا پانی دنیا بھر میں کہیں نہیں۔ یہ تو نتھری ہوئی شراب ہے۔

پس اس مردِ عرب نے مشکیزہ اٹھایا اور سفر میں دن کو رات اور رات کو دن کر دیا۔ ہرج مرج کے وقت مشکیزے کی حفاظت کے لیے بے قرار ہو جاتا تھا۔ اس نگہبانی کے ساتھ بیابان سے شہر میں لایا۔ ادھر عورت نے جانماز بچھائی اور گڑگڑا گڑگڑا کر اے پروردگار حفاظت کر! اے پروردگار حفاظت کر! کا وظیفہ پڑھنے لگی۔

عورت کی دعا اور اپنی محنت و سعی سے آخر وہ عرب چوروں اور جھوکروں کے پتھروں سے بچتا بچاتا صحیح سلامت دار الخلافہ تک مشکیزہ لے گیا۔ وہاں دیکھا کہ ایک بارگاہ عالی شان اور نہایت وسیع بنی ہوئی ہے اور اہلِ غرض اپنے اپنے پھندے بچھائے حاضر ہیں۔ ہر طرف کے دروازوں سے اہلِ حاجت آتے اور اپنی مراد پاتے ہیں۔ جب اعرابی دور و دراز بیابان سے اس بارگاہ تک پہنچا تو نقیب آئے اور مہربانی و التفات کا گلاب اس کے منہ پر چھڑکنے لگے۔ شاہی نقیب بے کہے اس کی ضرورت کو سمجھ گئے، ان کا کام یہی تھا کہ سوال سے پہلے عطا کریں۔ ان نقیبوں نے پوچھا کہ اے عرب کے شریف! تو کہاں سے آرہا ہے؟ اور مصائب و آلام سے کیا حال ہو گیا ہے؟ اس نے کہا اگر تم مجھے عزت دو تو میں شریف ہوں اور اگر منہ پھیر لو تو بالکل بے عزت ہوں۔ اے امیرو! تمھارے چہروں پر امارت برستی ہے، تمھارے چہروں کا آب و رنگ کچے سونے سے

زیادہ خوش رنگ ہے۔ میں مسافر ہوں ریگستان سے بادشاہ کے کرم و بخشش کی امید پر آیا ہوں۔ اس کی خوبیوں کی خوشبو بیابانوں تک پہنچتی ہے۔ ریت کے ذرّوں تک میں جان آگئی ہے۔ یہاں تک تو میں اشرفیوں کی خاطر آیا تھا مگر جب یہاں پہنچا تو اس کے دیدار کے لیے بے قرار ہو گیا۔ میں اس دروازے پر ایک مادّی چیز کی طلب میں آیا تھا، مگر جب اس دہلیز پر پہنچ گیا تو خود ہی صدر ہو گیا۔ پھر اس مشکیزے کو پیش کر کے کہا کہ یہ ہدیہ حضورِ سلطان میں پہنچاؤ اور بادشاہی سوالی کو ضرورت و حاجت سے بے نیاز کر دو اور عرض کرو کہ یہ میٹھا پانی سوندھی مٹّی کے گھڑے کا ہے جس میں برساتی پانی جمع کیا گیا تھا۔ نقیبوں کو اس کی اس تعریف پر ہنسی آنے لگی لیکن انھوں نے جان کی طرح اس مشکیزے کو اٹھا لیا کیوں کہ بیدار مغز اور نیک دل بادشاہ کی خوشبو سب ارکانِ دولت میں اثر کر گئی تھی۔

جب خلیفہ نے دیکھا اور اس کا حال سُنا تو اس کے مشکیزے کو اشرفیوں سے بھر دیا۔ ایسے انعام و اکرام اور خلعت دیے کہ وہ عرب بھوک پیاس کو بھول گیا۔ پھر ایک نقیب کو اس دریائے کرم بادشاہ نے اشارہ کیا کہ یہ اشرفیوں بھرا مشکیزہ اس کے ہاتھ میں دیا جائے اور واپسی میں اس کو دریائے دجلہ کے راستے روانہ کیا جائے۔ وہ بڑے طول طویل راستے سے آیا ہے اور دجلہ کی راہ سے بہت نزدیک ہو جاتا ہے۔ کشتی میں بیٹھے گا تو ساری اگلی تھکن بھی بھول جائے گا۔ نقیبوں نے یوں ہی کیا۔ اس کو اشرفیوں سے بھر کر مشکیزہ دے دیا اور دجلہ پر لے پہنچے۔ جب وہ عرب کشتی میں بیٹھا اور دجلہ دیکھا تو مارے شرم کے اس کا سر جھک گیا۔ سجدے میں گر کر کہنے لگا داتا کی دین بھی نرالی ہے اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ اس نے میرے تلخ پانی کو قبول کر لیا۔ اس دریائے جود نے میری خراب اور گندی جنس کو بغیر کسی پس و پیش کے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

نجومی اور کشتی بان

ایک نجومی کشتی میں بیٹھا اور خود پرستی سے کشتی بان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تم نے کچھ نجوم پڑھی ہے۔ کشتی بان نے کہا، نہیں، نجومی نے کہا کہ افسوس تو نے اپنی آدھی عمر ضائع کی۔ کشتی بان مارے غصّے کے پیچ و تاب کھانے لگا مگر اس وقت خاموش رہا۔ اتفاقاً ہوا کے جھکّڑ نے کشتی کو ایک بھنور میں لا ڈالا۔ کشتی بان نے نجومی سے بآوازِ بلند کہا کہ حضرت آپ کو تیرنا بھی آتا ہے یا نہیں۔ نجومی نے کہا نہیں مجھے تیرنا نہیں آتا۔ کشتی بان نے کہا کہ اے نجومی! تیری ساری عمر ضائع گئی کیوں کہ کشتی اب گرداب میں ڈوبنے والی ہے۔

اس کہانی کی غرض یہ ہے کہ آدمی کو کسی ایک علم یا فن میں کمال حاصل ہو جانے پہ شیخی نہ کرنی چاہیے۔

ایک قزوینی کا گودنا گدوانا اور سوئی کے کچوکوں کی تاب نہ لانا

ایک روایت سنو کہ اہلِ قزوین میں رسم ہے کہ جسم کے مختلف حصّوں جیسے ہاتھ، بازو پر شیر، چیتے وغیرہ کی تصویریں اتروا کر گودنا گدواتے ہیں۔ ایک حجام کے پاس قزوینی گیا کہ مجھے گودنا لگا اور منہ مانگی اجرت لے۔ حجام نے پوچھا کہ اے پہلوان گودنا کس شکل کا لگاؤں، اس نے کہا بہت ہی بپھرے ہوئے شیر کا۔ چوں کہ میرا طالع شیر کا ہے اس لیے نقش بھی شیر کا چاہیے اور بہت خوب صورت لگا اور نیلا رنگ خوب گہرا بھر دے۔ حجام نے پوچھا کہ اچھا! شیر کی تصویر کہاں گودوں، اس نے کہا شانے پہ گودنا کہ جنگ کے میدان اور راگ رنگ کی محفل میں ایسے بپھرے

ہوئے شیر کی تصویر سے میری ہمّت بڑھے اور پختہ ارادہ پیدا ہو۔

جب حجام نے سوئی چبھونی شروع کی تو اس کے شانے میں درد ہونے لگا پہلوان نے چیخ پکار شروع کی کہ بھلے آدمی تو نے تو مجھے مار ہی ڈالا۔ یہ تو کس طرح گود رہا ہے۔ حجام نے کہا کہ آپ نے تو شیر کی تصویر گودنے کو کہا تھا! پہلوان نے جھلّا کر کہا، آخر تو نے کس عضو سے ابتدا کی۔ حجّام نے کہا۔ میں نے دُم سے شروع کیا، پہلوان نے کہا کہ دم کو چھوڑ دے۔ اس کی دُم سے میرا سانس اندر کا اندر اور باہر کا باہر رہ گیا۔ اے شیر بنانے والے اگر شیر بے دُم کا بھی ہو تو کیا ہرج ہے کیوں کہ نشتروں کے چبھنے سے میرا دل ڈوبا جاتا ہے۔ تب حجام نے نقش کے دوسرے رُخ سوئی مارنی شروع کی پہلوان بلبلا اٹھا اور کہا شیر کا یہ کون سا عضو گود رہا ہے۔ حجام نے کہا حضرت! یہ تو صرف اس کا کان ہے۔ قزوینی نے کہا کہ ہمارے شیر کے کان نہ ہونے چاہییں اس لیے تو کان گودنا چھوڑ دے۔ حجّام نے نقش کے ایک تیسرے رُخ سوئی چبھونی شروع کی۔ قزوینی نے پھر دُہائی دی کہ یہ شیر کے جسم کا کون سا حصّہ ہے حجّام نے کہا کہ یہ پیٹ کا حصّہ ہے۔ پہلوان نے کہا کہ مجھے شیر کے پیٹ کی بھی ضرورت نہیں کیوں کہ خود میں پیٹ کے درد سے مرا جاتا ہوں۔ اگر شیر کے نقش میں سے پیٹ نکال بھی دیا جائے تو کیا ہرج ہے۔

حجام کا چہرہ مارے غصّے کے تمتمانے لگا اور بہت دیر تک انگلی دانتوں میں دبائے حیران رہا۔ آخر زمین پر سوزن پھینک کر کہا کہ دُنیا میں کسی کو بھی ایسا سابقہ پڑا ہے۔ بھلا بے دُم اور بے سر اور بے پیٹ کا شیر کس نے دیکھا ہے۔ ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں پیدا کیا۔

شیر، بھیڑیے اور لومڑی کا مل کر شکار کو نکلنا

شیر، بھیڑیا اور لومڑی مل کر شکار کی تلاش میں پہاڑیوں پہاڑیوں نکل گئے اگرچہ شیرِ نر کو ان کی ہمراہی سے شرم آتی تھی لیکن کشادہ دلی کو کام میں لاکر ساتھ لے لیا۔ ایسے بادشاہ کو لاؤ لشکر زحمت کا باعث ہوتا ہے لیکن جب لشکر ساتھ ہو تو پھر جماعت رحمت ہے۔ جب وہ جماعت کوہستان میں بڑے تزک اور شان و شوکت سے شیر کے ساتھ گئی تو ان کو جنگلی گائے، جنگلی بکرا اور خرگوش بہت موٹے تازے ہاتھ آئے اور ان کی جرأت بڑھ گئی، جو جنگ جو شیر کے ساتھ ہوتا ہے اسے دن رات اچھے کھانے ملتے ہیں۔ غرض جب وہ اپنا تازہ تازہ شکار پہاڑ سے اتار کر میدان میں لائے تو بھیڑیے اور لومڑی کو طمع پیدا ہوئی اور جی میں کہنے لگے کہ شکار کی تقسیم انصاف کے ساتھ ہونی چاہیے۔ ان کی طمع کا عکس شیر کے دل پر بھی پڑا اور وہ ان کی نیت تاڑ گیا لیکن اس بات کو ظاہر نہ کیا مگر اپنے جی میں کہا کہ بھلا اے بھکاریو! میں تم کو اس کی سزا دوں گا۔ تمھیں میرا اطمینان نہ ہوا بلکہ تم کو میری داد و دہش پر بدگمانی ہوئی۔

پس شیر نے کہا، اے پرانے بھیڑیے! تو ہی عدالت کا طریقہ تازہ کر۔ شکار تقسیم کرنے کی خدمت پر میں تجھے اپنا نائب مقرر کرتا ہوں تاکہ تیری قابلیت ظاہر ہو۔ بھیڑیے نے کہا اے بادشاہ! جنگلی گائے تیرا حصہ ہے کیونکہ تو بھی بڑا ہے اور بکرا میرا حصہ کہ بکرا بیچ راس کا شکار ہے اور خرگوش بے کھٹکے لومڑی کو دے دینا چاہیے۔ شیر نے کہا، اے بھیڑیے اس کا جواب دے کہ میرے سامنے تو نے اپنے کو ہم اور مجھ کو تو کیسے کہا۔ بھیڑیا کون کتا ہے جو مجھ جیسے بے مثل و نظیر شیر کے آگے دو بینی کرے۔ پھر اسے آگے بلایا اور جب وہ سامنے آیا تو ایک پنجہ

مارا اور پھاڑ ڈالا اور کہا کہ جب میری حضوری بھی اس کی خودی کو دور نہ کرسکی تو ایسے کو وہاں مارنا چاہیے جہاں پانی نہ ملے۔ اس کے بعد شیر نے لومڑی کی طرف رُخ کیا اور کہا کہ کھانے کے لیے اس شکار کو تو تقسیم کر۔ لومڑی آداب بجالا کر گویا ہوئی کہ اے شاہِ ذی جاہ یہ موٹی گائے تو حضور کے صبح کے خاصے کے واسطے ہے اور یہ بکرا دوپہر کی یخنی کے لیے اور یہ خرگوش بھی شام کو حضور کی ٹنگار کے کام آئے گا۔ شیر نے کہا اے لومڑی تو نے عدل کو روشن کر دیا، ایسی تقسیم تو نے کس سے سیکھی۔ اے معزز لومڑی! سچ بتا تو نے یہ ترکیب کہاں سے اڑائی۔ لومڑی نے عرض کی، اے جہاں پناہ! میں نے بھیڑیے کے حال سے عبرت پکڑی۔ شیر نے کہا کہ جب تو نے ہمارے لیے اپنی ذات مٹادی تو یہ تینوں شکار تو ہی لے جا۔ اے لومڑی! جب کہ تو ہماری ہو چکی تو ہم بھی تیرے ہیں اور سب شکار بھی تیرے ہیں، اب چاہے آسمانِ ہفتم پر قدم رکھے، سب منظور، تو نے ذلیل بھیڑیے کے انجام سے عبرت پکڑی تو لومڑی کاہے کو ہے تو میری شیر ہے۔

لومڑی نے خدا کا شکر ادا کیا کہ مجھے بھیڑیے کے بعد بلایا گیا۔ اگر پہلے پہل مجھ کو حکم دیتا کہ شکار کی تقسیم کر تو جان کیوں کر بچتی۔

پس خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس نے ہم کو اگلوں کے بعد پیدا کیا اور ہم نے گزشتہ قوموں پر خدا کی سزاؤں کو سنا تاکہ ہم ان اگلے بھیڑیوں کے انجام سے آگاہ ہو کر لومڑی کی طرح اپنے درجے کو مدِنظر رکھیں۔ حضرت رسولِ برحق نے اپنی حدیث شریف میں ہم کو امتِ مرحومہ اسی لیے فرمایا کہ اے بھلے مانسو! اگلے بھیڑیوں کی ہڈیوں اور اکھڑے ہوئے بالوں کو دیکھ کر عبرت پکڑو۔ عاقل آدمی جب شاہانِ فراعنہ اور قومِ عاد کا انجام سنتا ہے تو اپنے دماغ سے غرور و نخوت نکال دیتا ہے اور اگر باوجود اس کے بھی غرور و نخوت دور نہ کرے تو دیکھنے والے اس کی گمراہی سے سبق لیتے ہیں۔

ایک شخص کا درِ محبوب کی کنڈی کھٹکھٹانا اور "میں ہوں" کہنا

ایک شخص درِ محبوب پر آیا اور کنڈی کھٹکھٹائی۔ محبوب نے پوچھا کون صاحب ہیں؟ جواب دیا کہ "میں ہوں" محبوب نے کہا، چل دور ہو ابھی ملاقات نہیں ہو سکتی۔ تجھ جیسی کچی چیز کی اس دسترخوان پر کوئی جگہ نہیں۔ ہجر و فراق کی آگ کے بغیر کچی جنس کیسے پک سکتی ہے جو اس کے ظاہر و باطن کو ایک کر دے چوں کہ ابھی تک تیری "تو ہی" تجھ میں سے نہیں گئی ہے اس لیے تجھے ابھی غم کی آگ میں تپنا چاہیے۔ یہ جواب سن کر وہ بے چارہ درِ محبوب سے الٹا پھرا اور سال بھر تک جدائی کی آگ کے چرکے کھاتا رہا۔ جل جلا کر خوب پکا ہو گیا تو دوبارہ واپس آیا اور محبوب کی بارگاہ کے اطراف صدقے ہونے لگا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اور بڑے ادب سے پھر کنڈی کھٹکھٹائی کہ کہیں کوئی بے ادبی کا لفظ منہ سے نہ نکل جائے محبوب نے اندر سے آواز دی کہ دروازے پر کون ہے۔ اس نے جواب میں عرض کیا۔ اے دل ربا تو ہی تو ہے۔ محبوب نے حکم دیا کہ اب جب کہ تو میں ہی ہے تو اندر چلا آ کیوں کہ ایک ذات میں دوئی کی گنجایش نہیں۔ جب ایک ہی ایک ہو تو پھر دوئی نہ صرف مٹ جاتی ہے بلکہ میں پن اور تو پن کے دونوں اشارے جاتے رہتے ہیں۔

ایک دوست کا حضرت یوسفؑ سے ملنے آنا اور حضرت یوسفؑ کا اس سے ہدیہ طلب کرنا

ایک مہربان دوست کسی دور ملک سے آیا اور یوسف صدیقؑ کا مہمان ہوا۔ چوں کہ دونوں اپنے کو بھی اپنے کھیل کود کے زمانے کے یار تھے اس لیے یارانے کے گاؤ تکیے پر ٹیکا لگا کر بیٹھے۔ آنے والے نے بے تکلفی کر کے بھائیوں کے ظلم و حسد کا تذکرہ کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ

وہ واقعہ زنجیر تھا اور میں شیر اور یہ ظاہر ہے کہ شیر کی زنجیر میں جکڑے جانے سے کوئی بے عزّتی نہیں ہوتی۔ اگر شیر کی گردن میں زنجیر پڑی ہوئی ہو تو بھی وہ سب گرفتاروں کا صدر ہوتا ہے۔ مہمان نے پوچھا کہ تم پر قید خانے اور کنوئیں میں کیا گزری، جواب دیا کہ جیسی چاند گہن اور زوال کی راتوں میں چاند پر گزرتی ہے جب وہ پوچھ گچھ چکا تو یوسفؑ نے پوچھا کہ ارے میاں! تو میرے لیے کیا تحفہ لایا وہ بولا۔ دوستوں کے دروازے پر خالی ہاتھ آنا ایسا ہے جیسے پون چکّی پر بے گیہوں کے جانا۔ وہ دوست مارے شرم کے اس تقاضے سے رونہار ہو گیا مگر یوسفؑ کا اصرار بڑھتا ہی گیا کہ میرے لیے جو سوغات لایا ہے، وہ دکھا۔ آخر دوست نے کہا کہ میں نے تیرے تحفے کے لیے بہتیرا سوچا مگر کوئی تحفہ تیرے لائق میری نظر میں نہ جچا۔ بھلا میں ایک دانۂ جواہر کو اتنی بڑی کان میں کیا لاتا اور زرا سے قطرے کو ایسے بڑے دریا تک کیا پہنچاتا اور اگر اپنا دل و جان تیرے لیے تحفہ لاؤں تو وہ بھی ایک زیرے[1] کو ملکِ کرمان میں پہنچانے کے برابر ہے۔ البتہ تیرا حسن وہ وصف ہے جس کی مثال نہیں۔ اس لیے مجھے مناسب یہی معلوم ہوا کہ نورِ سینہ کی مانند میں ایک آئینہ تیرے حضور میں لاؤں۔ تو جو آسمان کی شمع یعنی سورج کی طرح سارے عالم کی شمع ہے تیرے لیے ایک آئینہ لایا ہوں تاکہ تو اپنی موہنی صورت اس میں دیکھے اور جب کبھی تو اپنی صورت اس میں دیکھے تو مجھے یاد کرے۔ یہ کہہ کے اس نے بغل سے آئینہ نکالا اور حضرت یوسفؑ کے سامنے پیش کر دیا کیوں کہ قاعدہ ہے کہ حسینوں کے سامنے آئینہ آتا ہے تو پھر وہ اسی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

---

[1] زیرہ ملکِ کرمان میں بکثرت کاشت ہوتا ہے اور ساری دنیا میں دساور جاتا ہے۔

صنعتِ نقاشی میں چینیوں اور رومیوں کا مقابلہ

چینیوں کو اپنی نقاشی پر گھمنڈ تھا اور رومیوں کو اپنے کمال کا غرّہ۔ سلطان نے حکم دیا کہ تم دونوں کا امتحان کروں گا۔ چینیوں نے کہا بہت بہتر ہم اپنی جان لڑا دیں گے۔ رومیوں نے بھی عرض کیا کہ ہم بھی اپنا کمال دکھا دیں گے۔ الغرض اہلِ چین اور اہلِ روم میں مقابلہ ٹھیر گیا۔ چینیوں نے رومیوں سے کہا کہ اچھا ایک مکان ہمارے حوالے کرو اور ایک تم لو۔ دو مکان آمنے سامنے تھے ان میں سے ایک چینیوں کو ملا اور دوسرا رومیوں کو۔ چینیوں نے سینکڑوں قسم کے رنگوں کی فرمائش کی۔ بادشاہ نے مخزن کا دروازہ کھول دیا۔ ہر صبح چینیوں کو وہاں سے رنگوں کا راتب ملنے لگا۔ رومیوں نے کہا کہ ہم نہ کوئی نقش بنائیں گے اور نہ رنگ لگائیں گے بلکہ اپنا کمال اس طرح دکھائیں گے کہ زنگ باقی نہ رہے۔ چنانچہ انھوں نے دروازہ بند کر کے صیقل کرنی شروع کی اور آسمان کی طرح بالکل سادہ اور شفّاف گھوٹا کر ڈالا اور اُدھر چینی اپنے کمال و ہنرمندی سے فارغ ہو کر خوشی کے شادیانے بجانے لگے۔ بادشاہ نے آکر چینیوں کا کام دیکھا اور اُن کے عجائبات اور نقش و نگار کو دیکھ کے دنگ رہ گیا۔ اس کے بعد رومیوں کی طرف آیا۔ انھوں نے اپنے کام پر سے پردہ اُٹھایا۔ چینیوں کی تصاویر و تماثیل کا عکس ان گھوٹا دی ہوئی دیواروں پر پڑا جو کچھ چینیوں نے نقاشی کی تھی وہ اسی گھوٹا کی ہوئی دیوار پر اس قدر خوب صورت معلوم ہوئی کہ آنکھوں کو حدقۂ چشم سے باہر کھینچے لیتی تھی۔

اے فرزند! رومیوں کی مثال اُن باخدا صوفیوں کی سی ہے جو نہ کتبِ دین پڑھے ہوئے ہیں نہ فضیلتِ علم و ہنر رکھتے ہیں لیکن انھوں نے طمع، حرص، بخل اور کینہ وغیرہ کے زنگ سے اپنے سینوں کو مانجھ کر ایسی صیقل کر لی ہے کہ ان کے دل صاف شفّاف آئینہ ہو گئے ہیں جس میں ازلی حسن کا جو صورت سے پاک ہے نقش اُترا آتا ہے۔

غلاموں کا لقمان پر الزام لگانا کہ سب عمدہ میوے کھا گیا

حضرت لقمان ایک شخص کے غلام تھے، وہ امیر اپنے تمام غلاموں میں لقمان ہی کو بہت کم زور اور بد رو پاتا تھا، وہ امیر سب غلاموں کو میوہ چننے کے لیے باغ روانہ کیا کرتا تھا۔ لقمان بھی ان سب غلاموں کے ساتھ ساتھ جاتے تھے، سر سے پیر تک عقلِ مجسم مگر صورت کالی رات کی طرح سیاہ تھی۔ وہ غلام جو میوے جمع ہوتے ان میں سے خود بھی کھا جاتے تھے۔ ایک بار امیر کو خبر ہو گئی اس نے دریافت کیا تو غلاموں نے جواب دیا کہ لقمان کھا گیا، امیر لقمان پر خفا ہوا، اور ان پر سختی کرنے لگا جب حضرت لقمان نے عرض کی کہ اے مالک! خدا کے پاس بے ایمان بندے کی بخشایش نہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آزمایش کی جائے، اس کی صورت یہ ہے کہ گرم پانی سب کو پلایا جائے اور ایک جنگل میں تو سوار ہو کر گھوڑا دوڑا اور ہم سب تیرے گھوڑے کے ساتھ دوڑیں۔ اس کے بعد بھیدوں کے کھولنے والے خدا کی امداد سے تو اصلی چور کو پا جائے گا۔

امیر نے گرم پانی تیار کرایا اور سب غلاموں کو خوف کے مارے پینا پڑا اور پھر ان کو جنگلوں اور کشت زاروں میں خوب دوڑایا۔ اس دوڑ دھوپ سے ان کا جی مالش کرنے لگا اور آخر کار سارا کھایا پیا نکل گیا اور لقمان کو جو قے ہوئی تو وہ بالکل صاف ہوئی اور اس کے معدے سے صرف پانی نکلا۔

جب لقمان کی حکمت یہ کچھ کر سکتی ہے تو مالک الملک کی حکمت کھیتے کھرے کو الگ کر دکھانے میں کیا کچھ نہیں کر سکتی۔

ایک شہر کو آگ لگ گئی حضرت عمرؓ کے زمانے میں

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک شہر کو آگ لگی وہ اس بلا کی آگ تھی کہ پتھر کو خشک لکڑی کی طرح جلا کر راکھ کر دیتی تھی وہ مکانوں اور محلوں کو خاک سیاہ کرتی ہوئی پرندوں کے گھونسلوں اور آخر کار ان کے پروں میں بھی لگ گئی۔ اس آگ کے شعلوں نے آدھا شہر لے لیا یہاں تک کہ پانی بھی ان شعلوں کی تاب نہ لاتا تھا۔ اہلِ تدبیران پر پانی اور سرکے کے پرنالے بہاتے تھے مگر معلوم ہوتا تھا کہ پانی اور سرکہ آگ بھڑکانے میں اور مدد پہنچاتا ہے۔ آخر کار خلقت حضرت عمرؓ کے پاس دوڑی آئی اور عرض کی کہ ہماری آگ کسی اپائے سے نہیں بجھتی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ آگ خدا کے غضب کی علامت ہے اور یہ تمہارے بخل کی آگ کا صرف ایک شعلہ ہے لہذا پانی کو چھوڑو اور روٹی تقسیم کرو اور آئندہ کے لیے اگر میرے متبع ہو تو بخل کو ترک کرو۔ خلقت نے کہا ہم نے پہلے سے دروازے کھول رکھے ہیں اور ہم ہمیشہ سے صلۂ رحم کرنے والے اور سخی رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ وہ سخاوت تم نے از روئے رسم و عادت کی تھی تم نے خدا کی راہ میں دروازہ نہیں کھولا تھا۔ تم نے جو کچھ دیا وہ شیخی اور اپنی بڑائی دکھلانے کے واسطے دیا خدا کے خوف اور عاجزی سے نہیں دیا۔ اور ایسی دکھاوے کی سخاوت اور خیرات سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت علیؓ پر ایک کافر کا تھوکنا اور آپ کا اس کے قتل سے باز رہنا

حضرت علیؓ کے عمل سے اخلاص کا طریق سیکھ۔ وہ خدا کے شیر تھے ان کا فعل نفسانیت سے پاک تھا۔ ایک جنگ میں جب ایک دشمن زد میں آیا تو آپ تلوار سونت کر جھپٹے۔ اس نے حضرت علیؓ کے چہرۂ پرنور پر جو ہر نبی و ولی کا فخر تھے، تھوک دیا۔ اس نے ایسے چہرے پر

تھوکا کہ اگر چاند بھی مقابل آئے تو اس کے سامنے سجدہ بجالائے مگر حضرت علیؓ اپنا غصہ پی گئے اور اسی وقت تلوار پھینک کر اس کافر پہلوان سے کنارہ کرنے لگے۔ وہ پہلوان آپ کی اس حرکت سے حیران ہو گیا کہ بھلا اظہارِ عفو اور رحم کا یہ کیا محل تھا! اس نے پوچھا کہ تم نے مجھ پر ابھی تو شمشیر آب دار کھینچی اور ابھی کے ابھی تلوار پھینک کر مجھے چھوڑ دیا اس کا کیا سبب ہے۔ میری جنگ آزمائی میں تم نے ایسی کیا بات دیکھی کہ مجھ پر غالب آنے کے بعد بھی مقابلے سے ہیٹے ہٹ گئے۔ آپ نے فرمایا میں صرف خدا کے لیے تلوار مارتا ہوں کیوں کہ خدا کا بندہ ہوں اپنے نفس کا بندہ نہیں ہوں۔ خدا کا شیر ہوں خواہشاتِ نفس کا شیر نہیں ہوں اور یہی میرا عمل میرے دین کا گواہ ہے۔ غضب و غصہ بادشاہ ہیں پر حکم راں اور ہمارا غلام ہے اس لیے غضب و غصے پر میں نے زین و لگام لگا لی ہے۔ میرے صبر کی تلوار نے میرے غضب و غصے کی گردن ماردی ہے اور حق کا غضب بھی مجھ پر رحمت کی طرح چھایا ہوا ہے۔ حضرت پیغمبر صلعم نے میرے نوکر کے کان میں فرمایا کہ ایک دن وہ میرا سر تن سے جدا کر دے گا۔ وہ نوکر مجھ سے کہتا رہتا ہے کہ آپ پہلے ہی مجھے قتل کر دیجیے کہ ایسی سنگین خطا مجھ سے سرزد نہ ہونے پائے مگر میں اسے یہی جواب دیتا ہوں کہ جب میری موت تیرے ہاتھ سے ہونے والی ہے تو میں خدا کے حکم کے مقابلے میں حیلہ کیوں تراشوں؟ اس طرح میں دن رات اپنے قاتل کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں مگر مجھے اس پر غصہ نہیں آتا کیوں کہ آدمی کو جس طرح اپنی جان پیاری ہے اسی طرح مجھے موت پیاری ہے کیوں کہ یہی موت میری دوسری زندگی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے ہے۔ بے موت مرنا ہم پر حلال ہے اور بے سامان جینا ہمارے لیے نعمت ہے۔

پھر حضرت امیر المومنینؓ نے اس پہلوان سے کہا کہ اے جوان! جب کہ جنگ آزمائی کے وقت تو نے میرے منہ پر تھوکا تو میرے نفس کو حرکت ہوئی اور میری نیت دوسری ہو گئی یعنی جنگ کی غرض و غایت آدھی خدا واسطے اور آدھی اپنے نفس کی طرف سے

ہوگئی حالاں کہ خدا کے کام میں دوسرے کی شرکت جائز نہیں تو میرے مالک کے ہاتھ کی بنائی ہوئی صورت ہے اور تو اس کی ملک ہے میری نہیں۔ خدا کے نقش کو خدا ہی کے حکم سے توڑنا چاہیے اور دوست کے شیشے پر اسی کا پتّھر مارنا چاہیے۔

اس کافر پہلوان نے جو یہ تقریر سُنی تو اس کے دل میں ایک نور پیدا ہوا اور اس نے زنار توڑ ڈالی اور کہا کہ ہائے افسوس میں اب تک ظلم کے بیج بو رہا تھا۔ میں تو تجھے کچھ اور سمجھتا تھا لیکن تو خدا کا اندازہ لگانے کی نہ صرف ترازو ہے بلکہ ہر ترازو کی ڈنڈی ہے۔ میں اس شمع کی خصلت والے چراغ کا غلام ہوں کہ جس سے تیرے چراغ نے روشنی پائی ہے، میں اس دریائے نور کی موج کا غلام ہوں جو ایسے ایسے موتی باہر لاتی ہے۔ لہذا مجھے اپنے مذہب کا کلمۂ شہادت سکھا کیوں کہ میں نے تجھ کو اپنے سے زیادہ سربلند پایا۔

القصّہ اس پہلوان کے قریب جس قدر اس کے رشتے دار اور اہلِ قوم جمع تھے سب نے پروانہ وار دینِ اسلام قبول کیا۔ حضرت نے صرف تیغ حلم سے اتنی خلقت کو بندۂ حلقہ بگوش بنایا اور ان کے گلوں کو شمشیرِ آب دار سے بچالیا۔ لہذا تیغِ حلم تیغ فولاد سے زیادہ تیز بلکہ فتح و کامرانی میں سو لشکروں پر فائق ہے۔

دفترِ دوم

حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک شخص کا خیال کو ہلال سمجھ لینا

جب دل کا آئینہ پاک صاف ہو جائے تو اس عالمِ آب و گِل سے بالاتر عالموں کے نقش بھی تو دیکھ سکتا ہے بلکہ نقش و نقاش دونوں کو دیکھ سکتا ہے لیکن اگر آنکھ کے سامنے ایک بال بھی آڑ ہو جائے تو تیرا خیال (قیاس) دُر شاہوار کو بھی پوتھ بتلاتا ہے تو پوتھ اور موتی میں اس وقت فرق سمجھ سکتا ہے کہ جب اپنے خیال پر اَڑنے سے باز آئے۔ اے دُرِ شاہوار پہچاننے والے! ایک حکایت سُن تاکہ تو حقیقت اور خیال کا فرق سمجھ سکے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں رمضان کا مہینہ آیا تو لوگ چاند دیکھنے کے لیے ایک اونچے پہاڑ پر چڑھ گئے تاکہ رمضان کا چاند دیکھ کر روزے رکھنے شروع کریں۔ ایک شخص نے کہا کہ یا عمرؓ دیکھو! یہ رہا چاند جب حضرت نے آسمان پر چاند نہ دیکھا تو کہا یہ چاند تیرے خیال سے پیدا ہوا ہے ورنہ میں افلاک کو تجھ سے زیادہ دیکھنے والا ہوں۔ مجھے چاند کیوں نظر نہیں آتا۔ پھر اس سے کہا کہ ہاتھ بھگو کر اپنی بھوؤں پر پھیر اور پھر آسمان کی طرف دیکھ، آیا پھر بھی تجھے چاند نظر آتا ہے یا نہیں جب اس نے بھوؤں کو بھگو کر سب بال یکساں کر کے دیکھا تو کہا کہ یا حضرت! اب تو چاند کہیں نہیں۔ وہ تو غائب ہو گیا حضرت عمرؓ نے کہا کہ نہیں تیری بھوؤں کے بال نے خم کھا کر تجھے وہم میں ڈالا تھا یعنی اس کی بھوؤں کا ایک بال ٹیڑھا ہو گیا تو اس بال سے نئے چاند کا دھوکا ہونے لگا۔

اب سوچنے کی بات ہے کہ جب ایک بال کے ٹیڑھا سامنے آجانے سے دیکھنے والے

اور آسمان کے درمیان پردہ ہو جاتا ہے تو جب تیرے سارے اجزاے فطرت ٹیڑھے ہو جائیں تو کس قدر دھوکا ہو سکتا ہے ۔ اے سیدھا راستہ تلاش کرنے والے! اپنے اجزا کو سچّوں کے پاس سیدھا کر۔ ترازو ہی ترازو کو درست کرتی ہے اور ترازو ہی ترازو کو غلط کرتی ہے جو گمراہوں کے ساتھ تلتا ہے خود اس کا وزن بگڑ جاتا ہے اور اس کی عقل کھوئی جاتی ہے ۔

ایک چور کا دوسرے سپیرے کا سانپ چُرا لینا

ایک چور نے کسی سپیرے کا سانپ چُرا لیا اور بے وقوفی سے مالِ موذی نصیبِ غازی سمجھا ۔ سانپ زہریلا تھا ۔ سپیرا تو ڈسنے سے محفوظ رہا لیکن چور اسی سانپ سے ڈسا گیا ۔ سپیرے نے جب اسے دیکھ کر پہچانا تو کہا کہ اس نے میرے سانپ کی جان سے زیادہ رکھا کی میری جان یہ دعا کرتی تھی کہ الٰہی ایسا کر کہ اپنے چور کو پکڑوں اور سانپ چھین لوں ۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ دعا قبول نہیں ہوئی اور جو بات میری مرضی کے خلاف تھی وہی فائدہ مند نکلی ۔

آدمی بہت سی ایسی دعائیں کرتا ہے جو اگر پوری ہو جائیں تو نقصان و ہلاکت واقع ہو۔ لیکن خدا اپنے کرم سے ایسی دعاؤں پر توجہ نہیں فرماتا ۔ دعا کرنے والا خدا سے شکایت اور بدگمانی کرتا ہے حالانکہ اس کی دعا کا نامقبول ہونا ہی بہتر ہوتا ہے ۔ وہ نہیں سمجھتا کہ اس نے اپنے لیے آپ ہی مصیبت کی دعا کی تھی اور خدا نے محض اپنے کرم سے اس کو قبول نہ کیا ۔

ایک ہمراہی کا حضرت عیسےٰؑ سے ہڈیوں کو جلا دینے پر اصرار کرنا

ایک بے وقوف حضرت عیسےٰؑ کا شریکِ سفر تھا ۔ اس نے ایک گہرے گڑھے میں ہڈیاں دیکھ کر کہا کہ اے روح اللہ! وہ کیا نامِ پاک ہے جس سے تو مُردوں کو زندہ کرتا ہے مجھے بھی تو وہ اسمِ پاک

سکھا دے تاکہ ان پرانی ہڈیوں میں جان ڈال دوں۔ حضرت عیسےٰؑ نے فرمایا، تو چپ رہ یہ کام تیرا نہیں، تیرا دم اور تیری زبان اس کام کے لائق نہیں۔ اس نے کہا خیر اگر میں ان اسرار کو زبان پر نہیں لا سکتا تو تو ہی ان ہڈیوں پر کچھ پڑھ کر دم کر دے۔ حضرت عیسےٰؑ نے اپنے دل میں کہا کہ الٰہی یہ بھید کیا ہے اس بے وقوف کو اتنا اصرار کیوں ہو گیا ہے۔ اس بیمار کو اپنا غم کیوں نہیں اور اس مُردار کو اپنی جان کی فکر کیوں نہیں۔ اس نے اپنے مردے کو چھوڑ دیا ہے اور بیگانے مُردے جلانے چاہتا ہے۔ خدا نے وحی کی کہ بداقبالی کو بداقبالی ہی کی تلاش ہوتی ہے کیوں کہ کانٹوں کا اُگنا ان کے بوئے جانے کا بدلہ ہے۔ جب حضرت عیسےٰ نے دیکھا کہ وہ بے وقوف ہم سفر سوا بحث و تکرار کے ایک قدم آگے بڑھانا نہیں چاہتا اور اپنی بے عقلی کی وجہ سے کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا بلکہ اپنی گمراہی کی وجہ سے معجزہ نہ دکھانے کو بخل سمجھتا ہے تو حضرت عیسےٰؑ نے اس کی درخواست کے مطابق ان ہڈیوں پر خدا کا نام دم کیا۔ خدا کے حکم سے وہ ہڈیاں زندہ ہو گئیں۔ یکایک دیکھا کہ وہ تو ایک شیر سیاہ تھا اس نے ایک چھلانگ ماری اور پنجہ مار کر اس شریک سفر کو پھاڑ ڈالا۔ اس کا کلّہ توڑ کر بھیجا پاش پاش کر دیا اور اس کا خول ایسا رہ گیا جیسے اس میں کبھی مغز تھا ہی نہیں۔

حضرت عیسےٰؑ نے شیر سے پوچھا کہ تو نے اس قدر جلد کیوں پھاڑ ڈالا۔ شیر نے جواب دیا اس وجہ سے کہ آپ اس سے ناراض ہو گئے تھے۔ پھر حضرت عیسےٰؑ نے پوچھا کہ اس کا خون تو نے کیوں نہیں پیا۔ شیر نے جواب دیا میری قسمت میں رزق نہیں تھا۔ اگر مجھے اس جہان میں روزی ہوتی تو مردوں میں داخل ہونے سے کیا کام تھا۔ یہ سزا اس کی جو آبِ زلال گدھے کی طرح پیر مار کر گدلا کر دیتا ہے۔ اگر نہر کی قدر گدھا جانے تو بجائے پانو کے اس میں سر رکھے ؛

ایک صوفی کا اپنا خچر خادمِ خانقاہ کے حوالے کرنا اور خود بے فکر ہو جانا

ایک صوفی سیر و سفر کرتا ہوا کسی خانقاہ میں رات کے وقت اتر پڑا۔ سواری کا خچر تو اس نے اصطبل میں باندھا اور خود خانقاہ کے اندر مقامِ صدر میں جا بیٹھا۔ اہلِ خانقاہ پر وجد و طرب کی کیفیت طاری ہوئی پھر وہ مہمان کے لیے کھانے کا خوان لائے۔ اس وقت صوفی کو اپنا خچر یاد آیا۔ خادم کو حکم دیا کہ اصطبل میں جا اور خچر کے واسطے گھاس اور جَو مہیا کر۔ خادم نے کہا لاحول ولا۔ آپ کے فرمانے کی ضرورت کیا ہے؟ میں ہمیشہ سے یہی کام کیا کرتا ہوں۔ صوفی نے کہا کہ جَو کو ذرا پانی کا چھینٹا دے کر بھگو دینا کیوں کہ وہ خچر بڈھا ہو گیا ہے اور دانت اس کے کمزور ہو گئے ہیں۔ خادم نے کہا، لاحول ولا، اجی حضرت! آپ مجھے کیا سکھاتے ہیں، لوگ ایسی ایسی تدبیریں تو مجھ سے سیکھ کر جاتے ہیں۔ صوفی نے کہا کہ پہلے اس کا پالان اُتارنا اور پھر اس کی پیٹھ کے زخم پر فلسل کا مرہم لگا دینا۔ خادم نے کہا لاحول ولا آپ اپنی حکمت تہہ کر کے رکھیے، میں ایسے سب کام جانتا ہوں۔ سارے مہمان ہماری خانقاہ سے راضی خوشی جاتے ہیں کیوں کہ مہمانوں کو ہم اپنی جان اور عزیزوں کے برابر سمجھتے ہیں۔ صوفی نے کہا کہ اس کو پانی پلانا مگر ذرا کنکنا کر کے دینا۔ خادم نے کہا، لاحول ولا حضرت آپ کی ان چھوٹی چھوٹی باتوں کے جتلانے سے تو میں شرمانے لگا۔ پھر صوفی نے کہا کہ کھائی جَو میں ذرا سی گھاس بھی ملا دینا۔ خادم نے کہا کہ لاحول ولا آپ چپ ہو جائیے سب کچھ ہو جائے گا۔ صوفی نے کہا کہ اس کے تھان سے کنکر پتھر اور کوڑا کرکٹ جھاڑ دینا اور اگر وہاں سیل ہو تو خشک گھاس بچھا دینا۔ خادم نے کہا لاحول ولا اے بزرگ، لاحول پڑھ۔ بھلا ایک قابل کار پرداز سے ایسے ایسے بچے کرنے سے کیا فائدہ۔ صوفی نے کہا میاں! ذرا کھریرا بھی پھیر دینا اور جاڑوں کی راتیں ہیں ذرا خچر کی پیٹھ پر جھول ڈال دینا۔ خادم نے کہا لاحول ولا، اے پدرِ بزرگوار! آپ اس قدر اہتمام نہ فرمائیے میرا کام دودھ کی طرح پاکیزہ

اور شک وشبہ سے پاک ہوتا ہے، آپ اس میں بیتگنیوں (یعنی شک وشبہ) کی تلاش نہ کریں۔ میں اپنے فن میں آپ سے زیادہ مشّاق ہو گیا ہوں کیوں کہ ہمیشہ نیک و بد مہمانوں سے کام پڑتا رہتا ہے۔ ہر مہمان کے لائق خدمت کرتا ہوں۔

خادم نے اتنا کہہ کر کمر باندھی اور کہا، لو! میں چلا، سب سے پہلے گھاس اور جَو کا بندوبست کروں۔ وہ تو چلا گیا۔ اِدھر صوفی پر خوابِ خرگوش ایسا طاری ہوا کہ اس کو پھر اصطبل یاد ہی نہ آیا۔ خادم اپنے بدمعاش یاروں میں جاکر صوفی کی فرمائشوں کی ہنسی اڑانے لگا۔ صوفی راستے کا تھکا ہارا لیٹ گیا اور نیم خواب حالت ہی میں خواب دیکھنے لگا۔

ایک خواب اس نے یہ دیکھا کہ اس کے خچّر کو ایک بھیڑیا دبوچ کر اس کی پیٹھ اور ران کے گوشت کے لوتھڑے نوچ کر کھا رہا ہے (آنکھ کھل گئی اپنے جی میں کہا) لاحول ولا، یہ کیا مالیخولیا ہے۔ بھلا وہ مہربان خادم کہاں گیا ہوگا (وہ تو اس کے پاس ہی ہوگا) پھر خواب دیکھا کہ وہ خچّر راستہ چلتے چلتے کبھی کنوئیں میں گر پڑتا ہے اور کبھی گڑھے میں۔ اسی طرح کے خوفزدہ واقعات خواب میں دیکھ کر بار بار چونک پڑتا اور کبھی سورۂ فاتحہ اور کبھی سورۃ القارعہ پڑھ لیتا تھا۔ آخر بے تاب ہوکر کہا کہ اب کیا چارہ ہے سب اہلِ خانقاہ سوتے ہیں اور یہ خادم دروازے بند کرکے چلے گئے۔ صوفی تو ان وسوسوں میں گرفتار تھا اور خچّر پر وہ مصیبت پڑی کہ خدا ایسی مصیبت دشمنوں ہی پر ڈالے۔ اس خچّر بے چارے کا پالان وہاں کی خاک اور پتھروں میں گھسنے کھا کر ٹیڑھا ہو گیا اور باگ ڈور ٹوٹ گئی۔ دن بھر کا تھکا ہارا رات بھر کا بھوکا پیاسا کبھی نزع کے عالم میں کبھی موت کے عالم میں بسر کرتا رہا۔ زبانِ حال سے کہتا تھا کہ "اے بزرگانِ دین! رحم کرو، میں ایسے کچّے اور بے شعور صوفی سے بیزار ہو گیا"۔ الغرض اس خچّر نے رات بھر جو تکلیف و اذیت جھیلی ایسی تھی جیسی کہ خاکی پرندے پر پانی میں پڑتی ہے۔ بس وہ ایک ہی کروٹ صبح تک بھوک سے بے تاب پڑا رہا۔ گھاس اور جَو کے فراق میں منہناتے منہناتے سویرا ہو گیا۔ جب اجالا پھیل گیا

تو خادم آیا اور جھٹ پٹ پالان کو سہ کا کر اس کی پیٹھ پر رکھا اور سنگ دل گدھے بیچنے والوں کی طرح دو تین زخم لگائے۔ خچر کیل کے چبھنے سے طرارے بھرنے لگا۔ غریب کے زبان کہاں جو اپنا حال بیان کرتا۔ لیکن جب صوفی سوار ہو کر آگے روانہ ہوا تو خچر مارے کم زوری کے گرنے لگا۔ جہاں کہیں گرتا تھا لوگ اسے اٹھا دیتے تھے اور جانتے تھے کہ خچر بیمار ہے۔ کوئی خچر کے کان مروڑتا اور منہ کھول کر دیکھتا کوئی دیکھتا کہ کہیں سُم اور نعل کے بیچ میں کنکر تو نہیں آ گیا اور اس کی آنکھیں چیر کر ڈھیلے کا رنگ دیکھتا اور سب یہ کہتے کہ اے شیخ! خچر تمھارا بار بار گرا پڑتا ہے۔ اس کا کیا سبب ہے۔ شیخ جواب دیتا کہ خدا کا شکر ہے خچر تو قوی ہے مگر وہ خچر جس نے رات بھر لاحول کھائی ہو! اس طریقے کے راستہ طے نہیں کر سکتا اور یہ حرکت واجبی معلوم ہوتی ہے جب خچر کی غذا لاحول تھی تو رات بھر اس نے تسبیح کی اب دن بھر سجدے کرے گا۔

جب کسی کو تمھاری حاجات سے دل سوزی نہیں ہے تو اپنا کام آپ ہی کرنا چاہیے۔ اکثر لوگ مردم خوار ہیں ان کی سلام علیک سے فلاح کی امید نہ رکھ۔ جو شخص شیطان کے افسوں سے لاحول کھاتا ہے وہ خچر کی طرح عین معرکۂ جنگ میں سر کے بل گرتا ہے۔ شیر کی طرح اپنا شکار آپ کر اور کسی اپنے بیگانے کے دھوکے میں نہ آ۔ نا اہلوں کی خدمت گزاری ایسی ہی ہوتی ہے جیسی اس خادم نے کی۔ ایسے نا اہلوں کے فریب میں آنے سے بے نوکر رہنا بہتر ہے۔

شیخ احمد خضرویہؒ کا قرض خواہوں کے لیے حلوا خریدنا

ایک شیخ ہمیشہ قرض دار رہتا تھا اور اس بارے میں اس کی دلیری مشہور ہو گئی تھی بڑے بڑوں سے ہزاروں روپیہ قرض لیتا اور بلا استغنا فقیروں پر خرچ کرتا تھا۔ اسی قرض سے

اس نے ایک خانقاہ بنوائی اور اپنی جان و مال اور خانقاہ سب کچھ اڑا ڈالا۔ اس شیخ کا نام احمد خضرویہؒ اور کام اہلِ عشق کی خدمت گزاری تھا۔ خدا اس کو ہر جگہ سے قرض دلوا دیتا تھا گویا خدا نے اپنے پیارے کے لیے ریت[1] کو آٹا بنا دیا تھا۔

قرض دار شیخ نے سالہا سال یوں ہی گزارے، اِدھر لیا اور اُدھر فقیروں کی امداد کے لیے دے دیا جب شیخ کی عمر ختم ہونے کو ہوئی۔ مرضِ موت کے آثار نظر آنے لگے اس وقت قرض خواہ سب آکر گرد جمع ہو گئے اور شیخ شمع کی مانند سہج سہج پگھل رہا تھا۔ قرض خواہوں کا دل اس قدر کھٹا اور مایوس ہو گیا کہ دردِ دل کے ساتھ دردِ شش بھی ہونے لگا۔ شیخ نے فرمایا کہ ان بدگمانوں کو تو دیکھو! کیا خدا کے پاس چار سو اشرفیاں بھی نہیں!! (اسی اثنا میں) ایک حلوا فروش لڑکے نے آواز لگائی۔ شیخ نے خادم کو حکم دیا کہ جا وہ سب حلوا خرید لے اور جی میں سوچا کہ یہ قرض خواہ حلوا کھائیں گے تو تھوڑی دیر کے لیے ترش روئی ترک کر دیں گے۔ فوراً خادم دروازے کے باہر نکلا اور پوچھا کہ حلوے کا سارا تھال کس قیمت میں دو گے۔ لڑکے نے کہا نصف دینار اور چند درہم میں۔ خادم نے کہا کہ نہیں نہیں صوفیوں سے زیادہ نہ لو بس نصف دینار میں سب حلوا دے دو۔ اس نے پوری تھال شیخ کے آگے رکھ دی، اب شیخِ دُور بیں کی کرامت دیکھو۔ قرض خواہوں کو اشارہ کیا کہ یہ فقیر کا تبرک ہے اس کو اطمینان سے کھاؤ۔ حسبِ حکم سب حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے اور خوشی خوشی ساری تھال پونچھ کر کھا گئے۔ جب تھال صاف ہوئی تو لڑکے نے اٹھالی اور شیخ سے قیمت طلب کی۔ شیخ نے کہا میاں بچے قیمت کہاں سے لاؤں میں بے حد قرض دار ہوں اور اب عالمِ نزع میں ہوں۔ لڑکے نے تھال مارے غصّے کے پٹک دی اور رونا دھونا شروع

---

[1] ریت کی تشبیہ قرض سے ہے جو کھانے کے قابل نہیں مگر خدا نے اپنے پیارے کی خاطر اس کو بھی خوش گوار کر دیا تھا۔ مترجم

کر دیا۔ روتا تھا اور لمبے لمبے راگ نکال کر بین کرتا اور کہتا تھا کہ کاش میرے دونوں پاؤں ٹوٹ جاتے۔ کاش میں کسی کوٹھڑی پر جاتا اور اس خانقاہ کے دروازے پر پھیری نہ کرتا۔ چیخ پکار سن کر وہاں بہت سے شریف و رذیل لڑکے کے گرد جمع ہو گئے۔ آخر کار وہ لڑکا پھر شیخ کے پاس آیا اور کہا کہ ارے ظالم بڈھے! مجھے تو استاد مار ہی ڈالے گا۔ کیا تجھے منظور ہے کہ میں اس کے آگے خالی ہاتھ جاؤں اور وہ مجھے مار ڈالے۔ قرض خواہوں نے بھی بہت لعنت و ملامت کی اور شیخ سے کہا کہ تم نے یہ کیا چلتر کیا۔ ہمارا مال ہضم کر گئے وہ ظلم کی پوٹلی تو ساتھ لیے جا رہے ہو۔ اس کے اوپر طرہ یہ ظلم بھی سر پر اٹھا لیا۔ نمازِ ظہر کے وقت تک حلوے والا چھوکرا روتا رہا اور شیخ نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کی طرف پلٹ کر نہ دیکھا۔

شیخ کا دل جھگڑے فساد سے پاک تھا۔ بدلی کے چاند کی طرح لحاف میں منہ لپیٹے پڑے رہے۔ اس لڑکے کے لیے تماشائیوں نے پیسہ پیسہ کر کے حلوے کی قیمت جمع کی تو شیخ کی ہمت نے اسے بھی ناپسند کیا اور اس چندے کو روک دیا اور ممانعت کر دی۔ کہ لڑکے کو کوئی کچھ نہ دے۔ صاحبانِ دل کے پاس اس سے بہت زیادہ ہے جب نمازِ ظہر پڑھ چکے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک خادم خوان سر پر رکھے چلا آتا ہے۔ ایک دولت مند صاحبِ دل نے جو شیخ کا معتقد تھا یہ سوغات بھیجی تھی۔ اس میں چار سو دینار تو ایک طرف رکھے ہوئے تھے اور نصف دینار ایک پڑیا میں لپٹا ہوا دوسری طرف تھا۔ خادم نے آکر شیخ کو سلام کیا اور وہ خوان سامنے رکھ دیا۔ جب شیخ نے خوان پوش اٹھایا تو لوگوں نے شیخ کی کرامت دیکھی۔ سب دیکھنے والوں کی ایک دم چیخ نکل گئی کہ اے بزرگوں کے بزرگ! یہ کیا ماجرا ہے، اے اہلِ باطن کے بادشاہ، ہم آپ کو ایسا نہ جانتے تھے، برائے خدا ہم کو معاف کیجیے ہم بہت بیہودہ اور بے جا باتیں کہہ چکے ہیں۔ ہم نے جو اندھے پن کے ساتھ لکڑیاں چلائیں تو ضرور قندیلوں کو توڑ دیا ہوگا۔ ہم بہروں نے بے تکے مخاطب کی

ایک بات بھی نہیں سُنی لیکن بدتمیزی سے تیاسی جواب دیتے رہے۔ شیخ نے فرمایا کہ میں نے تمھاری سب بدزبانیوں کو معاف کیا۔ میں نے جو اس قدر تمھیں روکے رکھا اس کا راز یہی تھا کہ میں نے خدا سے ہدایت کی دعا کی اور اس نے میرے واسطے یہ راستہ پیدا کیا۔ اس لڑکے کا ایک دینار اگرچہ مالیت میں کم ہے لیکن اسی پر اس لڑکے کی بے قراری موقوف تھی اور جب تک طفلِ حلوافروش نہ روئے سخاوت کا دریا جوش میں نہیں آتا۔

اے بھائی! وہ لڑکا تیری چشم گریاں ہے اپنی مقصد براری اپنے ہی رونے پر موقوف ہے۔ تیرا مطلب دل کے رونے سے وابستہ ہے اور جب تک نہ روئے جب تک کام پانی مشکل ہے:

ایک گنوار کا اندھیرے میں شیر کو کھجانا

ایک گنوار نے گائے طویلے میں باندھی، شیر آیا اور گائے کو کھا پی وہیں بیٹھ گیا۔ وہ گنوار رات کے اندھیرے میں اپنی گائے کو ٹٹولتا ہوا طویلے پہنچا اور اپنے خیال میں گائے کو بیٹھا پاکر شیر کے ہاتھ پیر پر، کبھی پیٹھ اور پہلو پر اور کبھی نیچے اوپر ہاتھ پھیرنے لگا۔ شیر نے اپنے جی میں کہا کہ اگر ذرا بھی اُجالا ہوتا تو اس کا پتا پھٹ جاتا اور دل خون ہو جاتا۔ یہ اس قدر گستاخانہ جو مجھے کھجاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے گائے سمجھ رہا ہے۔

حق بھی یہی کہتا ہے کہ او فریب خوردہ اندھے تو نہیں پاتا کہ میرے نام سے طور چکنا چور ہو گیا تھا۔ تو نے تقلیدی طور پر اپنے ماں باپ سے خدا کا نام سنا ہے تحقیق کے ساتھ اس سے واقف ہو جائے تو طور کی طرح تو بھی بے نشان و بے جائے ہو جائے:

ایک مسافر صوفی کے گدھے کو صوفیوں کا بیچ کھانا

عبرت کے طور پر یہ قصہ سنو تاکہ تم تقلید کی آفت سے خبردار ہو جاؤ۔ ایک صوفی بحالتِ سفر کسی خانقاہ میں پہنچا اور اپنے گدھے کو اصطبل میں باندھ کر ڈول میں پانی بھر کر پلایا اور گھاس اپنے ہاتھ سے ڈالی۔ یہ صوفی ویسا غافل صوفی نہ تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس نے اپنی طرف سے گدھے کی دیکھ بھال میں کچھ کمی نہیں کی لیکن جب امرِ ربی ہو تو احتیاط سے کیا ہوتا ہے۔ اس خانقاہ کے صوفی سب مفلس قلاش تھے اور جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے بعض دفعہ محتاجی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ اے تونگر تو پیٹ بھرا ہے کسی دردمند فقیر کی کج روی کا مذاق نہ اڑا۔

غرض وہ گروہِ صوفیا گدھے کو بیچ ڈالنے کے درپے ہوا اور تاویل اپنے گناہ کی یہ کی کہ ضرورت پر مردار بھی حلال ہو جاتا ہے۔ پھر سب نے مل کر وہ گدھا بیچ دیا اور مزے مزے کے کھانے لائے اور خوب روشنی کی۔ ساری خانقاہ میں دھوم مچ گئی کہ آج رات کو کھانا بھی ہے اور سماع بھی۔ آخر یہ تکلیف اور تین دن کا روزہ کب تک اور کب تک جھولیاں لے کر بھیک مانگتے پھریں۔ آخر ہم بھی تو خدا کے بندے ہیں، ہم بھی جان رکھتے ہیں، اس لیے جو ہو سو ہو آج تو ہم بھی دولت کی مہمان داری کریں گے۔ وہ مسافر صوفی اصل حال سے بے خبر یہ راگ رنگ دیکھ رہا تھا اتنے میں خانقاہ والے سب اس کی طرف جھک پڑے کوئی ہاتھ پاؤں دباتا اور کوئی پوچھتا کہ حضرت کہاں تشریف رکھیں گے۔ کوئی بستر کی گرد جھٹکتا اور کوئی ہاتھ اور منہ کا بوسہ لیتا۔

مسافر صوفی نے اپنے جی میں کہا جب کہ ان صوفیوں کا میلان میری طرف اس درجہ ہے تو میں بھی کیوں نہ عیش میں شرکت کروں۔ القصہ جب سب نے عمدہ عمدہ کھانے کھا لیے تو سماع شروع ہوا، ساری خانقاہ فرش سے لے کر چھت تک گرد اور دھوئیں سے اندھیری

ہوگئی۔ دھنواں تو باورچی خانے کا تھا اور گرد حالتِ وجد میں پانو زمین پر مارنے سے پیدا ہوگئی تھی۔ کبھی تالیاں بجاتے اور دھپ دھپ ٹھوکریں لگاتے اور کبھی مارے سجدوں کے صدر دالان کی جھاڑو دیتے۔ جب سماع انتہا کو پہنچا تو قوال نے ایک آستائی بلند سروں میں چھیڑ دی اور "گدھا رخصت ہوا، گدھا رخصت ہوا!" کی ٹیپ ایسی الاپنی شروع کی کہ اہلِ سماع میں حرارت کی رَو دوڑ گئی اور وہ صوفی مسافر بھی اسی جوش وخروش میں صبح تک پانو پیٹتا اور سب گانے والوں کے ساتھ "گدھا رخصت ہوا، گدھا رخصت ہوا" گاتا رہا۔ جب سماع اختتام کو پہنچا اور جوش ومستی کم ہوئی تو دیکھا کہ صبح ہوگئی۔ الوداع کہہ کر رخصت ہوئے۔ ساری خانقاہ خالی ہوگئی صرف مسافر صوفی تنہا رہ گیا تو اس نے اپنے بستر کو جھٹک جھٹکا کر باندھا اور حجرے سے باہر نکالا تاکہ جھٹ پٹ گدھے پر لاد کر ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہو جاتے۔ مگر اصطبل میں دیکھا تو گدھا ندارد۔ اپنے جی میں کہا کہ غالباً خانقاہ کا خادم پانی پلانے لے گیا ہوگا کیوں کہ کل اس نے پانی بہت کم پیا تھا۔

جب خادم آیا تو صوفی نے پوچھا کہ گدھا کہاں ہے۔ خادم نے کہا، ہائیں ذرا آپ کی ڈاڑھی تو دیکھو، بس پھر کیا تھا لڑائی شروع ہوگئی۔ صوفی نے کہا کہ میں نے گدھا تیرے سپرد کیا تھا اور تجھ ہی کو گدھے پر نگران کیا تھا۔ میں تجھی سے لینے والا ہوں اور تجھ ہی کو دینا پڑے گا ورنہ اگر تو زیادہ حجت کرتا ہے تو چل قاضی کے پاس تصفیہ ہو جائے گا۔ اب خادم دبا اور گڑگڑا کر کہنے لگا کہ میں بالکل مجبور تھا۔ سب صوفیوں نے مشورہ کرکے ایک دم حملہ کیا اور مجھے ادھ موا کر دیا۔ بھلا ذرا غور تو کرکہ تو کلیجی بلّیوں کے بیچ میں ڈال دے اور پھر اس کے محفوظ رہنے کی امید کرے۔ صوفی نے کہا کہ مانا تجھ سے انھوں نے زبردستی گدھا چھین لیا اور مجھ مسکین کی جان پر مصیبت نازل کی لیکن کیا تجھ سے یہ بھی نہ ہو سکتا تھا کہ میرے پاس فریاد کرتا اور کہتا کہ اجی بے نوا تیرے گدھے کو لیے جا رہے ہیں جب تک وہ لوگ یہاں موجود تھے اس وقت تک تو سو طرح کے جتن ممکن تھے لیکن اب تو وہ سب چل دیے۔ اب میں

کسے پکڑوں کسے قاضی کے پاس لے جاؤں؟ خادم نے کہا کہ واللہ میں کئی بار آیا تاکہ تجھے ان کی کارستانیوں سے واقف کروں مگر تو خود ہی بڑے ذوق وشوق میں سب کے ساتھ "گدھا رخصت ہوا، گدھا رخصت ہوا" کہہ رہا تھا۔ جب خود تیری زبان سے میں نے سنا تو اس قیاس پر کہ تو قانع درویش ہو اور گدھے کے جانے پر راضی ہے میں واپس چلا گیا۔ صوفی نے کہا اس جملے کو سب خوش آوازی سے ادا کر رہے تھے تو مجھے بھی اس کے بولنے میں مزا آنے لگا۔ ہائے مجھے ان کی تقلید نے برباد کر دیا۔ ایسی تقلید پر سو بار لعنت خاص کر ان بے حاصلوں کی تقلید جنہوں نے روٹی کے لیے اپنی عزت گنوائی۔

مفلس اور کھاؤ قیدی کی منادی

ایک مفلس بے گھر شخص قید میں ڈالا گیا تھا۔ وہ ایسا بڑ پیٹیا تھا کہ سارے قیدیوں کا کھانا کھا جاتا تھا کسی کی مجال نہ تھی کہ پیٹ بھر کر روٹی کھا سکے کیوں کہ ہاتھ چالاک بہت جلد اڑا لیتا تھا۔ قاضی کا وکیل جو پوچھ گچھ کے لیے آیا تو اہلِ زنداں نے شکایت کی کہ ہمارا سلام قاضی کو پہنچا کر اس کمینے آدمی کی ایذا رسانی کا حال کہنا اس نے ہاتھ چالاکی، پُرخواری اور ایذا رسانی میں بڑا نام نکالا ہے کوئی قیدی ایک لقمہ بھی نہیں کھا سکتا ہے ہم کھانے کے لیے سو حیلے کرے فوراً ہی وہ بڑ پیٹیا آن موجود ہوتا ہے اور دلیل اس کی یہ ہوتی ہے کہ خدا نے "کُلُوْا" یعنی "کھاؤ" کا حکم دیا ہے۔ کم بخت ہر کھانے پر مکھی کی طرح بھنبھناتا ہوا بن بلائے آ پہنچتا ہے۔ اس کے آگے ساٹھ آدمیوں کا کھانا بھی کوئی چیز نہیں اگر اس سے بس کہو تو بہرا بن جاتا ہے خدا کرے کہ مولانا کا سایہ تا ابد قائم رہے۔ یا تو زنداں سے اس بھینسے کو نکالیے یا بد وقف سے اس کی خوراک مقرر کیجیے۔ سرکار آپ کے انصاف سے سب مرد و زن خوش ہیں ہماری داد کو بھی پہنچیے۔ بامروت وکیل نے قاضی کے پاس حاضر ہو کر سب شکایتیں الگ الگ بیان

کردیں۔ قاضی نے اس کو قیدخانے سے اپنی پیشی میں بلوایا اور اپنے ماتحت عہدہ داروں کے ذریعے سے بھی تحقیقات کی۔ قیدیوں کی شکایت صحیح ثابت ہوئی۔ قاضی نے اس مفلس قیدی سے کہا کہ اس قیدخانے سے دفع ہو اور اپنے ہی گھر میں جاکر مرو۔ اس نے کہا میرا گھر بار تو آپ ہی کا احسان ہے اور کافر کی طرح میری جنت تو آپ ہی کا قیدخانہ ہے۔ اگر تو مجھے مردود قرار دے کر قیدخانے سے بھی نکالتا ہے تو میں بھوک پیاس اور افلاس سے مر ہی جاؤں گا۔ قاضی نے حکم دیا کہ شہر میں اس کو گشت کراؤ اور عام اعلان کرو کہ یہ بالکل مفلس بے غیرت ہے کوئی شخص بھولے سے بھی اس کو قرض نہ دے۔ اگر آئندہ کوئی اس کے خلاف دعویٰ کرے گا تو بعد ثبوت بھی میں اسے قید میں نہ ڈالوں گا۔ اس کا افلاس ثابت ہو چکا ہے اور کسی قسم کا نقد و جنس اس کے پاس نہیں ہے۔ تب قاضی کے سپاہی ایک لکڑہارے کرد کا اونٹ پکڑ لائے۔ اس کرد بیچارے نے بہتیری واویلا مچائی اور سپاہی کی مٹھی بھی ایک اکنی[1] سے گرم کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اونٹ کی پیٹھ پر وہ بڑ پٹیا بیٹھا ہوا تھا اور اونٹ کا مالک پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اس طرح محلے محلے اور کوچہ کوچہ پھراتے رہے۔ یہاں تک کہ سب اہلِ شہر کو علم و شناخت ہو گئی۔ ہر حمام اور ہر بازار کے لوگوں نے اس کی شکل کو پہچان لیا۔ ان منادی کرنے والوں میں ترک، کرد، رومی اور تازی تھے سب بلند آواز سے کہتے جاتے تھے کہ یہ شخص بے سر و سامان، بدذات اور روٹیوں کا چور اور سخت بے حیا ہے۔ یہ بالکل مفلس ہے اس کے پاس کچھ نہیں۔ کوئی اس کو ایک چھدام بھی قرض نہ دے۔ اس کا ظاہر و باطن بالکل خالی ہے یہ بالکل مفلس، کھوٹا، دغاباز اور ڈھول ہی ڈھول ہے۔ اس طرح دن بھر تشہیر کے بعد جب رات کو وہ اونٹ سے نیچے اترا تو کرد نے کہا کہ میرا مقام یہاں سے بہت دور ہے پہنچنے میں بہت دیر

---

[1] دانگ = اکنی

لگے گی۔ تو صبح سے میرے اونٹ پر بیٹھا رہا اور گھاس کھودنے کی محنت سے زیادہ تھکن مجھ پر سوار رہی۔ مفلس نے جواب دیا کہ تو کچھ سمجھا بھی کہ ہم کیوں پھرائے گئے اور آج تمام دن کیا ہوا، تیرے ہوش کدھر ہیں، کیا دماغ میں شئ لطیف نہیں؟ تو صریحاً سن چکا کہ فلک ہفتم تک میرے افلاس کی تشہیر کی گئی مگر معلوم ہوتا ہے کہ مارے حرص کے تو کچھ سن نہ سکا کیوں کہ طمع آدمی کے کانوں کو بہرا کر دیتی ہے۔ ڈھیلوں اور پتھروں تک نے سن لیا کہ یہ مرد بے حمیت مفلس ہے۔ صبح سے رات تک لوگ تشہیر کرتے رہے لیکن اونٹ کا مالک چوں کہ حرص میں مبتلا تھا وہ پھر بھی یہ سمجھتا رہا کہ اس مفلوک الحال سے شاید کچھ کرایہ مل جائے گا۔

ایک شخص کا بربنائے بدنامی ماں کو مار ڈالنا

ایک شخص نے غیرت میں آکر اپنی ماں کو گھونسوں اور خنجروں سے مار ڈالا کسی نے کہا ارے کم بخت تو نے اپنی ماں کو مار ڈالا اور حقِ مادری کو بھول گیا۔ ہائے ہائے، ارے بدنصیب! بھلا کسی نے بھی ماں کو مارا ہے۔ کیوں نہیں کہتا۔ آخر واقعہ کیا تھا اور اس نے کیا کیا تھا اس نے کہا کہ اس نے وہ کیا کہ اس میں اس کی ذلت تھی میں نے اس کو اس لیے مار ڈالا کہ خاک اس کی عیب پوشی کرے گی۔ وہ ایک شخص سے متہم ہوگئی تھی اس لیے میں نے مار ڈالا اور خون میں لتھڑی ہوئی کو قبر کی خاک میں چھپا دیا۔ معترض نے کہا، ایسا غیرت مند تھا تو اس بدکار مرد کو کیوں قتل نہیں کیا؟ جواب دیا کہ پھر تو ہر روز ایک مرد کو قتل کرنا پڑے گا بس اس کو کیا مارا میں روز روز کے خون سے بچ گیا۔ اس کا گلا کاٹنا مخلوق کے گلے کاٹنے سے بہتر ہے۔

اے عزیز تیرا نفس مادرِ بدخاصیت ہے کہ اس کا فساد ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ پس اس کو قتل کر کہ اسی ذلیل کمینے کے لیے تو ہر آن کسی نہ کسی سے لڑائی جھگڑے کا قصد کرتا

ہے اسی کی وجہ سے سر بسر دنیا تجھ پر تنگ ہے اور خدا و خلق سے تیری ناموافقت ہے۔ اگر تو اپنے نفس کو مار ڈالے تو گناہوں اور برائیوں سے بچ جائے گا اور ملکِ خدا میں پھر تیرا کوئی دشمن باقی نہ رہے گا :

ایک بادشاہ کا دو نو خریدہ غلاموں کا امتحان لینا

ایک بادشاہ نے دو غلام سستے خریدے ایک سے بات چیت کر کے اس کو عقل مند اور شیریں زبان پایا اور جو لب ہی شکر ہوں تو سوا خیریت کے ان سے کیا نکلے گا۔ آدمی کی آدمیت اپنی زبان میں مخفی ہے اور یہی زبان دربارِ جان کا سراپردہ ہے جب اس غلام کی فراست کا امتحان لے چکا تو دوسرے کو پاس بلایا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ اس کے کالے کالے دانت ہیں اور گندہ دہن ہے۔ اگرچہ بادشاہ اس کے بشرے کو دیکھ کر ناخوش ہوا تھا لیکن اس کی قابلیت و اوصاف کی ٹٹول کرنے لگا پہلے کو تو اس نے کام میں لگا دیا کہ جا اور نہا دھو کے آ۔ اور اس دوسرے سے کہا کہ تو اپنی زیرکی بتا۔ تو ایک نہیں سو غلاموں کے مساوی ہے۔ تو ویسا نہیں معلوم ہوتا جیسا کہ تیرے ساتھی نے کہا اور ہمارا دل تجھ سے سرد کر دیا اس نے تو تجھے چوٹٹا، بدمعاش، ہیجڑا، نامرد اور جانے کیا کیا کہا۔ غلام نے جواب دیا کہ وہ ہمیشہ سچا پایا گیا ہے اس سے زیادہ سچا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اس کی فطرت میں راست گوئی داخل ہے اس لیے اس نے جو کچھ میرے متعلق کہا ہے اگر ایسا ہی میں اس کے متعلق کہوں تو تہمت ہوگی۔ میں اس بھلے آدمی کی عیب جوئی نہ کروں گا بجائے اس کے بہتر ہے کہ اپنے ہی کو متہم رکھوں۔ اے بادشاہ ممکن ہے کہ وہ مجھ میں جو عیب دیکھتا ہے شاید میں خود اپنے میں نہ دیکھتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا تو بھی اس کے عیب جیسے کہ اس نے تیرے عیب بیان کیے بے کم و کاست بیان کر تا کہ مجھے یقین ہو کہ تو غمخوار اور میری سلطنت و حکمرانی

مددگار رہ سکتا ہے۔ غلام نے کہا کہ اے بادشاہ! اس میں مہر و وفا اور مروّت و صداقت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں جواں مردی و سخاوت ایسی کہ وقت پر جان بھی دے ڈالے۔ چوتھا عیب یہ کہ وہ خود بیں نہیں بلکہ خود ہی اپنا عیب جو ہے۔ عیب کہنا اور عیب تلاش کرنا اگرچہ بُرا ہے لیکن وہ سب کے ساتھ نیک اور اپنے ساتھ بُرا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اپنے ہمراہی کی مدح میں مبالغہ نہ کر اور دوسرے کی مدح کے ضمن میں اپنی مدح پیش نہ کر کیوں کہ اگر میں آزمائش کے لیے اس کو تیرے مقابل کر دوں تو تجھ کو شرم ساری حاصل ہوگی۔

غلام نے کہا، نہیں! واللہ میرے ساتھی اور دوست کے اوصاف میرے کہے سے سو گُنا زیادہ ہیں۔ جو کچھ میں اپنے دوست کے متعلق جانتا ہوں۔ جب تجھے باور نہیں آتا تو میں کیا عرض کروں۔

اس طرح بہت سی باتیں کرکے بادشاہ نے اس بدصورت غلام کو آزما لیا اور جب وہ پہلا غلام حمام سے آیا تو اس کو پاس بلایا، بدصورت غلام کو وہاں سے رخصت کر دیا اور خوب صورت کی شکل و سیرت کی تعریف کرکے کہا کہ معلوم نہیں تیرے ساتھی کو کیا ہو گیا تھا کہ اس نے پیٹھ پیچھے تیری نسبت بہت کچھ باتیں کہیں۔

غلام نے کہا کہ جہاں پناہ! اس بے دین نے میرے حق میں جو کچھ کہا اس کا ذرا سا اشارہ تو دیجیے۔ بادشاہ نے کہا کہ سب سے پہلے تیری دو روئی کا وصف اس نے کیا کہ تو ظاہر میں دوا اور باطن میں درد ہے۔ جب اس نے بادشاہ سے یہ سنا تو ایک دم غصہ دریا کی طرح چڑھ آیا۔ اس کا چہرہ مارے غصے کے تمتمانے لگا اور اس نے اپنے ساتھی کی نسبت جو کچھ منہ میں آیا کہہ ڈالا۔ جب بار بار ہجو کرتا ہی چلا گیا تو شہنشاہ نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا کہ بس اب حد ہو گئی۔ بادشاہ نے کہا کہ لے سن! میں نے تجھ میں اور اس میں پوری پوری پہچان کر لی، تیری جان بدبو ہے اور اس کا دہان بدبو ہے۔ پس اے سڑاندی جان والے تو دور بیٹھ تاکہ

وہ امیر اور تو اس کا ماتحت رہے۔

اسی لیے دُنیا کے بزرگوں نے کہا ہے کہ "زبان کی حفاظت انسان کی راحت ہے۔" حدیث شریف میں آیا ہے کہ ظاہرداری کی تسبیح (جپا) کو کوڑی کے اوپر سبزہ جانو۔ یقین کرو کہ اچھی اور بھاونی صورت بُری خصلتوں کے ساتھ ہرگز قابل قدر نہیں۔ اور چاہے صورت حقیر اور ناپسندیدہ ہو لیکن جب اخلاق اچھے ہوں تو اس کے قدموں میں مرجانا بہتر ہے۔

لہٰذا اے شخص! تو کب تک آب خورے کے ظاہری نقش و نگار پر فریفتہ رہے گا۔ نقش و نگار کو چھوڑ اور پانی کو دیکھ کہ وہ کیسا ہے۔ آخر کہ تو بھی تو کب تک صورت پرستی کرے گا۔ معنی کا طلب گار ہو اور معنی کو ڈھونڈ۔

ایک پیاسے کا دیوار کی اینٹ توڑ کر ندی میں پھینکنا

ایک ندی کے کنارے بلند دیوار تھی اس پر ایک پیاسا بیٹھا تھا اور پیاسا بھی مرض استسقا (تونس) کا بیمار، بُرے حال بُرے احوال، پانی پر مجنوں دیوانہ، نہایت پریشان اور بے اوسان۔ وہ دیوار پانی تک پہنچنے میں حائل تھی اور وہ مارے پیاس کے بے قرار تھا۔ اس نے دیوار کی ایک اینٹ اکھاڑ کر پانی میں جو پھینکی تو پانی کی آواز کان میں آئی وہ آواز بھی اسے ایسی میٹھی اور سریلی لگی جیسے معشوق کی آواز ہوتی ہے۔ اسی ایک آواز نے شراب کی سی مستی پیدا کردی۔ اس مصیبت زدہ کو پانی کی آواز میں اس قدر مزا آیا کہ دیوار سے اینٹیں اکھیڑ اکھیڑ کر پانی میں پھینکنے لگا۔ پانی تو زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ ارے بھلے انسان! بھلا مجھے اینٹیں مارنے سے تجھے کیا فائدہ؟ پیاسا بھی زبان حال سے اس کا جواب دے رہا تھا کہ میرے اس میں دو فائدے ہیں اس لیے میں اس کام سے ہرگز ہاتھ نہ روکوں گا۔ پہلا

فائدہ تو پانی کی آواز کا سننا ہے کہ پیاسوں کے لیے رباب کی آواز سے زیادہ ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جتنی اینٹیں میں اس کی اکھیڑتا جاتا ہوں اتنا ہی صاف شفاف پانی کے قریب ہوتا جاتا ہوں کیوں کہ اس اونچی دیوار پر سے جس قدر اینٹیں اُکھڑتی جائیں گی اسی قدر دیوار نیچی ہوتی چلی جائے گی۔ لہٰذا دیوار کی پستی موجبِ قرب اور اس کے فصل ہی سے وصل کی تدبیر ہوتی ہے۔

سجدہ کیا ہے ؟ اینٹوں کی چنائی کا اُکھیڑنا ہے جو بہ دلیل آیۂ کریمہ واسجد واقترب موجب قربت ہے جب تک اس دیوار کی گردن بلند ہے سر کو جھکانے نہیں دیتی۔ لہٰذا تا وقتیکہ تو اس تنِ خاکی سے نجات نہ حاصل کرے آبِ حیات (یعنی زندگی دوام) کے آگے سجدہ نہیں کر سکتا۔

اے فرزند! اس جوانی کو غنیمت جان، سر جھکا اور (اپنی دیوار کے) ڈھیلوں اور اینٹوں کو اُکھیڑ قبل اس کے کہ بڑھاپے کے دن آجائیں اور تیری گردن بٹی ہوئی رسّی میں بندھ جائے اور بُری عادتوں کی جڑیں ایسی مضبوط ہو جائیں کہ ان کے اکھیڑنے کی طاقت ہی نہ رہے۔

ایک شخص کا سرِ راہ کانٹوں کی جھاڑی کو اُگنے دینا

ایک منہ کے میٹھے دل کے کھوٹے شخص نے بیچ راستے میں کانٹوں کی جھاڑی اُگنے دی۔ جو راہ گیر اُدھر سے نکلتا وہ لعنت ملامت کرتا اور کہتا کہ اس کو اُکھیڑ دے لیکن اس کو نہ اکھیڑنا تھا نہ اکھیڑا۔ اس جھاڑی کی حالت تھی کہ ہر آن بڑھتی جاتی تھی اور خلقت کے پاؤں کانٹے چبھ کر خون خون ہو جاتے تھے۔ جب حاکم وقت تک یہ واقعہ پہنچا اور اس کی ناشائستہ حرکت کا علم ہوا تو تاکید سے حکم دیا کہ جھاڑی کو اکھیڑ دے

اس پر کبھی وہ سُستی سے باز نہ آیا اور جواب دے دیا کہ بہت اچھا کسی فرصت کے دن اُکھیڑ ڈالوں گا۔ اس طرح ہر روز کل پر ٹالتا رہا، یہاں تک کہ اس کی جھاڑی نے خوب مضبوط جڑ پکڑ لی۔ ایک دن اس سے حاکم نے کہا کہ اے وعدہ خلاف! ہمارے حکم کی تعمیل کر، بس اب ایڑیاں مت رگڑ۔ تو روز کل کہتا ہے تو یہ جان لے کہ جس قدر زیادہ مدّت گزرے گی اُسی قدر بُرائی کا درخت زیادہ ترو تازہ ہوگا۔ اور اُکھیڑنے والا بوڑھا اور کم زور ہوتا جائے گا۔ درخت مضبوط اور تو بوڑھا ہوا جاتا ہے لہٰذا جلدی کر اور موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

اے عزیز تیری ہر بُری عادت کانٹوں کی جھاڑی ہے۔ بارہا تو اپنے فعل پر شرمندہ ہو کر توبہ تلّا کر چکا ہے، بارہا اپنی عادتوں سے تنگ آ چکا ہے پھر بھی تیری آنکھیں نہیں کُھلتیں دوسروں کی تکلیف جو تیرے ہی بُرے اوصاف کی وجہ سے ہے اگر اس کی پروا نہیں تو خیر جانے دے کیا تجھے اپنا زخم بھی محسوس نہیں ہوتا؟ ؛

ذوالنّون مصریؒ کا اپنے کو دیوانہ بنانا اور دوستوں کا بیمار پُرسی کو آنا

ذوالنّون مصری پر واقعہ یہ گزرا کہ وہ جذبے میں آ کر مجنون ہو گئے۔ عوام اس جذبے کی تاب نہ لائے اور ان کو قید خانے میں جکڑ بند کر دیا۔ چوں کہ حکومت غنڈوں کے ہاتھ میں تھی اس لیے لامحالہ ذوالنّون کو قید خانہ بھگتنا پڑا۔ قاعدہ ہی یہ ہے کہ جب اقتدار کا قلم غدّار کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو منصور جیسا ولی سولی پر چڑھتا ہے، نادانوں کے ہاتھ بادشاہت و قضارت آتی ہے تو وہ نبیوں کو قتل کرا دیتے ہیں۔

غرض ذوالنّون پاؤں میں بیڑیاں، ہاتھ میں ہتکڑیاں پہنے قید خانے پہنچے معتقد احباب چاروں طرف سے قید خانے میں مزاج پُرسی کے لیے ان کے پاس جمع ہوئے اور ان کے

جنون کے واقعات اور قید خانے کے برتاؤ پر یہ رائے زنی کرنے لگے کہ غالباً یہ قصداً دیوانے بنے ہیں یا ممکن ہو کہ اس میں بھی کوئی حکمت ہو کیوں کہ وہ طریقِ عشق میں سب عاشقوں کے قبلہ اور خدا کی نشانی ہیں۔ مگر ایسی عقل سے خدا کی پناہ جو اُن کے عشق و عرفان کو دیوانگی سمجھتی ہو۔ اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے حضرت کے قریب پہنچے تو آپ نے وہیں سے آواز دی کہ کون لوگ ہو، خبردار آگے نہ بڑھنا۔ ان لوگوں نے ادب سے عرض کیا کہ ہم سب آپ کے معتقد ہیں اور آپ کی مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ اے صاحبِ کمال عقل کے دریا! آپ کا کیا حال ہے اور آپ کی عقل پر یہ جنون کا بہتان کیسے لگ گیا۔ ہم سے پوشیدہ نہ رکھیے اور اس واقعے کو کھول کر بیان فرمایئے۔ ہم سب آپ کے بہی خواہ ہیں۔ اپنے راز کو دوستوں سے پوشیدہ نہ رکھیے بلکہ صاف صاف بیان کیجیے۔ اور اپنی جان کا قصد نہ کیجیے۔ جب ذوالنّون نے یہ باتیں سنیں تو سب کو آزمانے کے چھٹکارا نہ دیکھا۔ فحش اور کچّی پکّی گالیاں دینی شروع کیں اور دیوانوں کی طرح لام کاف بکنے لگے۔ فوراً لپک کر پتّھر لکڑی جو ہاتھ لگی پھینک پھینک کر مارنے لگے۔ یہ حال دیکھ کر سب لوگ چوٹ کے ڈر سے بھاگ نکلے۔ ذوالنّون نے ایک قہقہہ لگا کر سر ہلایا اور ایک درویش سے کہا ذرا دیکھنا ان معتقدوں کو۔ یہ دوست کہاں کے، دوستوں کو اپنے دوست کی تکلیف جان کے برابر عزیز ہوتی ہے اور دوست سے جو تکلیف پہنچے وہ گراں نہیں ہوتی بلکہ تکلیف مغز اور دوستی اس کا پوست ہے۔

آزمایش و مصیبت اور بلا پر خوش ہونا دوستی کی علامت ہے۔ دوست کی مثال سونے کی سی ہے اور آزمایش آگ کے مثل ہے۔ خالص سونا آگ ہی میں خوش رنگ اور بے داغ رہتا ہے ؎

خواجہ لقمان کی آزمائش

حضرت لقمان اگرچہ غلام اور غلام زادے تھے لیکن با خدا اور حرص و ہوا سے پاک تھے۔ ان کا آقا بھی ظاہر میں تو مالک تھا لیکن در اصل ان کے مرتبے سے واقف اور دل سے ان کا غلام ہو گیا تھا۔ وہ ان کو کبھی کا آزاد کر دیتا لیکن لقمان اپنا بھید چھپائے رکھنا چاہتے تھے اور آقا اُن کے خلاف مرضی کوئی کام نہ کرنا چاہتا تھا۔ اسے تو حضرت لقمان سے یہاں تک محبّت و عقیدت ہو گئی تھی کہ جو کھانا ملازمین اس کے واسطے حاضر کرتے تو وہ ساتھ ہی لقمان کے پاس آدمی روانہ کرتا تاکہ پہلے وہ کھا لیں اور ان کا اُلش وہ کھائے۔ وہ لقمان کا جھوٹا کھاتا اور خوش ہوتا تھا اور جو کھانا وہ نہ کھاتے اسے پھینک دیتا تھا، اور اگر کھاتا بھی تو بالکل بے دل اور بے بھوک کھاتا۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ ایک دفعہ کا اتفاق ہے کہ خربوزہ تحفے میں آیا اور لقمان اس وقت حاضر نہ تھے۔ مالک نے ایک غلام سے کہا جلدی جاؤ اور میرے فرزند حضرت لقمان کو تو بلا لاؤ۔ جب لقمان آئے اور سامنے بیٹھے تو مالک نے چھری لی اور خود خربوزہ کاٹا اور ایک قاش لقمان کو دی۔ انھوں نے ایسے شوق و رغبت سے کھائی کہ مالک نے دوسری قاش دی یہاں تک کہ سترھویں قاش تک وہ اسی طرح ذوق شوق سے کھاتے رہے جب صرف ایک قاش باقی رہی تو مالک نے کہا کہ اس کو میں کھاؤں گا تاکہ معلوم ہو کہ یہ کتنا میٹھا خربوزہ ہے۔ اس نے تو ایسا مزے لے کر کھایا ہے کہ دوسروں کے منہ میں پانی بھر آیا اور کھانے کو جی چاہا۔ جب مالک نے کھایا تو خربوزے کی کڑواہٹ نے حلق میں مرچیں سی لگا دیں اور زبان میں آبلے پڑ گئے۔ گھنٹہ بھر تک اس کی کڑواہٹ سے بدمزا رہا۔ پھر حیرت سے پوچھا کہ اے عزیز تو نے اس زہر کو کیوں نوش کیا اور اس قہر کو مہر کیوں سمجھ لیا۔ یہ بھی کوئی صبر ہے اور یہ صبوری کس سبب سے ہے۔ شاید تو

اپنی جان کا دشمن ہے تو نے کھانے سے بچنے کا حیلہ کیوں نہیں کیا۔ یہی کہہ دیا ہوتا مجھے اس کے کھانے میں عذر ہے، ذرا توقف کیجیے۔ حضرت لقمان نے کہا کہ میں نے تمہارے نعمت بخشنے والے ہاتھ سے اس قدر کھایا ہے کہ مارے شرم کے دُہرا ہوا جاتا ہوں۔ اس لیے اے صاحبِ معرفت! مجھے شرم آئی کہ ایک تلخ چیز تمہارے ہاتھ سے نہ کھاؤں۔ میرے تمام اعضا و جوارح تمہاری ہی عطا سے پلے ہیں اور تمہارے ہی دانہ و دام میں اسیر ہیں۔ اگر میں صرف ایک کڑوے پن پر واویلا مچانے لگوں تو خدا کرے سو راستوں کی خاک میرے اعضا و جوارح پر پڑے۔ تمہارے شکر بخشنے والے ہاتھ نے اس خربوزے میں کڑواہٹ کہاں چھوڑی تھی کہ میں اس کی شکایت کرتا ؎

چرواہے کی مُناجات پر مُوسیٰؑ کا انکار

ایک دن حضرت موسیٰؑ نے رستہ چلتے ایک چرواہے کو سُنا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ اے پیارے خدا! تو کہاں ہے، آ میں تیری خدمت کروں، تیرے موزے سیئوں اور سر میں کنگھی کروں، تو کہاں ہے کہ میں تیری ٹہل خدمت بجا لاؤں، تیرے کپڑے سیئوں، پیوند پارہ کروں، تیرا جڑاول[1] دھوؤں، جُوئیں چُنوں اور اے پیارے تیرے آگے دودھ رکھوں۔ اگر تو بیمار ہو تو میں رشتہ داروں سے بڑھ کر تیمارداری کروں، تیرے ہاتھ چوموں، پیروں کی مالش کروں اور جب سونے کا وقت آئے تو تیری خوابگاہ کو جھاڑ کر صاف کروں اگر تیرا گھر دیکھ لوں تو بلا ناغہ صبح و شام گھی اور دودھ تجھے پہنچاؤں، اور پنیر، روغنی

---

[1] جڑاول۔ جاڑوں میں پہننے کا لباس

روٹیاں اور پینے کو مزے دار دہی چھاچھ یہ سب چیزیں صبح و شام تیار کر کے لاتا ہوں۔ غرض میرا کام لانا ہو اور تیرا کام کھانا۔ میرے سارے بکرے تجھ پر فدا ہوں۔ تیری یاد میں میری بے قراری حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔

وہ چرواہا اس طرح بے سرو پا باتیں کر رہا تھا، موسیٰؑ نے پوچھا اے شخص تو یہ باتیں کس سے کہہ رہا ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ اس سے جس نے ہم کو پیدا کیا اور یہ زمین و آسمان بنائے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا، ارے کم بخت! تو بجائے مسلمان ہونے کے کافر ہو گیا۔ یہ کیا بیہودگی، یہ کیا کافرانہ بکواس اور کیا فضول باتیں ہیں، اپنے منہ میں روئی ٹھونس، تیرے کفر کی بدبو سارے جہان میں پھیل گئی، تیرے کفر نے دین کے کمخواب میں پیوند لگا دیے۔ موزے اور پاتابے تجھے سزاوار ہیں بھلا آفتاب کو ایسی چیزیں کیا ضرور۔ اگر تو ایسی باتوں سے زبان کو بند نہ کرے گا تو آتش (غیرت) ساری مخلوق کو جلا ڈالے گی۔ اگر تو خدا کو عادل و قادر جانتا ہے تو یہ بیہودہ بکواس تو نے کیوں اختیار کی۔ حق تعالیٰ ایسی خدمت گزاری سے بے پروا ہے۔ ارے احمق! ایسی باتیں تو کس سے کہہ رہا ہے؟ کیا چچا، ماموں سے کہہ رہا ہے۔ بھلا جسم و حاجت اس پاک بے ہمتا کی صفات میں کہاں۔ دودھ تو وہ پیے جس کا جسم اور عمر بڑھے گھٹے اور موزے وہ پہنے جو پانو کا محتاج ہو۔

چرواہے نے کہا کہ اے موسیٰؑ! تو نے میرا منہ بند کر دیا اور مارے پشیمانی کے میری جان جلا ڈالی، یہ کہہ کر کپڑے پھاڑ ڈالے۔ ایک آہ سرد کھینچی اور جنگل میں گھس کر غائب ہو گیا۔ ادھر موسیٰ کو خدائے پاک سے وحی ہوئی کہ اے موسیٰؑ! تو نے ہمارے بندے کو ہم سے کیوں جدا کر دیا۔ تو دنیا میں مخلوق کو ملانے آیا ہے یا جدا کرنے آیا ہے؟ خبردار! جہاں تک ممکن ہو فراق میں قدم مت رکھ۔ ہم نے ہر شخص کی باطنی فطرت جدا بنائی ہے اور ہر شخص کو جدا بولی دی ہے۔ جو بات اس کے لیے اچھی ہے وہ تیرے لیے بری ہے، وہی بات اس کے حق میں شہد کا اثر رکھتی ہے اور تیرے حق میں زہر کا۔ اس کے حق میں نور اور تیرے حق

میں نا(پاک) اس کے حق میں گلاب کا پھول اور تیرے حق میں کانٹا ہو۔ ہم پاکی و ناپاکی اور سختی و یکسا جانی سب سے الگ ہیں میں نے یہ مخلوق اس لیے نہیں بنائی کہ کوئی فائدہ کماؤں بلکہ میرا مقصد تو صرف اس قدر ہے کہ ان پر اپنے کمالات کا فیضان کروں ہندیوں کو ہند کی بولی اچھی اور سندیوں کو سند کی بولی پسند ہے۔ ان کی تسبیح سے میں کچھ پاک نہیں ہو جاتا بلکہ جو موتی ان کے منہ سے جھڑتے ہیں ان سے وہ خود ہی پاک ہوتے ہیں ہم کسی کے قول اور ظاہر کو نہیں دیکھتے۔ ہم تو آدمی کے باطن اور حال کو دیکھتے ہیں۔ اے موسیٰؑ داناؤں کے آداب اور ہیں۔ دل جلوں جان ہاروں کے آداب دوسرے ہیں۔

جب موسیٰؑ نے حق سے یہ عتاب سنا تو بے تاب ہو کر جنگل میں اس چرواہے کو ڈھونڈنے نکلے۔ اس کا نقش قدم پہچانتے ہوئے اس قدر مارے مارے پھرے کہ سارے بیابان کی خاک چھان ڈالی۔ تماشا ہے کہ دیوانوں کا نقش پا دوسروں کے پاؤں کے نشان سے الگ ہوتا ہے۔ آخر کار آپ نے اسے تلاش کر لیا اور فرمایا کہ مبارک ہو تجھے اجازت مل گئی۔ تجھے کسی ادب آداب اور قاعدے کی ضرورت نہیں تیرے جی میں جو آئے وہ تو کہہ تیرا کفر دین ہے اور تیرا دین نور جاں ہے۔ لہذا تجھے سب کچھ معاف ہے بلکہ تیرے دم سے ساری دنیا حفاظت میں ہے۔ اے شخص خدا کی مرضی سے تجھے معافی مل چکی لہذا تو بے تکلف جو زبان پر آئے وہ کہہ دے۔ چرواہے نے کہا، اے موسیٰؑ! اب میں اس قسم کی باتوں سے درگزرا، اب تو میں اپنے خون دل میں لتھڑا ہوا ہوں۔ اب تو میں سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے بڑھ چکا بلکہ اس کے بھی آگے لاکھوں برس کا راستہ طے کر چکا۔ تو نے جو میرے گھوڑے کو کوڑا لگایا تو وہ فوراً پلٹا اور ایک ہی جست میں سب آسمانوں کو طے کر گیا۔ اب میرا حال بیان سے باہر ہے اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ بھی میرا احوال نہیں ہے۔

اے شخص تو جو خدا کی تعریف اور حمد و سپاس کرتا ہے تیرا حال بھی کچھ اس چرواہے سے بہتر نہیں ہے۔ تو سراسر ناقص اور جسمانی زندگی سے آلودہ ہے اور تیرا حال و قال بھی سب ناقص

وگندہ ہے۔ یہ محض اس رحیم وکریم کی مہربانی ہے کہ وہ تیرے ناقص تحفے کو قبول فرمالے ۔

ایک سونے والے کو جس کے حلق میں سانپ گھس گیا تھا ایک ترک کا مکّے مارنا

ایک ترک گھوڑے پر سوار چلا آرہا تھا، دیکھا ایک سوتے ہوئے شخص کے حلق میں سانپ گھس گیا۔ سوار نے دور سے دیکھ کر بہتیرا گھوڑا دوڑایا کہ سونے والے کو بچائے۔ مگر موقع نہ ملا۔ کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی تو اس نے چند گھونسے سونے والے کو مارے۔ سونے والا گہری نیند سے ایک دم اچھل پڑا، دیکھا کہ ایک ترک سوار گھونسے پر گھونسا لگا رہا ہے۔ وہ ترک تابڑتوڑ گھونسے مارتا رہا یہاں تک کہ سونے والا تاب نہ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے ترک ایک درخت کے تلے پہنچے وہاں جھڑے پڑے سیب بہت پڑے تھے۔ ترک نے کہا کہ اے شخص ان سیبوں میں سے جتنے کھائے جائیں تو کھا اور خبردار ہرگز کمی نہ کر۔ ترک نے اس کو اس قدر سیب کھلائے کہ سب کھایا پیا الٹ الٹ کر منہ سے نکلنے لگا۔ اس نے ترک سے چلا کر کہا کہ اے امیر! آخر میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا تو میری جان کا لاگو ہوگیا۔ اگر تو میری جان ہی کا خواہاں ہے تو تلوار کے ایک ہی وار میں ختم کر دے۔ وہ بھی کیا بری گھڑی تھی جب کہ میں تجھے دکھائی دیا۔ وہ اسی طرح واویلا مچاتا اور برا بھلا کہتا رہا۔ ترک نے پھر مکّے لگانے شروع کیے۔ اس کا سارا بدن دکھنے لگا اور تھک کر چور ہوگیا۔ لیکن وہ ترک، شام ہوتے ہوتے تک اسی طرح پکڑ دھکڑ اور مار پیٹ کرتا رہا یہاں تک کہ صفرا کے غلبے سے اس کو ڈکار لگ گئی اور سارا کھایا پیا نکلنے لگا اور سانپ بھی اسی قے کے ساتھ باہر نکل آیا۔ جب اس نے اپنے پیٹ سے سانپ کو باہر نکلتے دیکھا تو مارے خوف کے تھرتھر کانپنے لگا اور سارے جسم کا درد جو گھونسے کھانے سے پیدا ہوگیا تھا یک لخت جاتا رہا۔ ترک کے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا تو تو رحمت کا فرشتہ یا میرا ولی نعمت خداوند

ہے۔ میں تو مر چکا تھا تو نے مجھے زندگی تازہ بخشی۔ اے خداوند! شہنشاہ اور امیر اگر تو اصل حال ذرا بھی مجھے بتا دیتا تو میں تیرے ساتھ ایسی بکواس کیوں کرتا۔ مگر تو نے تو اپنی چپ سے مجھے برہم کر دیا کہ وجہ بتلائے بغیر میرے سر پر گھونسے مارنے لگا۔ اے نیکوکار! مجھے معاف کر جو کچھ بے اوسانی میں میرے منہ سے نکل گیا اسے بخش دے۔ ترک نے کہا کہ اگر میں اس کا اشارہ بھی دیتا تو اسی وقت تیرا پتّا پانی ہو جاتا اور مارے خوف کے تیری جان ہی آدھی رہ جاتی۔ اس وقت نہ تو تجھے اس قدر سیب کھانے کی قوّت رہتی اور نہ قے کرنے کی نوبت آتی۔ اسی لیے میں تیری فحش کلامی سنتا اور صبر کرتا رہا۔ سبب بتانا مناسب نہ تھا اور تجھے چھوڑنا مجھ سے ممکن نہ ہوا۔

اے عزیز! عاقلوں کی دشمنی بھی ایسی ہوتی ہے کہ ان کا دیا ہوا زہر جان کو نشوونما دیتا ہے۔ اس کے برعکس بے وقوفوں کی دوستی میں صدمہ اور گمراہی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر یہ حکایت سنو :

بے وقوف کا بھروسا ریچھ کی دوستی پر

ایک اژدہا ریچھ کو کھینچ رہا تھا، ایک دلاور پہلوان اُدھر سے گزرا اور ریچھ کی مدد پر آمادہ ہوا۔ اژدہے کی سخت گرفت سے ریچھ چلّایا تو دلاور پہلوان نے اس کو اژدہے کے قبضے سے چھڑا دیا اور وہ داؤں پیچ بھی جانتا تھا اور قوّت بھی رکھتا تھا۔ اس نے اژدہے کو مار ڈالا۔ اژدہے کو اس نے ایسے داؤں سے بے بس کیا کہ ریچھ جسمانی ہلاکت سے بچ گیا۔ اژدہے میں قوّت تو بہت ہوتی ہے مگر داؤ پیچ وہ نہیں جانتا۔ غرض ریچھ کو اژدہے سے چھٹکارا ملا اور اس جوان مرد پہلوان کی ہمتِ مردانہ کا شکر گزار ہوا تو سگِ اصحابِ کہف کی طرح اس کے ساتھ ہو گیا۔ وہ شخص تھکا ہوا تھا۔ ایک جگہ آرام

لینے کے لیے لیٹ گیا اور ریچھ از راہِ محبت پاسبانی کرنے لگا۔ ایک راہ گیر نے جو یہ حال دیکھا تو پوچھا کہ اے بھائی خیر تو ہے ، یہ ریچھ تیرا کون ہے ؟ اس نے سارا قصہ اور اژدہے کا واقعہ سُنا دیا۔ راہ گیر نے کہا ، ارے سادہ دل ! ریچھ پر اعتبار مت کر ۔ نادان کی دوستی دشمنی سے بدتر ہے ، جس چال سے بھی ممکن ہو اسے مار بھگا ۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم تو از راہِ حسد کہتا ہے ورنہ بجائے اس کے ریچھ پن کے اس کی محبّت کو دیکھتا۔ اس نے کہا کہ نادانوں کی محبت بہت چکنی چپڑی ہوتی ہے لیکن میرا یہ حسد اس کی محبّت سے بہتر ہے۔ ارے بھلے مانس ! میں ریچھ سے تو کم نہیں ہوں ۔ اس کو ترک کر دے تاکہ میں تیرا رفیق رہوں ۔ میرا دل بُری فال کے خیال سے لرزنے لگتا ہے ، اس ریچھ کے ساتھ کسی گھنے جنگل میں نہ جائیو۔ میرا دل جو کانپتا ہے سو یہ وہم نہیں ہے بلکہ یہ خدا کا نور ہے ، جھوٹا دعویٰ اور خواہ مخواہ کی ترنگ نہیں ہے۔ میں مومن ہوں اور مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔ دیکھ خبردار اس آتش کدے سے دُور بھاگ ۔ اس نے بہتیرا کہا مگر اس بے وقوف نے ایک نہ سُنی ۔ بدگمانی آدمی کے آگے بڑی پکی دیوار ہو جاتی ہے ۔ ناصح نے کہا کہ جب تو دوستی کی بات نہیں مانتا تو لے الوداع ۔ اس نے جواب دیا کہ چل اپنا راستہ لے ۔ تو میرا ایسا غم خوار کہاں کا آیا ۔ چلتے چلتے اس نے پھر کہا کہ دیکھ میں تیرا دشمن نہیں ہوں ۔ تیرے لیے بھلائی اسی میں ہے کہ تو میرے ساتھ ہو لے ۔ اس نے کہا کہ مجھے اب نیند آرہی ہے تو میرا پیچھا چھوڑ اور اپنا راستہ لے ۔

وہ بدگمان نادان اور نااہل تھا۔ اس نے اپنے کتّے پن کی وجہ سے عقل مند ناصح پر حسد کی تہمت لگائی اور ریچھ کو محبّت اور وفا کا پُتلا سمجھا ۔ آخر کار اس مسلمان نے نادان سے کترائی لی اور منہ ہی منہ میں لاحول پڑھتا ہوا اپنا راستہ لیا اور اپنے جی میں کہا کہ جب نصیحت ، اصرار ، زبردستی سے اس کی بدگمانی اور بڑھتی ہے تو پند و نصیحت کی راہ بند ہو گئی اور ایسے لوگوں سے منہ پھیر لینا واجب ہو گیا ۔

ادھر جب وہ شخص سو گیا اور ریچھ مکھیاں جھلتا رہا۔ مکھیاں بار بار آنے لگیں اور یہ بار بار اڑاتا رہا۔ اس طرح اس نے کئی بار اس جوان کے منہ پر سے مکھیاں اڑائیں مگر مکھیاں بار بار پلٹ کر وہیں جمع ہو جاتی تھیں۔ آخر کار بیزار ہو کر ایک طرف دوڑا ہوا گیا اور پہاڑ سے ایک بڑا پتھر اٹھا لایا۔ اس نے دیکھا کہ مکھیوں کے گچھے کے گچھے اس نیند کے متوالے کے منہ پر چمٹے ہوئے ہیں۔ بس اس نے پتھر اُٹھایا اور اس ارادے سے کہ یہ مکھیاں نہ اُڑیں نہ منہ پر بیٹھیں سونے والے کے منہ پر مارا۔ پتھر نے سونے والے منہ چننا کی طرح پاش پاش کر دیا اور تمام دنیا کے لیے یہ ضرب المثل بنا دی کہ نادان کی محبت اس ریچھ کی محبت کے برابر ہے۔ لہٰذا اس کا کینہ عین مہر اور مہر عین کینہ ہے۔

دیوانے کا جالینوس کی طرف توجہ کرنا

جالینوس نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ مجھ کو فلاں دوا نکال دو۔ ایک شاگرد نے اس سے پوچھا کہ حضرت! یہ دوا تو جنون میں دی جاتی ہے۔ آپ کی جان سے دور، بھلا یہ دوا آپ کھائیں گے؟ کہا کہ ہاں! میری طرف ایک دیوانہ متوجہ ہوا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک تو مجھے گھورتا رہا۔ پھر مجھے آنکھ ماری اور اس کے بعد میری آستین پھاڑ ڈالی۔ اگر مجھ میں کوئی ہم جنسی کی بات نہ پاتا تو وہ میری طرف رخ ہی کیوں کرتا۔ جب دو شخص آپس میں ملیں تو یقین کرنا چاہیے کہ ان میں کوئی مشترک نسبت موجود ہے۔ کوئی پرند بغیر اپنے ہم جنس غول کے کب اڑتا ہے۔ اس کی تمثیل میں ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے ایک بیابان میں کوّے اور کلنگ کو بڑے چاؤ سے پاس پاس بیٹھے دیکھا۔ میں یہ حال دیکھ کر اس فکر میں ڈوب گیا کہ ان میں مشترک تعلق کیا ہوگا۔ اسی حیرت میں جب میں ان کے نزدیک پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ دونوں لنگڑے تھے۔

ایک صحابی کا بیمار ہونا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عیادت کو جانا

صحابہ میں سے ایک صاحب بیمار اور سوکھ کر کانٹا ہو گئے۔ چوں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصلت سراپا لطف و کرم تھی اس لیے آپ بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ صاحب آنحضرتؐ کے دیدار سے زندہ ہو گئے جیسے خدا نے اسی وقت پیدا کیا۔ کہنے لگے اس بیماری نے میرا اقبال اس قدر بلند کیا کہ صبح سویرے یہ بادشاہ میرے گھر آیا۔ واہ یہ بیماری تکلیف اور بخار کیسا بھاگوان اور یہ درد اور رات کی جاگ کیسی مبارک ہے۔ حضرت پیغمبرؐ نے اس بیمار سے کہا کہ شاید تو نے کوئی نامناسب دعا کی ہے۔ تو نے ناداستگی میں زہر کھا لیا ہے۔ یاد کر تو نے کیا دعا کی اور نفس کے کس مکر میں مبتلا ہو گیا۔ بیمار نے کہا کہ مجھے یاد نہیں مگر چاہتا ہوں کہ آپ کی ہمت میری مدد کرے کہ وہ دعا یاد آ جائے۔ آخر جناب مصطفیٰؐ کے نور بخش دیدار کی برکت سے وہ دعا اس کے ذہن کے سامنے آگئی۔ وہ روشنی جو حق کو باطل سے جدا کرنے والی ہے اس روزن سے چمکی جو ایک دل سے دوسرے دل تک چلا گیا ہے۔ اس نے کہا کہ لیجیے وہ دعا مجھے یاد آگئی جو میں بے خیالی میں کہہ گیا تھا۔ میں گناہوں میں گرفتار و غرق ہو کر ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ آپ ہمیشہ مجرموں کو سخت عذابوں سے منع کرتے اور برے اعمال کا خوف دلاتے تھے اس سے میں بے تاب ہو جاتا تھا۔ نہ مجھے اپنی حالت پر صبر آتا تھا نہ بچنے کی کوئی سبیل تھی، نہ توبہ کی امید تھی نہ لڑنے کا موقع اور نہ خدائے تعالیٰ کے بغیر میرا کوئی مددگار۔ میرے دل کے وسوسے اس قدر دشوار ہو چکے تھے۔ میں یہی کہتا تھا کہ خدا یا میرے اعمال کا جو عذاب ہو گا وہ اسی عالم میں جلد مجھ پر جاری فرما تا کہ آخرت میں بے فکر رہوں۔ میں اسی دعا پر اڑ کر بیٹھ جاتا تھا رفتہ رفتہ ایسی بیماری بڑھی کہ میری جان گھل گھل کر بے آرام ہونے لگی۔ اب تو میرا ذکر و وظیفہ بھی جاتا رہا اور خیر سے کھلے، اپنے بیگانے سب سے غافل ہو گیا۔ اگر میں اب آپ کا مبارک

چہرہ نہ دیکھتا تو میں دفعتًا ہاتھ سے جاتا رہتا۔ آپ نے بڑی شاہانہ غمخواری فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خبردار ایسی دعا پھر کبھی نہ کرنا۔ اپنے آپ کو جڑ بیڑ سے نہ اکھیڑنا۔ ای بیمار چیونٹی! تجھ میں یہ بل بوتہ کہاں کہ خدا تعالیٰ تجھ پر اتنا بڑا پہاڑ رکھے۔ صحابی نے کہا، توبہ توبہ! ای سلطان اب میں نے عہد کر لیا کہ آیندہ کبھی بے سوچے سمجھے کوئی بڑ نہ ہانکوں گا۔ ای رہ نماؤں کے رہ نما اس بیابان میں آپ ہی ہمیں راہ دکھائیے اور اپنی رحمت سے مجھے نصیحت فرمائیے۔ حضرت پیغمبرؐ نے اس بیمار کو تعلیم دی کہ تو خدا سے یہ دعا کر کہ وہ تیری مشکلوں کو آسان کرے۔ ای خدا تو دُنیا اور دین دونوں جگہ ہمیں راحت و خیر عنایت فرما۔ ہماری منزل تو تُو ہی ہی۔ راستہ کو بھی مثل باغ و بُستان کے ہم پر خوش گوار کر دے۔

موسیٰؑ کو حق تعالیٰ سے حکم ہونا کہ ہماری بیمار پرسی کو کیوں نہیں آیا

خدا کی طرف سے موسیٰؑ پر یہ عتاب ہوا کہ ای شخص کہ تو نے اپنی جیب و گریباں سے سورج کو نکلتے دیکھا ہی۔ ہم نے تجھ کو خدائی نور کا مشرق بنایا ہی باوجود اس کے کہ میں بیمار ہوا تو تو پرسش تک کو نہ آیا۔ موسیٰؑ نے عرض کی ای پاک بے نیاز تو تو ہر نقصان و زوال سے بری ہی۔ تیرے اس شکوے میں کیا نکتہ ہی، ظاہر فرما۔ پھر حکم ہوا کہ میں بیمار ہوں تو نے از راہ محبت مجھے پوچھا تک نہیں۔ موسیٰؑ نے کہا ای رب! تجھ میں تو کوئی گھٹاؤ نہیں، تیرے سوال سے میری عقل گم ہوئی جاتی ہی۔ میری اس گتھی کو سلجھا۔ حکم ہوا کہ میرا ایک خاص مقبول بندہ بیمار ہو گیا ہی۔ اس بات کو غور سے دیکھو۔ اس کی بیماری میری بیماری اور اس کی معذوری میری معذوری ہی۔

جو شخص خدا کی ہم نشینی چاہے اس کو چاہیے کہ اولیا کی صحبت میں بیٹھے۔ اگر اولیا کی خدمت سے تو جُدا ہوگا تو جان لے کہ ہلاک ہوا کیوں کہ تو جزو ہی کُل نہیں ہی۔ شیطان جب

کسی کو اہلِ کرم سے دُور کر دیتا ہے تو اس کو بے یار و مددگار کر کے سر پھوڑ کر کھا جاتا ہے۔ زرا سی دیر کو بھی اپنی جماعت سے جدا ہونا بُرا ہے اور خوب جان لو کہ وہ شیطان کا مکر ہے۔

ایک باغبان کا صوفی و فقیہ و علوی کو ایک دوسرے سے جُدا کرنا

ایک باغبان نے دیکھا کہ اس کے باغ میں تین آدمی چوروں کی طرح گُھس آئے ہیں۔ ان میں سے ایک فقیہ ایک سید اور ایک صوفی ہے اور ایک سے بڑھ کر ایک سرکش و گستاخ ہے۔ اس نے اپنے جی میں کہا، مجھے ان کو قرار واقعی سزا دینا لازم ہے۔ لیکن یہ سب ایک دل ہیں اور جماعت بڑی قوت ہے۔ میں اکیلا ان تین آدمیوں سے سر بر نہیں ہو سکتا۔ لہذا تدبیر یہی ہے کہ پہلے ان کو ایک دوسرے سے جدا کر دوں۔

یہ سوچ کر پہلے اس نے صوفی سے کہا کہ حضرت ذرا میرے گھر جاؤ اور ان اپنے ساتھیوں کے لیے ایک کمبل لے آؤ۔

جب صوفی کچھ دور چلا گیا تو اس کے ساتھیوں سے کہنے لگا، کیوں صاحب آپ تو فقیہ اور یہ دوسرے نامدار سیّد ہیں۔ ہم تمھارے فتوے پر روٹی کھاتے ہیں اور تمھاری ہی عقل کے پروں پر اڑتے ہیں اور یہ دوسرے شہزادے اور ہمارے بادشاہ ہیں کیوں کہ سیّد اور خاندان حضرت مصطفٰےؐ سے ہیں لیکن اس ٹرپیٹے صوفی میں کون سا سرخاب کا پر ہے جو وہ تم جیسے بادشاہوں کے ساتھ رہے۔ اگر وہ واپس آئے تو اس کو رُوئی کی طرح دُھنک ڈالو اور تم لوگ ایک ہفتے تک میرے باغ و سبزہ زار میں قیام کرو اجی باغ صدقے کیا تھا، میری جان تمھاری ہے بلکہ تم تو میری دائیں آنکھ ہو۔ ایسی چکنی چپڑی باتوں سے ان کو رجھایا اور خود ڈنڈا لے کر صوفی کے پیچھے چلا اور اسے پکڑ کر کہا، کیوں رے کُتّے صوفی تو بے غیرتی سے لوگوں کے باغ میں دندنانہ گُھس آتا ہے۔ یہ طریقہ کیا تجھ کو جنید رح

نے بتایا یا بایزیدؒ نے۔ بتا تو سہی کس شیخ اور کس پیر سے ایسی اجازت پہنچی۔ یہ کہہ کر صوفی کو خوب دھنکا، اس کو ادھ موا کر دیا اور سر پھاڑ ڈالا۔ صوفی نے جی میں کہا کہ جو کچھ مجھ پہ آنی تھی وہ تو آگئی مگر ہم نشینو! ذرا اپنی خبر لو۔ تم نے مجھے غیر جانا حالاں کہ میں اس بے حمیت مرد سے زیادہ غیر نہ تھا۔ جو کچھ میں نے کھایا تمھیں بھی یہی کھانا ہے اور بات بھی یہ ہے کہ بدمعاش کو ایسی ہی سزا ملنی چاہیے۔ جب باغبان نے صوفی کو ٹھیک بنا دیا تو ویسا ہی ایک بہانہ اور تراشا اور کہا کہ اے میرے شریف سیّد صاحب! آپ میرے غریب خانے پر تشریف لے جائیں کہ میں نے آپ کے دوپہر کے کھانے کے لیے پوڑیاں تیار کرائی ہیں۔ میرے دروازے پر جا کر لونڈی کو آواز دیجیے وہ آپ کو پوڑیاں اور بھنی ہوئی قاز لا دے گی۔ جب اس کو رخصت کر دیا تو فقیہ سے کہنے لگا کہ اے دین دار! یہ تو ظاہر ہے اور مجھے بھی یقین ہے کہ تو فقیہ ہے مگر یہ آپ کا ساتھی سیادت کا دعوے بے دلیل کرتا ہے، کون جانتا ہے کہ اس کی ماں نے کیا کیا۔ غرض اس سیّد کو خوب صلواتیں سنائیں۔ فقیہ چپ بیٹھا سنتا رہا۔ وہ بدذات اس سیّد کے پیچھے پیچھے چلا اور راستے میں روک کر کہا۔ اے گدھے! اس باغ میں تجھے کس نے بلایا تھا۔ کیا یہ چوری کی میراث تجھ کو پیغمبر سے پہنچی ہے۔ شیر کا بچہ تو شیر ہی ہوا کرتا ہے، اب تو بتا کہ پیغمبرؐ کے مقابلے میں تو کیا ہے۔ پھر اس لفنگے نے بدذاتی سے سیّد کے ساتھ وہ کیا جو خارجی اولادِ رسول کے ساتھ کریں۔ جب وہ سید اس ظالم کی مار دھاڑ سے نڈھال ہو گیا تو آنکھوں میں آنسو بھر کر اس نے فقیہ سے کہا کہ میاں ٹھیرو! تم اب اکیلے رہ گئے ہو، اس تمھاری توند پر وہ دھنواں دھڑ ہو گی کہ نقارہ بن جائے گی۔ اگر میں سیّد نہیں اور تیری رفاقت و ہمدمی کے لائق نہیں ہوں تو ایسے ظالم سے تو میں بدتر نہیں ہوں۔

ادھر جب وہ باغبان اس سے بھی فارغ ہو گیا تو فقیہ کی جانب مخاطب ہوا اور کہا کہ اے فقیہ! تو سارے بدذاتوں کا سرغنہ ہے۔ اسے خدا تجھے لُنجا ٹُنڈا کرے ما کیا تیرا

یہی فتویٰ ہے کہ کسی کے باغ میں بے دھڑک گھس آئے اور آنے کی اجازت بھی طلب نہ کرے۔ ارے بدتمیز ایسا فتویٰ تجھ کو ابوحنیفہؒ نے دیا یا شافعیؒ نے۔ کیا تو نے ایسی اجازت وسیط (کتاب فقہ) میں پڑھی یا یہ مسئلہ محیط (کتاب فقہ) میں درج ہے، اتنا کہہ کر اس بہت چھیٹے نے فقیہ کی وہ مرمّت کی کہ دل کا پورا بخار نکال لیا فقیہ نے کہا، بے شک تجھے حق ہے، مارنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھ، جو اپنوں سے جدا ہو جائے اس کی یہی سزا ہے۔ اتنی سزا کا نہیں بلکہ اس سے سو گنی سزا کے لائق ہوں، آخر میں اپنے ذاتی بچاؤ کے مارے اپنے ہمدموں سے کیوں جدا ہوا۔

غرض جو شخص اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر اکیلا رہ جاتا ہے اس پر ایسے ہی مصائب آتے ہیں۔

مُرید کا مکان تعمیر کرنا اور پیر کا امتحان لینا

ایک مُرید نے نیا گھر بنایا، پیر گھر دیکھنے آئے۔ پیر نے امتحان کی خاطر اپنے مرید سے پوچھا، اے رفیق! یہ روشن دان تم نے کیوں بنایا۔ جواب دیا اس لیے کہ اس کے ذریعے سے اندر روشنی آئے۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ تو فرع ہے، اصل غرض یہ ہونی چاہیے تھی کہ اس ذریعے سے آذان کی آواز آئے گی۔ روشنی تو اپنے آپ آ ہی جاتی مگر نیت وہ کرنی چاہیے جو تیرے لائق ہو۔

یہ وہ نکتہ ہے جس کی تعلیم اس حدیث شریف میں دی گئی ہے کہ آدمی کے عمل کا مدار اس کی نیت پر ہوتا ہے۔

سائل کا حیلے سے بہلول سے بھید کہوا لینا

ایک شخص کہہ رہا تھا کہ مجھے ایسا عقل مند چاہیے جس سے آڑے وقت مشورہ لیا کروں۔ کسی نے کہا کہ ہمارے شہر میں تو سوائے اس مجنون صورت کے اور کوئی عاقل نہیں۔ دیکھ وہ شخص سرکنڈے پر سوار بچوں میں دوڑتا پھرتا ہے۔ ظاہر میں تو دن رات گیند کھیلتا پھرتا ہے مگر باطن میں پوشیدہ خزانہ ہے۔ سائل نے بھی حیلہ کیا اور بہلول سے کہا کہ اے سوار! ایک لحظے کے لیے گھوڑے کا رخ ادھر پھیر دیجیے۔ فوراً اس کی طرف سرکنڈا بڑھا کر کہا کہ ہاں جلدی کہو کیوں کہ میرا گھوڑا بہت منہ زور اور تیز ہے۔ جلدی کر، کہیں تجھے لات نہ مار دے۔ جو کچھ تو پوچھنا چاہتا ہے جلدی پوچھ۔ جب اس نے دل کا بھید کہنے کا کوئی موقع نہ دیکھا تو اس نے اپنے دل کے بھید کو چھپا کر دل لگی شروع کر دی کہ بہلول کا بھید معلوم کرے۔ کہنے لگا کہ میں نکاح کے لیے ایک عورت کی تلاش میں ہوں۔ مجھ جیسے آدمی کے لیے کیسی عورت چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ جہان میں تین قسم کی عورتیں ہیں۔ ان میں دو کھوٹی ایک چلنی[1] سکہ ہے۔ لہٰذا اگر اس سے نکاح کیا تو پوری کی پوری تیری جورو رہے گی اور دوسری ہے سو وہ آدھی تیری اور آدھی تجھ سے الگ اور وہ تیسری یاد رکھ کہ بالکل تیری نہیں۔ سن لیا چل دور ہو، میں تو چلا۔ کہیں میرا گھوڑا ایسی لات رسید نہ کرے کہ تو گر پڑے اور پھر ابد تک اٹھ نہ سکے۔ شیخ سرکنڈے کا گھوڑا دوڑاتے چلے گئے مگر اس جوان نے دوبارہ آواز دی کہ اجی حضرت چلے کہاں، یہاں تو آؤ۔ یہ جو تم نے تین قسم کی عورتیں بتائیں تو ان کی علامت و شناخت تو بتاؤ۔ آپ نے پھر گھوڑا روکا اور فرمایا کہ اگر کنواری

---

[1] چلنی سکہ یہ سکۂ رائج الوقت

شادی کرے گا تو وہ پوری تیری ہوگی اور تو بے فکر رہے گا اور جس کو میں نے آدھی جوڑو بتایا وہ بیوہ عورت ہوتی ہے اور وہ جس کو میں نے جوڑو گیری ہی سے خارج بتایا وہ بال بچوں والی بیوہ ہے، ایسی عورت کے چوں کہ پہلے شوہر سے بچے ہوتے ہیں اس لیے اس کی محبت اور دلی توجہ تمام تر اسی طرف ہوتی ہے بس چل دے کہیں میرا گھوڑا لات نہ مارے اور میرے شریر گھوڑے کے سُم کا نشان بیٹھ جائے۔ شیخ نے اہا ہا ہا ہا ہو ہو ہو کے نعرے لگائے اور اپنا گھوڑا پلٹا کر بچوں کو پاس بلانے لگے۔

اس سائل نے پھر چلا کر کہا کہ اے میاں بادشاہ! ایک سوال اور رہ گیا ہے ذرا وہ بھی بتاتے جاؤ۔ آپ نے پھر گھوڑے کو پھیر کر پوچھا کہو وہ کیا ہے۔ جلدی کہو، دیکھو وہ بچہ میری گیند اٹھا لیے گیا۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ! اس قدر عقل و تمیز کے باوجود یہ کیا مکر کا جال بچھا رکھا ہے۔ تو تو عقلِ کل سے بھی آگے ہے اور گفتار میں آفتاب وقت ہے پھر جنون میں کیوں چھپ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان نفس پرستوں کی رائے یہ قرار پائی تھی کہ مجھے اس شہر کا قاضی بنائیں میں نے معذرت کی تو اڑ گئے کہ جب تم جیسا کوئی صاحبِ علم نہیں ہے تو باوجود اس کے حرام اور ناسزاوار ہے کہ کوئی کم علم شخص احکامِ قضا نافذ کرے شریعت نے یہ اجازت نہیں دی ہے کہ ہم تیرے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو اپنا قاضی اور پیشوا تسلیم کریں۔ اس مجبوری سے میں دیوانہ ہو کر واہی تباہی پھرنے لگا اور اپنی معذوری کی بنا پر اس گروہ سے اپنا پیچھا چھڑایا۔ اگرچہ ظاہر میں مجھے خللِ دماغ معلوم ہوتا ہے لیکن باطن میں ویسا ہی ہوں جیسا کہ پہلے تھا۔ میری عقل گنج ہے اور میں ویرانہ ہوں اگر میں اپنا خزانہ عوام پر ظاہر کر دوں تو یہ دیوانگی ہوگی۔ لہٰذا اب میں قند کی کان یا گنّے کا کھیت ہوں، مجھ سے شیرینی اگتی ہے اور اس کو میں ہی کھاتا ہوں۔

بعض دفعہ ایسا وقت آتا ہے کہ اہلِ خرد کو اپنی خردمندی چھپانے ہی میں خیریت نظر آتی ہے؛

کوتوال کا ایک شرابی کو قید خانے کا حکم دینا اور اس کا جواب

ایک رات کو کوتوال گشت کرتا ہوا ایک جگہ پہنچا، دیکھا کہ دیوار کے نیچے ایک شخص پڑا سو رہا ہے۔ کوتوال نے کہا، ہے ہے تو تو بدمست معلوم ہوتا ہے، سچ بتا تو کیا پی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جو صراحی میں ہے وہی پی ہے۔ کوتوال نے سوال کیا کہ آخر صراحی میں کیا ہے صاف صاف بتا۔ اس نے کہا وہی جو میں نے پی ہے۔ کوتوال نے کہا کہ تو بات ڈھکی ہوئی کہتا ہے پھر کوتوال نے مکرر سوال کیا کہ تو نے جو شے پی ہے وہ کیا ہے بس اس کا جواب دے۔ اس نے پھر وہی جواب دیا کہ وہی جو اس صراحی میں چھپی ہوئی ہے۔ یہ سوال و جواب یوں ہی ہوتے رہے اور کوتوال صاحب گدھے کی طرح کیچڑ میں پھنسے رہے۔ اس سے محتسب نے کہا کہ اچھا منہ کھول کر آہ تو کر۔ شرابی نے منہ کھول کر ہو ہو کرنی شروع کر دی۔ کوتوال نے کہا کہ ہائیں! میں نے آہ کرنے کو کہا تو ہو ہو کرتا ہے۔ اس نے کہا آہ تو درد و غم کے موقع پر ہوا کرتی ہے اور شرابیوں کی ہاؤ ہو مارے خوشی کے ہوتی ہے۔ کوتوال نے کہا کہ میں ان باتوں کو نہیں جانتا، بس کھڑا ہو، زیادہ زبان زوری نہ کر۔ متوالے نے کہا، ارے چل نکل، تو کون اور میں کون۔ کوتوال نے کہا، تو نے شراب پی ہے، قید خانے تک چل۔ اس نے کہا اے کوتوال، چل دور ہو، بھلا ننگے سے بھی کوئی چیز گروی رکھی جا سکتی ہے۔ اگر مجھ میں چلنے کی قوت ہوتی تو اپنے گھر کیوں نہ جاتا اور یہ واقعہ ہی کیوں پیش آتا۔ اگر میں عقل اور ہوش و حواس میں ہوتا تو پیروں کی طرح کوئی دکان جماتا۔ یہاں کیوں پڑا ہوتا۔

ابلیس کا نماز کے لیے معاویہؓ کو بیدار کرنا

روایت ہے کہ امیر معاویہؓ اپنے گھر کے ایک گوشے میں سو رہے تھے۔ جوں کہ لوگوں

کی ملاقاتوں سے تھک گئے تھے اس لیے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ یکایک ایک شخص نے جگا دیا اور جب ان کی آنکھ کھلی تو غائب ہو گیا۔ آپ نے اپنے جی میں کہا کہ اس کمرے میں تو کوئی بھی نہ آسکتا تھا۔ پھر یہ کون تھا جس نے ایسی شرارت اور جرأت کی۔ آپ نے اس کی جستجو میں سارے کمرے کا چکر لگایا یہاں تک کہ اس روپوش کا پتا لگ گیا۔ آپ نے پٹ کی آڑ میں ایک شخص کو دیکھا جو پردے سے اپنا منہ چھپائے ہوئے تھا۔ آپ نے فرمایا، ہائیں! ارے تو کون، تیرا نام کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میرا نام الم نشرح ہے میں ابلیس ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ تو نے مجھے کیوں بیدار کیا، سچ کہ کوئی غلط وجہ نہ بتانا۔ اس نے کہا حضرت! نماز کا وقت ختم ہونے آیا اب مسجد کو لپکنا چاہیے۔ خود حضرت رسول اللہ صلعم نے وحدت کا موتی یوں پرویا ہے "عجّلوا الطّاعات قبل الفوت" یعنی قبل اس کے کہ وقت نکل جائے ادائے عبادت میں جلدی کرو۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ تیری یہ غرض ہرگز نہیں ہو سکتی کہ نیکی کے کام میں میری رہنمائی کرے بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ چور چھپا ہوا میرے گھر میں آئے اور کہے کہ میں پاسبان ہوں۔ میں چور کی بات کا کیوں کر یقین کر لوں، چور مزدوری کے فائدے کو کیا جانے! ارے تو تو بڑا رہزن چور ہے اور تو مجھ پر اس قدر مہربان ہو جائے۔ ابلیس نے کہا کہ ہم فرشتے بھی رہ چکے ہیں اور طاعت و عبادت کے رستے کو جان و دل سے طے کر چکے ہیں۔ ہم اہلِ سلوک کے ہم راز اور عرش کے رہنے والوں کے ہمدم تھے۔ لہذا پرانی عادت ایک دم کیسے بدل جائے اور اس عادت کی محبت دل سے کیوں کر جاتی رہے۔ بزمانہ سفر چاہے تو روم دیکھے چاہے ختن دیکھے۔ لیکن وطن کی محبت کا نقش دل سے کیوں کر مٹ سکتا ہے۔ ہم بھی اس شراب میں مست رہ چکے ہیں اور اس کی درگاہِ عالی کے عاشقوں میں سے تھے۔ امیر معاویہؓ نے کہا کہ یہ باتیں تو سچ ہیں لیکن یہ تیرے حصے میں نہیں۔ لاکھوں کو تو نے گم راہ کیا اور کوئل لگا کر خزانے میں گھس آیا، تو تو مجسّم آگ ہے۔ تجھے بغیر جلائے چارہ نہیں

اور وہ کون ہے جس کا دامن تیرے ہاتھ سے چاک نہیں۔ باتیں نہ بنا، مجھ پر تیرا قبضہ ممکن نہیں۔ تو رہزن ہے اور میں مسافر بیوپاری ہوں تو مشتبہ مال کیسے ہی دھوکے سے لائے بھلا میں کب خریدنے والا ہوں۔ اے فریبی سچ سچ بتا، تو نے کس مصلحت سے مجھے بیدار کیا۔ کیوں کہ اب میرے ساتھ بہانہ بازی نہیں چلے گی، اپنی غرض صاف صاف بیان کر۔ ابلیس نے کہا کہ جو شخص فطرۃً بدگمان ہوتا ہے وہ باوجود سو قرینوں کے بھی سچائی قبول نہیں کرتا۔ ہر دل جس میں کچھ سوچ بچار رہتی ہے جب اس پر کوئی دلیل پیش کی جاتی ہے تو اس کے خیال کو اور تقویت ہو جاتی ہے۔ اے نیک مرد! تو خدا سے میرا رونا کیا روتا ہے تو اپنے ہی نفس کی شرارتوں کا رونا رو۔ تو حلوا کھاتا ہے اس سے بوجہ فسادِ خون تجھے دنبل ہو جاتے ہیں، بخار آنے لگتا ہے اور طبیعت بگڑ جاتی ہے لیکن چوں کہ تو اپنے کیے پر نظر نہیں رکھتا اس لیے ابلیس کو بے قصور لعنت کرتا ہے۔ امیر (معاویہؓ) نے کہا کہ جب تک سچ نہ کہے گا میں تجھے نہ چھوڑوں گا۔ اگر سچ بتائے گا تو میرے قبضے سے نجات پائے گا۔ ابلیس نے کہا اے سوچ بچار والے، شک و شبہ سے لبریز! آپ سچ اور جھوٹ کو کیوں کر پہچانتے ہیں۔ امیر (معاویہؓ) نے جواب دیا کہ حضرت پیغمبر نے اس کی پہچان بتائی ہے اور کھوٹے کھرے کی کسوٹی مقرر کردی ہے وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ جھوٹ دلوں میں کھوٹ پیدا کرتا ہے اور سچ اطمینان بخشتا ہے جھوٹی بات سے دل کو تسکین نہیں ہوتی جس طرح کہ پانی اور تیل کے ملنے سے روشنی نہیں ہوتی۔ سچی بات سے دل چین پاتا ہے کیوں کہ سچائی مرغِ دل کی گرفتاری کے لیے دانہ ہے۔ میں نے اپنی عادت و کردار کو حرص و ہوا سے پاک کر لیا ہے، میں نے شہوت کے لقمے ترک کر دیے ہیں۔ میرا ضمیر اتنا روشن ہو گیا ہے کہ سچ کو جھوٹ سے الگ کر لیتا ہے۔ اے ملعون کتے! تو میرا جواب دے۔ سچ کہہ اور جھوٹے بہانے مت کر کہ تو نے مجھے کیوں بیدار کیا۔ حالاں کہ اے دغاباز! تو بیداری کا دشمن ہے۔ تو خشخاش کی طرح خواب آور ہے، بلکہ تو مثلِ شراب کے ہے کہ عقل کو غائب کر دیتا ہے۔ دیکھ میں نے تجھے

چار مغز کر دیا ہی، اب صاف صاف بتا، حیلے حوالے مت کر۔ سچ کو میں جانتا ہوں، میں ہر شخص سے وہ بات سننی چاہتا ہوں جو اس کی طبیعت اور خو خصلت کے مطابق ہو۔ چوں کہ شیطان غیر ہی اس لیے میں یہ امید نہیں رکھتا کہ وہ از راہِ نیکی مجھے بیدار کرے۔ الغرض شیطان نے بہتیری مکر و فریب کی باتیں بنائیں لیکن امیر معاویہؓ نے ایک نہ سنی اور اس پر بہت تشدّد کیا۔ اس نے دانت چبا کر کہا کہ سن، اے شخص! ہاں میں نے تجھے بیدار کیا تاکہ تو اپنے پیغمبر کی اتباع میں نمازِ جماعت میں داخل ہو۔ اگر تیری نماز کا وقت جاتا رہتا تو مارے درد و غم کے تیرے آنسوؤں کی شکلیں دونوں آنکھوں سے چھٹ جاتیں۔ ہر شخص ایک نہ ایک قسم کی عبادت کا چسکا رکھتا ہی اس کے بغیر گھڑی بھر صبر نہیں کر سکتا وہ تیرا درد و غم سو نمازوں کے برابر ہوتا۔ بھلا نماز میں اور اس فروتنی کی روشنی میں کیا نسبت۔ اگر تمھاری نماز اس وقت فوت ہو جاتی تو اس پشیمانی کے درد سے تم آہ و فغاں کرتے۔ وہ افسوس، وہ آہ و زاری اور وہ فروتنی، سو ذکر اور سو نمازوں پر سبقت لے جاتی۔ میں تو حاسد ہوں۔ میں نے اسی حسد سے تم کو بیدار کر دیا۔ امیر معاویہؓ نے کہا کہ اب تو نے ٹھیک بات بتائی۔ تیرا یہی کام ہی۔ تو اسی کے لائق ہی۔ تو مکڑی ہی مکھیوں کا شکار کرتا ہی۔ مگر ای کُتّے میں مکھی نہیں ہوں میرے شکار کے لیے تکلیف نہ اٹھا، میں سفید باز ہوں مجھے بادشاہ ہی شکار کرتا ہی۔ بھلا مکڑی میرے اطراف جالا کیوں کر تن سکتی ہی۔ تو نے جو مجھے بیدار کیا سو وہ سُلانے کے لیے تھا اور تو نے جو کشتی دکھائی وہ گرداب تھا، تو جو مجھے بھلائی کی طرف بلا رہا تھا وہ اس لیے تھا کہ مجھے افضل تر نیکی سے باز رکھے۔

ایک شخص کا نمازِ جماعت کے نہ ملنے پر حسرت کرنا

ایک شخص مسجد میں داخل ہو رہا تھا۔ دیکھا کہ لوگ باہر چلے آرہے ہیں۔ پوچھنے لگا کہ کیا

جماعت ہو چکی جو لوگ مسجد سے باہر آ رہے ہیں۔ ایک نے کہا کہ حضرت پیغمبرؐ جماعت سے نماز ادا فرما چکے۔ ارے بے وقوف تو کہاں چلا حضرت تو سلام پھیر چکے اس نے جو ہائے کی تو دھنواں باہر نکلنے لگا۔ اس کی آہ سے خونِ دل کی بو آنے لگی۔ یہ دیکھ کر کسی نمازی نے کہا کہ اے نماز کھونے والے اپنی یہ آہ تو مجھے بخش دے۔ میں نے اپنی نماز تجھے بخشی۔ اس نے کہا کہ آہ میں نے دی اور نماز قبول کی۔ اس شخص نے وہ آہ بڑے اعزاز سے لے لی اور بڑی فروتنی و رقت کے ساتھ اپنے گھر واپس ہوا۔ وہ باز تھا جسے تلاش نے شہباز بنا دیا۔ رات کو خواب میں آوازِ غیب آئی کہ تو نے آبِ حیواں خرید لیا۔ تیری اس خرید و بدل کے اعزاز میں ساری مخلوقات کی نماز مقبول ہو گئی۔

—————:(※):—————

ایک چور کا صاحبِ خانہ سے ہاتھ چھڑا کر بھاگنا

ایک شخص نے گھر میں چور دیکھا اور اس کے پیچھے دوڑا یہاں تک کہ تھک کر پسینے پسینے ہو گیا۔ جب بھاگ دوڑ میں وہ اتنا قریب پہنچ گیا کہ اس کو پکڑ لے تو دوسرے چور نے پکارا کہ اجی میاں! یہاں آؤ یہ تو دیکھو بلا کے نشان یہاں ہیں۔ جلدی پلٹ کر آؤ۔ صاحبِ خانہ نے یہ آواز سنی تو خوف زدہ ہوا اور اپنے جی میں کہا کہ شاید ادھر کے چور نے کسی کو مار ڈالا یا وہ مجھ پر بھی پیچھے سے حملہ کرے گا۔ ممکن ہے کہ میرے بال بچوں پر ہاتھ ڈالے تو اس چور کے پکڑنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔ یہ سوچ کر پہلے چور کا پیچھا چھوڑ دیا اور پلٹ کر واپس آیا۔ کہا کہ اے مہربان کیا بات ہے، تم کیوں چیخ رہے تھے۔ وہ کہنے لگا کہ یہ دیکھیے چور کے پیروں کے نشان وہ بدذات چور ضرور ادھر ہی سے گیا ہے یہ اس کا کھوج موجود ہے بس اسی کو دیکھتے بھالتے اس کے پیچھے پیچھے چلے جاؤ۔ صاحبِ خانہ نے کہا کہ ارے بے وقوف مجھے کھوج کیا بتاتا ہے میں نے تو اصل چور کو پکڑ ہی لیا تھا تیری چیخ و پکار سن کر چھوڑا اور تجھ گدھے کو آدمی سمجھا۔ ارے احمق

یہ تو کیا بیہودہ بکواس کرتا ہے، میں تو حقیقت کو پا چکا تھا۔ بھلا نشان کیا چیز ہے۔ یا تو تو بدمعاش ہے یا بے وقوف، بلکہ ممکن ہے کہ تو ہی چور ہو اور سب واقعہ تجھے معلوم ہو۔ میں تو اپنے دشمن پر قبضہ پا چکا تھا، تو نے اسے چھڑا دیا یہ کہہ کر کہ دیکھو یہاں نشان ہے۔

امیر معاویہؓ کی حکایت کی طرح یہ دوسری تمثیل ہے کہ کس طرح آدمی کو ایک بہتری کا لالچ دے کر اصل بھلائی سے روکا جا سکتا ہے کہ فائدے کی بجائے وہ خسارے میں رہے :

منافقوں کا مسجدِ ضرار تعمیر کرانا

کج روی کی ایک اور مثال سنو، شاید تمہارے دل میں اتر جائے۔ ایسی ایسی ٹیڑھی چالیں اہلِ نفاق حضرت رسول اللہ صلعم سے بھی چلتے تھے۔ کہتے تھے کہ آؤ دینِ احمدی کی عزت بلند کرنے کو ایک مسجد بنائیں اور درحقیقت وہ فریب کا گھر تھا چناں چہ انھوں نے ایک مسجد کی تعمیر آغاز کی، فرش اور چھت تیار کر دی، سمتِ قبلہ درست کر دی، لیکن مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ پڑ جائے۔ حضرت پیغمبرؐ کے حضور میں خوشامدانہ آئے اور عرض کی کہ اے رسولِ خدا از راہِ احسان اس مسجد تک قدم رنجہ فرمائیے تا کہ آپ کے قدموں کی برکت سے مسجد مبارک ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے نامِ پاک کو تا قیامت قائم رکھے۔ یہ مسجد دھوپ اور پانی سے بچاؤ کے لیے کارآمد ہے تا کہ مسافر وہاں آرام کی جگہ پائے۔

خدا کے رسول صلعم کے آگے جادوگری کیا کرنے لگے وہ اپنی ہماہمی اور جہالت کا گھوڑا دوڑانے لگے۔ چاپلوسی اور خوشامد کر کے چاہتے تھے کہ حضرت وہاں تشریف لائیں۔ وہ مہربان سراپا رحمت رسول تھے کہ سوا تبسم اور اچھا اچھا فرمانے کے کچھ

نہ کہتے تھے۔ آپ نے اس جماعت کی خوبیاں گنائیں اور درخواست کو قبول کرکے ان کا دل خوش کر دیا۔ باوجودیکہ ان کا مکر آپ پر دفعتہً اس طرح ظاہر ہو گیا تھا جس طرح کہ دودھ میں بال دکھائی دیتا ہے اس بال سے قطع نظر کرکے آپ ان کے دودھ ہی کی تعریف فرماتے رہے۔ جب طے ہو گیا کہ حضرت رسول اللہ وہاں تشریف لے چلیں تو غیرتِ حق نے آواز دی کہ ان فریبیوں کی بات نہ سنو۔ جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں واقعہ اس کے برخلاف ہے۔ ان کا ارادہ سیہ روئی کے سوا کچھ نہ تھا۔ بھلا آتش پرستوں اور یہودیوں نے دین داری کب پسند کی۔ انھوں نے دوزخ کے پُل پر مسجد بنائی ہے اور خدا سے بھی مکر کھیلے ہیں۔ ان کا ارادہ تو اصحابِ رسول صلعم میں تفرقہ ڈالنا ہے۔ پھر حضرت پیغمبر صلعم کو حکم ہوا کہ ان کی بے وفائی صاف صاف ظاہر کر دو۔ آپ نے فرمایا کہ اے بے وفا جماعت، چپ رہو، تم لوگ بد باطن اور دشمن ہو، میرا پیچھا چھوڑ دو۔ جب ان کے چند بھید کھولے تو ان کی ساری عمارت ڈھ گئی۔ سارے ایلچی خدا نہ کرے، خدا نہ کرے کا دم بھرتے ہوئے واپس ہوئے۔ اس کے بعد ہر منافق قرآن بغل میں دبائے مکر سے حضرت پیغمبر کے پاس لایا تاکہ قسمیں کھائیں کہ بات بات پر قسم کھانا بھی گمراہوں کی سنّت ہے۔ چوں کہ گمراہ اپنے دین پر پختہ نہیں ہوتا اس لیے ہر بے ضرب قسم توڑ دیتا ہے۔

وہ لوگ نورِ وحی سے محروم تھے اس لیے قسموں پر قسمیں کھاتے رہے۔ چوں کہ خدا نے سوگند کو سپر بنایا ہے اس لیے لڑنے والا سپر کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ حضرت پیغمبر صلعم نے پھر بہ تکرار فرمایا کہ تم جھوٹے ہو۔ جب شہادتوں سے بھی ثابت ہو گیا کہ وہ مسجد نہ تھی بلکہ یہودیوں کے مکر و حیلہ تراشنے کی غرض سے ایک مکان تھا تو حضرت رسول صلعم نے حکم دیا کہ اس کو منہدم کرکے یہاں کوڑا کرکٹ ڈالا کرو۔

پس جاننا چاہیے کہ حقائق اصلِ اصول ہیں، وہاں بھی ایک سے دوسرے میں

فرق فصل ہو۔

اے صاحبِ عمل، اپنی کردار کو کسوٹی پر کس کر دیکھ، کہیں تو بھی مسجدِ ضرار نہ تعمیر کر رہا ہو۔ اس مسجد بنانے والوں کا تو خوب تمسخر کیا مگر جب اپنے عمل پر نظر ڈالی تو خود بھی ان ہی میں سے نکلا۔

چار ہندستانیوں کا نماز میں بات کرنا

چار ہندستانی ایک مسجد میں داخل ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ ہر ایک نے الگ الگ تکبیر کہی اور بہت انکسار اور سوز و دردمندی سے نماز میں مصروف ہوا جب مؤذّن آیا تو ان میں سے ایک کے منہ سے نکل گیا کہ اے مؤذّن اذان بھی دی؟ ابھی وقت ہے۔ دوسرے نے بہت عاجزی سے کہا، تم نے نماز میں بات کی بس نماز باطل ہوئی تیسرے نے دوسرے سے کہا کہ ارے عقل کے اندھے! اسے طعنہ کیا دیتا ہے، ذرا اپنے کو تو دیکھ چوتھے نے کہا کہ الحمدللہ کہ میں تم تینوں کی طرح کنوئیں میں نہیں گرا۔ اس طرح چاروں کی نماز جاتی رہی۔

دوسروں کے عیب پر نظر رکھنے والے اکثر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ سعادت والا وہ ہے جس نے اپنا عیب دیکھا اور کسی نے دوسرے کا عیب بیان کیا تو اسے بھی اپنے ہی سے منسوب کیا کیوں کہ اگر ایسا عیب تجھ میں نہیں ہے تو بھی بے فکر مت ہو، ممکن ہے کہ آیندہ اسی قسم کا عیب تجھ میں ظاہر ہو جائے۔

ڈاکوؤں کا دو شخصوں میں سے ایک کو مار ڈالنے کا قصد کرنا

کسی جگہ ڈاکو بڑے خوں ریز تھے۔ ایک گانو پر ڈاکہ زنی کے لیے آپڑے۔ اس گانو کے مال داروں میں سے دو شخصوں کو پکڑ کر ایک کی گردن مارنے پر تیار ہوے۔ اس کے ہاتھ باندھ دیے کہ گلا کاٹ ڈالیں۔ اس نے پوچھا کہ اے بادشاہو، اور اے بڑھیا امیرو! آخر میرے ہی خون کا ارادہ کیوں کرتے ہو، کیا میرے ہی خون کے پیاسے ہو، میرے مار ڈالنے کی غرض اور حکمت کیا ہے؟ میں تو مردِ فقیر اور ننگا ہوں۔ ڈاکوؤں نے کہا، تجھے مار ڈالنے میں حکمت یہ ہے کہ تیرے ساتھی پر ہماری ہیبت طاری ہو اور جان کے ڈر سے دولت کی نشان دہی کرے۔ اس نے کہا کہ وہ تو مجھ سے بھی زیادہ محتاج ہے۔ ایک ترک نے کہا کہ ہم کو گمان ہے کہ وہ دولت مند ہے۔ اس نے کہا کہ جب تم کو شک ہے کہ ہم دونوں دولت مند ہیں تو اوّل دوسرے گرفتار کو قتل کرو تاکہ میں ڈر کر دولت کی نشان دہی کروں۔

خدا کی بخششوں کو دیکھیے کہ ہم دورِ آخر کی انتہا پر دنیا میں آئے۔ قومِ نوح اور قومِ ہود کی ہلاکت کی عبرتیں رحمت کے منادی نے ہم پر کھول کر بیان کر دیں۔ ان کو اس لیے مار ڈالا کہ تو ڈرے اور اگر اس کے برعکس ہوتا تو تیرا کہاں ٹھکانا! الخ

ایک بڈھے کا طبیب سے شکایتِ مرض کرنا اور طبیب کا جواب دینا

ایک بوڑھے شخص نے طبیب سے کہا کہ میں ضعفِ دماغ میں مبتلا رہتا ہوں۔ طبیب نے کہا کہ یہ ضعفِ دماغ بڑھاپے کے سبب سے ہے۔ پھر اس نے کہا کہ میری آنکھوں میں دھندلا پن آگیا ہے۔ طبیب نے جواب دیا کہ اے مردِ بزرگ! یہ بھی بڑھاپے

سے ہی۔ اس نے کہا کہ میری کمر میں درد رہتا ہی۔ طبیب نے کہا یہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہی۔ پھر اس نے شکایت کی کہ کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ طبیب نے کہا ضعفِ معدہ بھی بڑھاپے کی علامت ہی۔ پھر بوڑھے نے کہا کہ میرا سانس رک کر چلتا ہی۔ طبیب نے کہا کہ ہاں جب بڑھاپا آتا ہی تو سو بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ سانس بھی رک جاتا ہی۔ پھر اس نے کہا کہ میرے پاؤں بے کار ہو گئے چلا نہیں جاتا۔ طبیب نے کہا کہ اس بڑھاپے نے تجھے گوشہ نشین کر دیا۔ اس نے کہا کہ میری کمر دُہری ہو گئی۔ اس نے جواب دیا کہ یہ بھی ضعیفی سے ہوئی ہی۔ آخرکار جھنجلا کر بوڑھے نے کہا کہ ای احمق تو ایک ہی بات رٹے جاتا ہی! کیا فنِ طبابت میں تو نے بس یہی سیکھا ہی۔ ارے بد دماغ! خدا نے ہر درد کی دوا مقرر کی ہی۔ تو احمق گدھا اپنی ناواقفیت کی وجہ سے زمین پر پڑا لوٹ رہا ہی۔ پس طبیب نے جواب دیا کہ ای پیرِ فرتوت! یہ تیرا غصّہ بھی بڑھاپے کے سبب ہی۔ جب سب اجزا و اعضا کمزور ہو گئے تو صبر و ضبط کی قوّت بھی کم ہو گئی۔ جسے بات کی برداشت نہیں ہوتی وہ گرم آواز نکالتا ہی اور جو ایک گھونٹ پچا نہیں سکتا اسے قے ہو جاتی ہی۔ ہاں مگر وہ بوڑھا جو حق کا متوالا ہی اس کے اندر پاک زندگی ہی ایسا شخص ظاہر میں بوڑھا اور باطن میں بچہ ہی، ولی و نبی کیسے ہوتے ہیں؟ — ایسے ہی ہوتے ہیں؛

ایک لڑکے کا اپنے باپ کا ماتم کرنا اور مسخرے کی اس پر بے لطائف زنی

ایک لڑکا اپنے باپ کے تابوت پر پھوٹ پھوٹ کر روتا اور سر پیٹتا تھا کہ ای باواجان! یہ لوگ تمھیں کہاں لے جا رہے ہیں۔ یہ تمھیں ایک تنگ و تاریک گڑھے میں ڈالیں گے جہاں نہ قالین ہی نہ بوریا ہی۔ نہ وہاں رات کو چراغ ہی نہ کھانے کا نام و نشان ہی۔ نہ اس کا دروازہ ہی نہ کھلا اور نہ وہاں کوئی ہمسایہ ہی جو پشت پناہی کرے۔ آپ کا جسم جو بوسہ گاہِ خلق

تھا، تاریک و سیاہ گھر میں کیوں کر رہے گا۔ ایسا گھر جو بالکل تنگ اور قابل رہنے کے نہیں جس میں چہرے کا رنگ روغن سب جاتا رہتا ہے۔ اسی طرح قبر کی علامات بیان کرتا جاتا تھا اور اشکِ خوں اس کی آنکھوں سے ٹپکتے جاتے تھے۔ ایک مسخرے نے یہ بَین سن کر اپنے باپ سے کہا، باوا جان خدا کی قسم معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ اس میت کو ہمارے گھر لے جا رہے ہیں۔ باپ نے مسخرے سے کہا کہ ہائیں۔ ارے احمق یہ کیا بے موقع باتیں کرتا ہے، مسخرے نے جواب دیا کہ حضرت! نشانیاں جو اس نے بیان کی ہیں وہ تو سنو! یہ نشانیاں جو اس نے ایک ایک کر کے گنی ہیں، وہ یقیناً سب کی سب ہمارے گھر کی ہیں۔ ہمارے گھر میں بھی نہ بوریا ہے نہ چراغ، نہ کھانا ہے اور نہ اس کا دروازہ ہے، نہ صحن ہے نہ کوٹھا۔

اس طرح کی قابلِ عبرت نشانیاں لوگوں کے اپنے حال میں موجود ہیں۔ مگر وہ سرکشی سے انھیں کب دیکھتے ہیں۔ وہ دل جن میں خدا کی کبریائی کی کرن نہیں پہنچی آتش پرستوں کی جان کی طرح تاریک ہیں۔ تیرے ایسے دل سے تو قبر بہتر ہے۔ اے شخص اپنے دل کی قبر سے باہر آ۔

اعرابی جس نے وزن کی خاطر گونی میں ریت بھر لی

اے بات ماننے والے! بھولے پن اور ریتے پیٹے پن کی ایک کہانی سن۔ ایک اعرابی نے اونٹ پر ایک گونی اناج کی بھری اور دوسری گونی میں ریت بھر کر اونٹ پر لاد دیا اور خود ان دونوں کے اوپر ہو بیٹھا۔ راستے میں ایک باتونی صاحب ملے اور ہمدردی سے سفر کی حضر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر پوچھا کہ کیوں میاں! دونوں گونیوں میں کیا بھرا ہوا ہے؟ اعرابی نے کہا کہ میری ایک گونی میں تو گیہوں ہیں اور دوسری میں ریت بھری ہے۔

پوچھا کہ آخر تونے اس گونی کو بھرا ہی کیوں؟ جواب دیا تاکہ دونوں طرف گونیاں ہم وزن رہیں اور وزن صرف ایک ہی طرف نہ رہے۔ بولے گونی میں سے آدھے گیہوں نکال کر دوسری گونی میں پاسنگ کے طور پر ڈال دے، دونوں طرف وزن برابر ہوجائے گا اور اونٹ پر بھی بوجھ نہ رہے گا۔ اعرابی نے کہا کہ شاباش ای صاحب ہنر! ایسی عمدہ عقل اور اچھی رائے کے باوجود تو جنگل میں بے سروسامان پیادہ سفر کر رہا ہے۔ اعرابی کو اس پر رحم آیا اور ارادہ کیا کہ اس کو بھی اونٹ پر بٹھا لے پھر پوچھا کہ ای خوش گفتار حکیم! آپ کس حال میں ہیں بیان تو کیجیے۔ ایسی دانائی اور خوش تدبیری جو آپ میں ہے، ہو نہ ہو آپ یا کہیں کے امیر یا وزیر ہیں۔ نصیحت گرنے کہا کہ میں تو نہ حاکم ہوں نہ وزیر بلکہ مسکین ہوں چناں چہ میری ظاہری حالت اور میرا لباس اس کا گواہ ہے۔ اعرابی نے پوچھا کہ آپ کے پاس کتنے اونٹ اور کتنی گائیں ہیں۔ جواب دیا کہ یہ ہے نہ وہ ہے۔ پھر اعرابی نے پوچھا کہ آپ کیا کاروبار کرتے ہیں، کیا دکان داری کرتے ہیں؟ کہا نہ ہمارا کہیں ٹھکانا ہے اور نہ کوئی دکان ہے۔ اعرابی نے کہا پھر نقد و جنس گھر میں ہوگی۔ تمام عالم تانبا ہے اور اس کی کیمیا آپ کے پاس ہے۔ کیوں کہ عقل و دانش کے موتی ڈھیروں آپ کے پاس ہیں۔ غالباً آپ کے گھر میں خزانوں کے خزانے ہوں گے۔ ناصح نے کہا کہ واللہ ای امیر عرب! ملکیت میں تو ایک شب کی خوراک بھی نہیں میں تو ننگے پاؤں ننگے بدن چل رہا ہوں تاکہ جو روٹی دے اس کا ہو رہوں مجھے اس حکمت اور فضل و ہنر سے خیال پکاتے اور دردِ سر کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ سن کر عرب نے جھڑک کر کہا کہ چل دور ہو، میرے پاس سے سرک۔ کہیں تیری بدنصیبی مجھ پر نہ آجائے۔ اپنی اس بدنصیبی کی دانائی کو دور لے جا۔ تیری باتیں اہلِ دنیا پر افلاس لانے والی ہیں۔

ایک شخص کا دعوےٰ کہ خدا گناہ پر میری گرفت نہیں کرتا اور حضرت شعیبؑ کا جواب

حضرت شعیبؑ کے زمانے میں ایک شخص کہا کرتا تھا کہ خدا نے میرے اَن گنت عیب دیکھے ہیں ۔ اور ہوا کس قدر گناہ اور جرم دیکھے ہیں لیکن اپنے کرم کی وجہ سے میری گرفت نہیں فرماتا۔ حق تعالیٰ نے غیبی آواز سے حضرت شعیبؑ سے بطور جواب کے فرمایا کہ اے شخص تو سیدھا راستہ ترک کر کے جنگل میں بھٹک گیا ہے، تو کہتا ہے کہ میں تیرے گناہوں پر گرفت نہیں کرتا حالاں کہ میں تیری اس قدر گرفت کرتا رہتا ہوں کہ تو سر سے پاؤں تک زنجیروں میں گٹھا ہوا ہے مگر تجھے خبر نہیں۔ اے سیاہ دیگ تیرا زنگ تجھی پر چڑھ رہا ہے اور اس نے تیری روح کے ماتھے کو بے نور کر دیا ہے۔ تیرے دل پر زنگ کی تہیں اس قدر چڑھ گئی ہیں کہ خدا کے بھیدوں کو دیکھنے سے تو اندھا ہو گیا ہے۔ لوہا جب زنگی ہو تو دھوئیں کے چہرے کے ہم رنگ ہوتا ہے اگر کوئی ردی لوہاری کا پیشہ کرے تو اس کا چہرہ دھوئیں سے چیت کبرا ہو جاتا ہے۔ ایسا آدمی گناہ کی تاثیر جان جاتا ہے اور گڑگڑا کر توبہ کرنے لگتا ہے جو آدمی برائی کرے اور اس پر اڑ جائے تو اس کی سمجھ پر خاک پڑ جاتی ہے۔ وہ کبھی توبہ نہیں کرتا یہاں تک کہ گناہ اس کے دل کو بھا جاتا ہے اور وہ شخص بے دین ہو جاتا ہے۔ اس میں شرم و ندامت کا مادّہ نہیں رہتا اور وہ سات تہوں کا زنگ اس کے آئینے پر چڑھ جاتا ہے حتّٰی کہ اس کے لوہے کو بھی زنگ کا مورچہ کھانے لگتا ہے۔

جب حضرت شعیبؑ نے یہ نکتے اس سے کہے تو اس کے دل میں چند لطائف کھلے چوں کہ اس کی جان بھی وحیِ آسمانی سُن رہی تھی، اس لیے اس نے کہا کہ اگر خدا میری گرفت کرتا تو میرا نام و نشان کیسے رہتا۔ حضرت شعیبؑ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی یا الٰہا! یہ میری تردید کر رہا ہے اور آپ کی گرفت کا علانیہ ثبوت مانگتا ہے حق تعالیٰ سے جواب ملا میں عیب چھپانے والا ہوں اس کے سب راز نہ کھولوں گا البتہ اس کی گرفتاری کی ایک

علامت بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ وہ روزے رکھتا ہے، دعائیں کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے وغیرہ وغیرہ لیکن اس کی جان کو ان عبادتوں سے ذرا سی بھی لذّت نہیں ملتی۔ وہ بہت سی عبادتیں اور نیک عمل کرتا ہے لیکن اس کو مزا نہیں آتا۔ اس کی عبادت ظاہر میں پاک ہوتی ہے باطن میں پاک نہیں جیسے درخت میں اخروٹ تو بہت سے لگے ہوں مگر ان میں مغز نہ ہو۔ ذوق چاہیے تاکہ عبادت کا پھل ملے اور پھل میں مغز چاہیے تاکہ اس سے درخت پیدا ہو۔ جس طرح بے گودے کا بیج درخت نہیں بن سکتا اسی طرح بے جان صورت محض خیال ہوتی ہے۔ جب حضرت شعیبؑ نے یہ نکتے اس کو سنائے تو سوچ ہی سوچ میں گدھے کی طرح کیچڑ میں پھنسا کا پھنسا رہ گیا۔

ایک چوہے کا اونٹ کی نکیل کھینچنا

ایک چوہے کے ہاتھ اونٹ کی نکیل لگ گئی وہ بڑی شان سے کھینچتا ہوا چلا۔ اونٹ جو تیزی سے اس کے ساتھ چلا تو چوہے کے سر میں یہ ہوا سمائی کہ میں بھی پہلوان ہوں۔ اس کے خیال کی جھلک اونٹ پر پڑی تو اس نے کہا کہ اچھا تجھے اس کا مزا چکھاؤں گا۔ چلتے چلتے ایک بڑی ندی کے کنارے پہنچے جہاں ہاتھی بھی ڈوب جائے چوہا وہاں ٹھٹک کر سرد ہوگیا۔ اونٹ نے کہا، اے جنگلوں پہاڑوں کے ساتھی! تم کیوں رک گئے اور یہ حیرانی کیوں ہے۔ آؤ مردانگی کے ساتھ ندی میں اترو۔ تم تو سردار اور آگے آگے چلنے والے ہو۔ بیچ رستے میں ٹھیر کر ہمّت نہ ہارو۔ چوہے نے کہا کہ اس پانی کا پاٹ تو بہت چوڑا ہے مجھے اس میں ڈوب جانے کا خوف ہے۔ اونٹ نے کہا اچھا میں دیکھوں پانی کتنا گہرا ہے، یہ کہہ کر ندی میں قدم رکھا اور کہا اے اندھے چوہے! اس میں تو صرف

زانو تک پانی ہے تو اس قدر حیران و پریشان کیوں ہو گیا۔ چوہے نے کہا جو چیز تیرے آگے چیونٹی ہے وہ ہمارے لیے اژدہا ہے کیوں کہ زانو زانو میں بہت فرق ہے۔ اگر پانی تیرے زانو تک ہے تو میرے سر سے گزوں اونچا ہے۔ اس وقت اونٹ نے کہا کہ خبردار دوبارہ ایسی گستاخی نہ کرنا کہیں تیرا جسم و جان اس آگ میں نہ جل جائے۔ اپنے جیسے چوہوں کے آگے تم جیسی چاہے شیخی بگھار لو مگر اونٹ کے آگے چوہا زبان نہیں ہلا سکتا۔ چوہے نے کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں۔ خدا کے واسطے اس خطرناک پانی سے میری جان چھڑا۔ اونٹ کو رحم آیا اور کہا اچھا چڑھ جا اور میرے کوہان پر بیٹھ جا۔ اس طرح وار پار ہونا میرا کام ہے۔ تجھ جیسے ہزاروں کو ندی پار کرا دوں گا۔

جب تو پیمبر نہیں تو مقررہ راستے سے چل تاکہ کنویں سے نکل کر ایک روز دولت و ثروت پر پہنچے۔ جب تو سلطان نہیں ہے تو رعیت بن کے رہ اور جب تو کشتی بان نہیں تو کشتی نہ چلا۔ تانبے کی طرح اکسیر کی خدمت کر، اے دل تو دل دار کے مزاج اٹھا۔ وہ دل دار کون ہیں، صاحبانِ دل ہیں جو آدمی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں؀

ایک بڑے پیٹے صوفی کو صوفیوں کا برا بھلا کہنا

ایک صوفی کو تمام صوفی برا بھلا کہتے ہوئے شیخ کے پاس آئے اور عرض کی کہ اے پیشوا تو ہم میں اور اس میں انصاف کر۔ پوچھا کہ آخر تمہارا الزام اس پر کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ اس میں تین خصلتیں بہت بری ہیں۔ ایک یہ کہ یہ باتونی اس قدر ہے جیسے چلتے ہوئے قافلے کا گھنٹا۔ دوسرے یہ کہ بیسیوں آدمیوں کی خوراک سے زیادہ پیٹ میں کھپا جاتا ہے اور جب سونے پہ آتا ہے تو اصحابِ کہف

کی طرح سوئے جاتا ہے اٹھنے کا نام نہیں لیتا ۔ یہ تین شکایتیں صوفیوں نے نون مرچ لگا کر کیں ۔ شیخ نے فقیر سے کہا کہ ہر حال میں میانہ روی اختیار کر ۔ حدیث میں ہے بیچ راس کے کام نیک ہوتے ہیں ۔

جب صوفی کے جواب کی نوبت آئی تو اس نے عرض کی کہ اگرچہ بیچوں بیچ کا راستہ اختیار کرنا دانائی ہے لیکن بیچ بھی ایک نسبت سے قرار پاتا ہے چنانچہ ندی کا پانی اونٹ کی نسبت سے کم ہے لیکن چوہے کو وہی دریا کے برابر ہے ۔ جس کا راتب چار روٹیوں کا ہوا اگر وہ دو یا تین کھائے تو درمیانی مقدار ہے اگر وہ پوری چار روٹیاں کھالے تو وہ درمیانی مقدار نہیں رہی اور جس کی بھوک دس روٹیوں سے پوری ہو اگر وہ چھ روٹیاں کھائے تو سمجھو کہ اس نے درمیانی مقدار کھائی ۔ میری پچاس روٹیوں کی خوراک ہے اور نہ تجھ سے چھ روٹیاں بھی نہیں چلتیں ۔ تو دس رکعت نماز میں تھک جاتا ہے اور میں پانسوں رکعت پڑھ کر بھی نہیں تھکتا ۔ اسی طرح تو اپنی کم زوری پر مجھے نہ جانچ ، جو چیز تیرے لیے رات ہے میرے حق میں وہی صبح کا سویرا ہوتا ہے ۔

بادشاہ کا ایک درخت کی تلاش کرنا کہ جو اس کا میوہ کھائے وہ کبھی نہ مرے

ایک عقل مند نے قصے کے طور پر بیان کیا کہ ہندستان میں ایک درخت ہے جو کوئی اس کا پھل کھائے تو نہ کبھی وہ بوڑھا ہو نہ کبھی مرے ۔ ایک بادشاہ نے سن کر یقین کر لیا اور اس درخت اور اس کے پھل کا مشتاق ہو گیا ۔ اپنے وزیروں میں سے ایک عقل مند کو قاصد بنا کر اس درخت کی تلاش میں ہندستان بھیجا ۔ وہ شہر شہر پھرا بلکہ نہ کوئی جزیرہ چھوڑا نہ پہاڑ نہ جنگل جس سے اس نے درخت کا پتا نہ پوچھا ہو ۔ [illegible] نے

ہنسی اڑائی اور کہہ دیا کہ ایسی تلاش تو سوا پاگل کے اور کوئی نہیں کرے گا۔ وہ ہر شخص سے برخلاف بات سنتا تھا مگر اپنی دھن چھوڑتا نہ تھا۔ برسوں ہندستان میں سفر کرتا رہا اور بادشاہ اخراجات بھیجتا رہا۔ جب مسافرت کی تکلیف حد سے گزری تو آخر کار درخت کی تلاش سے تنگ آ گیا۔ کیوں کہ درخت کا پتا نشان کہیں نہ ملا اور مقصود کی اصلیت سوا خبر یا روایت کے اور کچھ ثابت نہ ہوئی۔ اس کی امید کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور جس قدر ڈھونڈا تھا وہ سب نہ ڈھونڈنے کے برابر ہو گیا۔ مجبور اور مایوس ہو کر واپس چلا تو روتا جاتا تھا اور راستہ طے کرتا جاتا تھا۔ راستے کی ایک منزل میں کوئی شیخ بڑا عالم اور قطبِ وقت رہتا تھا۔ یہ دل شکستہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوچا میں ہر طرف سے مایوس ہو کر اس کے پاس جاؤں، ممکن ہے کہ سیدھے راستے پر لگ جاؤں۔ چوں کہ میں اپنے مطلب سے نا امید ہوں شاید کہ اس کی دعا میرے ہم راہ ہو جائے۔ الغرض وہ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور برستے بادل کی طرح اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ عرض کی کہ یا حضرت! یہ وقت رحم اور مہربانی کا ہے میں بالکل نا امید ہوں۔ بس یہی گھڑی بخشش کی ہے۔ شیخ نے کہا کہ بات کو اچھی طرح کھول کر کہو کہ نا امیدی کس سبب سے ہے، تیرا مطلب کیا تھا اور تیری دھن اب کیا ہے؟ جواب میں عرض کی بادشاہ نے مجھے ایک درخت کی دریافت پر مقرر کیا تھا جس کا پھل آبِ حیات کا حکم رکھتا ہے۔ میں نے اس کو برسوں ڈھونڈا مگر سوا ہمہ شما کے طعنوں کے اس کا کہیں پتا نہ ملا۔ یہ سن کر شیخ بہت ہنسا اور کہا کہ بھلے مانس! یہ درخت علم کا ہے۔ تو درخت کی ظاہری صورت کا گمان کر گیا اس لیے شاخِ معنیٰ سے بے نصیب رہا۔ کہیں اس کا نام درخت ہو جاتا ہے، کہیں سورج

ہوجاتا ہی، کبھی اس کا نام سمندر ہوجاتا ہی اور کبھی بادل - اس کی ہزاروں صفات ہیں انھی میں سے ایک صفت بقائے دوام ہی - اے جوان! تو صورت کو کیا ڈھونڈتا ہی اس کے معانی کی تلاش کر۔ صورتِ ظاہر تو چھلکا ہی اور معنی اس پھل کا گودا۔ نام چھوڑ اور گُن (صفت) کو دیکھ تاکہ گُن سے تجھے ذات کی رہنمائی ہو۔ نام ہی سے مخلوقات کے آپس میں اختلاف پیدا ہوا ہی، جہاں معنی پر پہنچے کہ اختلاف جاتا رہا۔ اسی مضمون پر ایک مثال سُن تاکہ تو ناموں ہی ناموں میں نہ اٹکا رہ جائے ؛

زبان نہ جاننے کی وجہ سے انگور پر چار آدمیوں کا آپس میں جھگڑا

چار آدمی چار ملکوں کے ایک جگہ جمع تھے، کسی نے ان چاروں کو ایک درم (چاندی کا سکّہ) دے دیا - ان میں ایک ایرانی تھا، ایک تُرک، ایک رومی اور ایک عرب - وہ چاروں اس کے خرچ کرنے میں جھگڑنے لگے۔ ایرانی نے کہا کہ یہ جھگڑا کسی طرح طے ہو، آؤ اس درم کے انگور خرید لیں، عرب نے کہا کہ خدا کی قسم ہرگز نہیں، میں انگور نہ لوں گا، میں تو عنب لوں گا۔ وہ جو تُرک تھا، اس نے کہا اے بدمعاش! مجھے عنب نہیں چاہیے، میں تو اوزم لوں گا۔ رومی (اطالوی) نے تینوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ ان باتوں کو چھوڑو، ہم تو استافیل کھائیں گے۔ چوں کہ ناموں کے معنی سے ناواقف تھے اس لیے آپس میں لڑنے لگے اور مار پیٹ کی نوبت پہنچی کیوں کہ جہالت غالب اور عقل سے خالی تھے۔ اس موقع پر اگر کوئی ملنسار ناموں کے بھید جاننے والا وہاں ہوتا تو ان میں صلح کرا دیتا - وہ کہتا کہ لاؤ، میں اسی درم سے تم سب کی مطلوبہ چیز خریدتا ہوں۔ اگر تم شک وشبہہ چھوڑ کر اپنا دل مجھے سونپ دو

تو یہی ایک درہم تم چاروں کے کام آجائے۔ تمہارا ایک چارہ ہو جائے گا اور چار دشمنوں کو ملا کر ایک کر دے گا۔

تپتے بیابان میں ایک شیخ کا نماز پڑھنا اور اہلِ کارواں کا حیران رہ جانا

ایک چٹیل میدان میں ایک زاہد خدا کی عبادت میں مصروف تھا۔ مختلف شہروں سے حاجیوں کا قافلہ جو وہاں پہنچا تو ان کی نظر اس زاہد پر پڑی۔ دیکھا کہ سارا میدان خشک پڑا ہے مگر وہ زاہد اس ریت پر جس کے بھبکے سے دیگ کا پانی ابلنے لگے، نماز کی نیت باندھے اس طرح کھڑے تھے جیسے کوئی پھلواری یا ہری بھری دوب میں پہنچ کر مست ہو جاتا ہے وہ نماز میں اپنے پیارے سے راز کی باتیں کرتا ہوا گہری فکر میں کھڑا تھا۔ حاجیوں کی جماعت بڑے ادب کے ساتھ اس فقیر کے نماز سے فارغ ہونے تک کھڑی رہی جب وہ فقیر اپنی گہرائیوں میں ڈوب کر ابھرا تو لوگوں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ اور چہرے سے پانی ٹپک رہا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے کپڑے وضو سے بھیگ گئے ہیں۔ حاجیوں نے پوچھا کہ یہ پانی کہاں سے آیا؟ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا کہ یہ سب اوپر سے ہے۔ پھر پوچھا کہ آیا یہ پانی جب تم چاہتے ہو مل جاتا ہے یا کبھی دعا قبول ہو جاتی ہے اور کبھی رد ہو جاتی ہے۔ اے سلطانِ دین ہماری مشکل کو حل کر تاکہ تیرے حال سے ہمارا یقین بڑھے اور ہم جو اسباب کی پوجا کرتے ہیں، اس بت پرستی سے نجات پائیں۔ زاہد نے آسمان کی طرف آنکھیں اٹھائیں اور کہا کہ اے باری تعالیٰ! ان حاجیوں کی دعا کو قبول کر، چوں کہ تو نے بلندی سے مجھ پر دروازہ کھولا ہے اس لیے میں بلندی ہی سے اپنا رزق طلب کرنے کا عادی ہو گیا ہوں۔

زاہد ابھی مناجات کر ہی رہا تھا کہ دیکھتے کیا ہیں، ایک بادل کا ٹکڑا پانی ڈھونے والے

ہاتھی کی طرح سروں پر چھا گیا اور پانی مشکوں اور پکھالوں برسنے لگا۔ بادل تو مشکوں برس رہا تھا اور پیاسے حاجی اپنی اپنی مشکیں بھر رہے تھے۔ اس بیابان میں یہ کرامت دیکھ کر حاجیوں میں سے ایک گروہ نے اپنے دل کے جنیؤ توڑ ڈالے۔ دوسری جماعت کا ان عجائبات سے خدا کی قدرت اور اہل اللہ کی قوت پر یقین بڑھ گیا۔ تیسری جماعت منکروں کی تھی وہ کچے پھل کی طرح کھٹے کے کھٹے ہی رہے۔ اور ہمیشہ کے لیے ناقص رہ گئے ؎

دفترِ سوم

حضرت بلالؓ کا حیّ کو ہیّ کہنا

اگر تیری گفتار ٹیڑھی ہو اور معنی سیدھے ہوں تو وہ ٹیڑھا پن مقبولِ خدا ہے۔ اگر معنی ٹیڑھے اور لفظ اچھّے اچھّے ہوں تو ایسے معنی کسی کام کے نہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا تلفظ ٹھیک نہ تھا اور وہ اذان دیتے وقت حیّ کو ہیّ پڑھتے تھے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے عرض کی کہ اے پیغمبرؐ ایسی ابتدا اسلام میں ٹھیک نہیں۔ ایک موذن جس کا لب ولہجہ درست ہو اس کام پر مقرر فرمائیے۔ دین کے آغاز میں "حیّ علی الفلاح" کا غلط تلفظ کرنا عیب ہے۔ حضرت پیغمبرؐ کا غصّہ تیز ہو گیا اور آپ نے ایک دو نکتے علمِ لدنّی سے ارشاد فرمائے کہ اے نالائقو! خدا کے نزدیک بلالؓ کا ہیّ کہنا تمھارے سو دفعہ حیّ حیّ کہنے اور قیل وقال کرنے سے بہتر ہے۔ مجھے زیادہ ناراض نہ کرو کہیں تمھارے سب راز اوّل سے آخر تک کھول کر نہ رکھ دوں۔

خدا کا موسیٰؑ کو حکم دینا کہ مجھ کو اس منھ سے بلا کہ جس سے کبھی گناہ نہ کیا ہو

اگر تو دعا کے وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول نہیں رہتا تو جا صاف باطن لوگوں سے دعا کروا۔ اسی واسطے حضرت موسیٰؑ سے خدا نے فرمایا کہ اے کلیم اللہ! ایسے منہ سے میری مدد طلب کر جس سے تو نے کوئی گناہ نہ کیا۔ موسیٰؑ نے کہا کہ میرا ایسا منہ کہاں، تو حکم ہوا

کہ دوسرے کے منہ سے دعا کروا کیوں کہ تو نے دوسرے کے منہ سے کوئی گناہ نہیں کیا جس منہ سے تو نے کبھی گناہ نہیں کیا وہ دوسرے ہی کا منہ ہو سکتا ہے تو ایسا عمل اختیار کر کہ بہت سے منہ تیرے واسطے دن رات دعا میں مصروف رہیں۔ اگر یہ ممکن نہیں تو اپنے منہ کو پاک کر اور اپنی روح کو چُکا۔ خدا کا ذکر پاک ہے جہاں پاکی داخل ہوتی ہے وہاں سے ناپاکی دور ہو جاتی ہے۔ ہر چیز اپنی ضد سے بھاگتی ہے۔ چناں چہ جب اُجالا ہوتا ہے تو رات غائب ہو جاتی ہے۔ جب نامِ پاک منہ پر چڑھ جاتا ہے تو نہ وہ پہلا منہ رہتا ہے نہ پلیدی رہتی ہے۔

بندۂ عاجز کا اللہ اللہ کرنا ہی عین خدا کا جواب دینا ہے

ایک شخص رات کو اللہ اللہ کر رہا تھا تاکہ ذکر سے اس کے ہونٹ شیریں ہو جائیں۔ شیطان نے اس سے کہا کہ ابے گُٹھل! چپ! کب تک بکواس کرتا رہے گا۔ یہ جو اللہ اللہ کی رٹ لگائی ہے تو کبھی اُدھر سے جواب بھی پایا۔ جب وہاں کوئی شنائی نہیں ہوتی تو اس رونی صورت سے تو کب تک اللہ اللہ پکارتا رہے گا۔

وہ بہت شکستہ دل ہوا، سر جھکایا تو نیند آ گئی۔ دیکھتا کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام تشریف رکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ارے تو نے ذکر کیوں چھوڑ دیا، کیا تو اس ذکر سے پشیمان ہو گیا؟ اس نے جواب میں عرض کی کہ مجھے ہاں کا جواب نہیں ملتا اس لیے فکر مند ہوں کہ کہیں بارگاہ کا دروازہ مجھ پر بند تو نہیں ہو گیا۔ خضرؑ نے کہا کہ مجھ سے خدا نے ارشاد کیا ہے کہ تجھ سے کہہ دوں کہ اے فریب خوردہ! تو جو اللہ کا ذکر کرتا ہے، وہ ہماری صدائے لبیک[1] ہی تو ہے، اور وہ عجز و سوز و درد جو تیرے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ

---

[1] لبیک = یعنی حاضر ہوں۔ جیسے کسی کے پکارنے پر "جی حاضر" کہا جاتا ہے

ہمارا فرستادہ ہوتا ہے۔ کیا میں نے ہی تجھے اپنے کام پر نہیں لگایا اور کیا میں نے ہی تجھ کو ذکر میں مشغول نہیں کیا۔ تیرا خوفِ خدا اور تیرا عشقِ خدا ہماری عنایت کی کمند ہے اور تو جو یا رب کہتا ہے تو ہر یا رب میں ان گنت لبیکیں چھپی ہوئی ہیں۔ جاہل کی جان اس پکار سے دور رہتی ہے کیوں کہ وہاں یا رب کہنے کا دستور نہیں۔ اس کے منہ اور دل پر قفل لگے ہیں تاکہ تکلیف کے وقت یا خدا کہہ کے نہ روسکے۔

دیہاتی کا شہری کو تصنّع سے دوست بنانا

اگلے زمانے میں ایک دیہاتی کی کسی شہری سے شناسائی ہو گئی۔ جب دیہاتی شہر کو آتا تو ڈیرے خیمے اس شہری کے مکان کے پاس نصب کرتا۔ دو دو تین تین مہینے اس کا مہمان رہتا اور ہمیشہ اسی کی دکان اور اسی کے دسترخوان پر ڈٹا رہتا۔ زمانۂ مہمانی میں جو ضرورتیں اسے پیش آتیں شہری دوست ان کو بھی پورا کرتا۔ ایک دن دیہاتی نے شہری سے کہا کہ کیوں صاحب! آپ ہمارے گاؤں کی طرف تفریح کے لیے بھی کبھی نہیں آتے آپ کو قسم ہے، سب بال بچّوں کو لے کر آئیے کہ یہ زمانہ گل بوٹوں کے کھلنے اور بہار کا ہے۔ یا اگر اب ممکن نہیں تو گرمیوں میں آئیے کہ وہ زمانہ درختوں میں ثمر آنے کا ہے تاکہ آپ کی خدمت گزاری بجا لاؤں۔ اپنے ملازموں، بال بچّوں اور بھائی بندوں کو بھی ساتھ لائیے اور تین چار مہینے ہمارے گاؤں میں آرام کیجیے۔ موسم بہار میں جنگل بہت پُر فضا ہوتا ہے، کھیتیاں لہلہاتی اور لالہ و گل سے رنگین ہوتی ہیں۔

وہ شریف شہری مروّتاً ہوں ہوں کر دیتا اور کچھ نہ کچھ بہانے سے بات ٹال دیتا کبھی کہتا کہ اس سال فلاں علاقے سے میرے ہاں مہمان آئے ہیں۔ کبھی کہتا کہ اگر سالِ آیندہ ضروری کاموں سے فرصت ملی تو تمھاری طرف آؤں گا۔ مگر دیہاتی

ہر سال کلنگ کی طرح آتا اور شہری کے گھر میں آن دھمکتا تھا۔ آخری مہمان داری میں شہری نے پورے تین مہینے صبح و شام کھانا کھلایا۔ دیہاتی نے اس مہمان سے ذرا شرما کر کہا کہ اجی حضرت! آخر کب تک آنے کے دھوکے میں رکھو گے۔ خواجہ نے کہا کہ میں تو تمھارے ہاں آنا چاہتا ہوں مگر یہاں سے سرکنا خدا کے اختیار میں ہے۔ آدمی بادبانی کشتی ہے جب چاہے وہ ہوا چلانے والا کنارے کی طرف لائے۔ دیہاتی نے کئی کئی قسمیں دے کر کہا کہ اے مہربان! ذرا اپنے بال بچّوں کو لے کر وہاں کی سیر بھی دیکھو۔ ہاتھ پکڑ لیا اور تین بار وعدہ لیا کہ ضرور ضرور آنا۔

ایک دن خواجہ کے بچّوں نے کہا کہ ابا جان! چاند، بادل اور سایہ تک حرکت کرتا ہے تم نے ان کی مہمان داری کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی بلکہ ان کی خدمت گزاری میں تکلیفیں اور پابندیاں برداشت کی ہیں اس لیے وہ چاہتا ہے کہ اگر کبھی تم اس کے مہمان ہو تو تمھارے احسانات کا بدلہ کرے۔ اس نے ہم سے بھی بڑی خاطر خوشامد سے کہا ہے کہ ہم ترغیب دے کر آپ کو دیہاتی کے گانو کو لائیں۔ خواجہ نے کہا یہ سب سچ ہے مگر عقل مندوں نے کہا ہے کہ "اپنے احسان مند کے شر سے بچے رہو"۔

دیہاتی نے چاپلوسی کا وہ جال بچھایا تھا کہ خواجہ کی دور اندیشی منزلزل ہو گئی۔ خواجہ کے بچّے خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے کہ گانو میں پہنچ کر خوب خوب سیر کریں گے اور جنگل میں کھیل کود کے دل بہلائیں گے۔

القصّہ خواجہ نے سفر کی تیاری کی اور گانو کو روانہ ہوا۔ اس کے بال بچّے بھی اپنا اپنا سامانِ سفر مہیا کر کے چل نکلے۔ خوشی کے مارے اُچھلتے کودتے راستہ طے کر رہے تھے کہ وہاں سبزہ زار بھی ہیں اور میزبان بڑا فیاض ہے جس نے بڑی بڑی آرزوؤں سے بلوایا ہے اور ہمارے لیے یہاں سے وہاں تک بخشش کے بیج بو دیے ہیں۔ اب جاڑے کے موسم تک وہاں رہ کر شہر کو واپس آئیں گے۔

یہ قافلہ دن بھر دھوپ میں چلتا اور رات بھر ستاروں کو دیکھ کر راستہ نکالتا چلا جا رہا تھا لیکن راستے کی دشواریاں گانو کو پہنچنے کی خوشی نے ہیچ کر دی تھیں۔ سب ہنستے کھیلتے جا رہے تھے اور گانو کی خیالی آسائشوں اور آراموں پر اس قدر دموں دیوانے تھے کہ اگر پرندے کو ادھر اُڑتا ہوا دیکھتے تھے تو بے اختیار ہو کر پھولے نہ سماتے اور جو کوئی مسافر اس گانو کے ادھر آتا مل جاتا اس سے لپٹ لپٹ کر گلے ملتے اور پوچھتے کہ بھائی! ہمارے عزیز دوست کو بھی جانتے پہچانتے ہو۔ اس طرح یہ تھکا ماندہ قافلہ مہینے بھر کی منزلیں مار کر جب اس گانو میں پہنچے تو دیکھتا! وہ دیہاتی بالکل انجان ہو گیا اور دن دہاڑے کہیں باہر چل دیا کہ شہری قافلے کی مہمان داری سے بچے۔ یہ لوگ پوچھتے پوچھتے اس کے گھر پر پہنچے اور عزیزوں کی طرح دروازے پر آئے مگر دیہاتی کے آدمیوں نے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور خواجہ یہ حال دیکھ کر مارے غصے کے دیوانہ ہو گیا۔ لیکن غصہ بے موقع تھا کیوں کہ گڑھے میں گر جانے کے بعد ڈانٹ ڈپٹ سے کیا حاصل الغرض یہ قافلہ پانچ دن تک اس دیہاتی کے دروازے پر ٹھیرا رہا، رات بھر سردی میں ٹھٹرتا اور دن بھر دھوپ کھاتا تھا۔ ان بے چاروں کا قیام نہ تھکے ماندے پن کی وجہ سے تھا نہ بے وقوفی کے سبب سے بلکہ ہاتھ میں پائی نہ رہی تھی اس لیے حیران تھے کہ کیا کریں۔

اکثر ہوتا ہے کہ شریف لوگ بے بسی کی حالت میں کمینے بخیلوں کے دست نگر ہو جاتے ہیں بلکہ جب بھوک حد سے بڑھ جاتی ہے تو شیر مردار تک کھانے لگتا ہے۔ خواجہ دور سے دیہاتی کو دیکھ کر سلام کرتا اور پکار کر کہتا تھا کہ میں تمہارا دوست فلاں خواجہ ہوں۔ دیہاتی دور سے جواب دیتا تھا کہ میں نے آپ کو نہیں پہچانا میں تو اپنی عبادات اور ادائے فرض میں ایسا محو ہوں کہ اپنی بھی سدھ بدھ نہیں بلکہ مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ زندہ ہوں یا مردہ۔ خواجہ نے کہا کہ میرے لیے یہ وقت قیامت سے کم نہیں

جس میں بھائی بھائی سے دور بھاگے گا۔ اس نے اپنی گزری ہوئی خدمتیں جتائیں اور کہا
میں وہی ہوں جس کے دسترخوان پر تم نے دونوں وقت کیا کیا نعمتیں کھائی ہیں۔ ہماری
مہمان نوازی سے ایک جہان آگاہ ہے اور کھانے پینے کی لاج ہر ایک کو ہوتی ہے۔ لیکن
وہ یہی کہتا تھا کہ یہ کیا بک رہا ہے۔ نہ میں تجھے جانوں نہ تیرا نام جانوں نہ تیری مہمانی کی خبر۔

خدا کی کرنی یہ کہ پانچویں رات کو بادل گھر آیا اور اس قدر بارش ہوئی کہ آسمان سے
تلیاں بہنے لگیں۔ جب خواجہ کی ہڈی پر چھری آن لگی تو کنڈی کھٹکھٹائی اور نوکروں سے
کہا کہ اپنے سرکار کو بلاؤ۔ جب خواجہ بہت رویا دھویا تو وہ ظالم دروازے پر آیا اور کہا کہ
آخر تو کیا کہنا چاہتا ہے۔ خواجہ نے کہا کہ میں نے مہمانی کے سب حقوق چھوڑے اور جو کچھ
میں سمجھا تھا اس سے بھی باز آیا۔ دھوپ اور سردی کی مصیبت میں یہ پانچ دن پانچ برس
کی برابر ہم پر بھاری کٹے لیکن اب بارش کی تکلیف اٹھانی دوبھر ہو گئی ہے بہتر ہے کہ مجھے قتل
کر دیجیے میں اپنا خون بخشتا ہوں ورنہ رات کی رات مینہ سے بچنے کے لیے مکان کا ایک گوشہ
ہمیں دے دیجیے خداوند تعالیٰ روزِ قیامت آپ کو اس کا اجر دے گا۔ دیہاتی نے کہا
صرف وہ جگہ جہاں ہمارا باغبان رہتا ہے اور بھیڑیے کی نگرانی کرتا ہے وہ مل سکتی ہے ہم اس کو تیر کمان
دے دیتے ہیں تاکہ اگر بھیڑیا آئے تو اس کو مارے۔ اگر تو یہ خدمت بجا لائے تو جگہ حاضر ہے ورنہ
کوئی دوسرا گھر ڈھونڈ لے۔ خواجہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ ایسی ایسی سو خدمتیں بھی انجام
دینے کو میں حاضر ہوں، لائیے وہ تیر کمان مجھے دیدیجیے۔ آپ کے مویشی اور انگوروں
کی پاسبانی ساری رات میں کروں گا اور اگر بھیڑیے کی بھنک بھی پڑ جائے تو اسی نشان پر
تیر ماروں گا۔ غرض اس قرارداد پر باغ کا ایک کونہ خالی تھا اس میں وہ بال بچوں سمیت
جا گھسا۔ دیکھا کہ جگہ اس قدر تنگ ہے کہ اِدھر سے اُدھر کھسکنے کی گنجایش نہیں اور برساتی پانی
اس میں بھی گھس رہا تھا، وہ سب ٹڈیوں کی طرح ایک پر ایک وہیں سما گئے۔ رات بھر
یہی کہتے رہے کہ اے خدا! جو ذلیلوں سے دوستی کرے اور نالائقوں سے شرافت کے ساتھ

پیش آئے اس کی یہی سزا ہے۔ بہر حال وہ شہری تیر کمان ہاتھ میں لیے رات بھر پاسبانی کرتا رہا۔ اِدھر کال کوٹھڑی میں ہر مچھر اور پسّو بھیڑیا بنا ہوا تھا اور زخم پر زخم لگا رہا تھا بھیڑیے کے آجانے کے خوف سے اس بے چارے کو مچھر اڑانے کی بھی مہلت نہ تھی کہیں بھیڑیا آکر کوئی نقصان پہنچا دے اور وہ دیہاتی آکر ڈاڑھی نوچ ڈالے۔ آدھی رات تک دانتوں میں انگلی پکڑے باغ کا چپّہ چپّہ دیکھتا رہا۔ مارے تھکن کے سانس ناک سے ہونٹوں پر آتا تھا۔ اتفاقاً بھیڑیے کی شکل کے ایک جانور نے درختوں کی باڑ میں سر نکالا خواجہ نے فوراً تیر کو چلّے پر چڑھا کر ایسا نشانہ لگایا کہ وہ جانور وہیں اُلٹ کر گرا۔ وہ جانور جو گرا تو اس کا گوز نکل گیا اور اس کی آواز دیہاتی نے سُنی۔ وہیں ہائے کا نعرہ مارا اور سر پیٹنے لگا۔ اور کہا کہ ارے نامعقول یہ تو میرا بچھیرا تھا۔ خواجہ نے کہا نہیں وہ بھیڑیا شیطان کی طرح چھپا ہوا آیا تھا۔ دیہاتی نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ میں اس کے گوز کی آواز کو پہچانتا ہوں۔ تو نے یقیناً میرے بچھیرے کو عین سبزہ زار میں مار ڈالا۔ خواجہ نے کہا کہ آپ اچھی طرح تحقیق کرلیں کیوں کہ رات کی اندھیری میں کوئی چیز سوجھا نہیں کرتی اور یہ رات تو گھٹا اور مینہ کی وجہ سے اور بھی تاریک ہے۔ ممکن ہے کہ مجھے غلط نظر آیا ہو۔ دیہاتی نے کہا کہ تجھ پر رات تاریک سہی مگر چوں کہ اپنی گدھی کے بچھیرے کی ہر آواز پہچانتا ہوں اس لیے یہ رات مجھ پر روزِ روشن کی مانند ہے۔ یہ سنتے ہی خواجہ بلبلا اٹھا اور دیہاتی کے گریبان میں ہاتھ ڈالا اور کہا ابے بناوٹی بھولے تو نے بڑی چال کھیلی جیسے کسی نے بھنگ اور افیون ملا کر استعمال کی ہو۔ جب کہ تو اس اندھیرے میں بچھیرے کے گوز کی آواز کو پہچانتا ہے تو مجھے کیسے نہیں پہچانتا جو شخص آدھی رات کی اندھیری میں اپنے بچھیرے کو پہچان لے وہ دس برس کے قدیم دوست کو جتنا خست نہ کرے۔ تو دعویٰ کرتا ہے ولیکن اپنی کی خبر نہیں اور میرے دل میں سوا خدا کے کچھ نہیں اور تو کہتا ہے کہ جو کچھ کل میں نے کہا تھا وہ تجھے یاد نہیں۔ الٰہی۔ بےخودی کے عالم میں مجھے جان پہچان سے معاف کرو۔ تو فقیری اور بےخودی کی بڑ میں ہانکتا تھا اور عاشقانِ خدا

کی سی باتیں بناتا تھا کہ مجھے زمین و آسمان میں تمیز نہیں کہ غیرتِ خدا نے تیری آزمائش کرادی کہ تیرے بچھڑے کے گوز نے تجھے رسوا کردیا اور بے خودی کا راز افشا کردیا۔ خداوند تعالے دھوکے اور فریب کو اسی طرح رسوا کیا کرتا ہے اور بھاگے ہوئے شکار کو یوں ہی گرفتار کراتا ہے۔ اسے بے وقوف ایسی مستی مت کر کہ جب تو ہوش میں آئے تو پشیمان ہو بلکہ ان مستوں میں شریک ہو کہ جب وہ مے پیتے ہیں تو بڑے بڑے عقل مند ان کی باتوں اور حرکتوں پر عش عش کرتے ہیں۔

مجنوں رح اور لیلیٰ کی گلی کا کتا

مجنوں رح ایک کتے کی بلائیں لیتا تھا، اس کو پیار کرتا تھا اور اس کے آگے بچھا جاتا تھا جس طرح حاجی کعبے کے گرد سچی نیت سے طواف کرتا ہے اسی طرح مجنوں رح اس کتے کے گرد پھر کر صدقے قربان ہو رہا تھا کسی بازاری نے دیکھ کر آواز دی کہ ای دیوانے یہ کیا پاکھنڈ تو نے بنا رکھا ہے۔ کتے کا بچہ ہمیشہ غلاظت کھاتا ہے اور اپنے چوتڑوں کو اپنی ہی زبان سے چاٹا کرتا ہے۔ اسی طرح کتے کے بہت سے عیب اس نے گنائے کیوں کہ عیب دیکھنے والا غیب کی بھنک بھی نہیں پاتا۔ مجنوں نے کہا کہ تو ظاہری صورت کا دیکھنے والا ہے ذرا گہرائی میں اتر اور میری آنکھوں سے اسے دیکھ کہ یہ میرے مالک کی محبت میں گرفتار ہے یعنی کوچۂ لیلیٰ کا نگہبان ہے۔ ذرا اس کی ہمت اور اس کے انتخاب پر غور کر کہ اس نے کس مقام کو پسند کیا ہے۔ وہ جگہ جو میرے دل کا چین ہے یہ اس جگہ کا مبارک کتا ہے۔ وہ میرا ہمدرد اور ہم جنس ہے۔ جو کتا لیلیٰ کے کوچے میں رہ گیا اس کے پاؤں کی خاک بڑے بڑے شیروں سے بھی افضل ہے۔ میں شیر کو اس کے ایک بال برابر بھی نہیں سمجھتا۔

اسی لیے دوستو! اگر صورت سے نظر اٹھا لو اور معنی میں پہنچ جاؤ تو وہاں جنت

ہی جنّت ہے ؛

ایک گیدڑ کی شیخی جو رنگ کے ناندولے میں گر پڑا تھا

وہم کی لذّت سے تو اپنا دل اس طرح خوش کر لیتا ہے جیسے کوئی شخص پھونک کر اپنی مشک کو پھلا لے حالاں کہ وہ پھولی ہوئی مشک سوئی کے ایک چھید میں ہوا سے خالی ہو سکتی ہے

یہ حکایت سنو کہ ایک گیدڑ رنگ کے ناندولے میں گر پڑا اور ایک گھنٹے تک اسی میں پڑا رہا۔ جب نکلا تو دیکھا کہ اس کی کھال رنگین ہو گئی ہے یہ دیکھ کر کہنے لگا کہ او! میں تو مور ہو گیا۔ اس کے رنگین بال بہت خوب صورت ہو گئے اور دھوپ میں بالوں کا رنگ اور بھی چمکنے لگا۔ اس نے جو دیکھا کہ سرخ، سبز، عنابی اور زرد سب قسم کے رنگوں سے رنگین ہے تو دوسرے گیدڑوں کے سامنے پہنچا اور اترانے لگا۔ سب نے کہا اے گیدڑے یہ تیرے کیا سر میں سمائی ہے کہ اپنے کو اونچا کھینچ کر ہم سے الگ ہو گیا۔ یہ غرور تو نے کہاں سے پیدا کیا؟ تو جوش میں تو آ گیا مگر گرمی کا نام نہیں۔ تو نے تو مکر سے بے شرمی کا جال پھیلایا ہے۔ اس رنگے ہوئے گیدڑ نے ملامت کرنے والے کے کان میں کہا مجھے اور میرے رنگوں کو دیکھو تو سہی کہ بت خانوں میں ایک صنم بھی اتنا خوب صورت نہیں۔ اے گیدڑو! اب تم مجھ کو گیدڑ نہ پکارو بھلا گیدڑ کو یہ حسن و جمال کہاں نصیب؟ سارے گیدڑ اس کے اطراف جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ اے صاحب کمال! ہم تجھے کیا پکاریں۔ اس نے کہا کہ میرا نام مور ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ مور تو باغوں میں بہار دکھاتے ہیں تو کیا تو بھی باغوں کا رہنے والا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں میں جنگل ہی میں نہیں ناچتا تو باغ کا کیوں کر اقرار کر لوں۔ پھر انھوں نے پوچھا کہ آیا تو مور کی سی آواز نکال سکتا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں۔ گیدڑوں نے کہا کہ اے احمق پھر تو کیوں کر مور ہو گیا؟

مور کا رنگ، برنگی خلعت قدرت سے اسے ملتا ہے۔ فقط کھال رنگ لینے سے تجھ میں مور کے اوصاف کہاں سے آجائیں گے؟

ایک شیخی خورے کا ہونٹ اور مونچھوں کو چربی سے چکنا کرنا

سچائی اور جوش اولیا کا شعار ہے اس کے مقابل دغابازوں کی ڈھال بے شرمی ہے۔ مخلوقِ خدا کو اپنے دام میں گرفتار کرنے کے لیے ظاہر کرتے ہیں کہ ہم بالکل خوش اور بے فکر ہیں دراں حالیکہ ان کا باطن سراسر پریشان ہوتا ہے۔

ایک سفلے شخص کو دُنبے کی چکنی کا ٹکڑا مل گیا۔ روزانہ صبح کو اس سے اپنی مونچھیں چکنی کرکے تاؤ دینے لگا۔ وہ امیروں میں جا بیٹھتا اور کہتا کہ آج خوب مرغن چیزیں کھانے میں آئیں اور ثبوت میں مونچھوں پر تاؤ دیتا تھا۔ مطلب یہ کہ دیکھو مونچھیں تک چکنی ہو رہی ہیں۔

وہ تو اپنی دولت مندی کا دعویٰ کرتا اور اس کا معدہ مونچھوں پر لعنت ملامت بھیجتا تھا کہ اے خدا ان کمینے شیخی جتانے والوں کی قلعی کھول دے کہ شاید کوئی خدا کا سخی میری بھوک دور کرے۔ آخر خدا نے پیٹ کی فریاد سن لی اور ایک روز ایک بلی چربی کا وہ ٹکڑا لے اُڑی۔ گھر کے لوگ بلی کے پیچھے دوڑے مگر وہ ہاتھ نہ آئی۔

باپ کی خفگی کے ڈر سے بچے کا چہرہ فق ہو گیا۔ اس نے بھری محفل میں آکر شیخی خور باپ کی عزت خاک میں ملا دی۔ یعنی اس نے کہا کہ وہ چربی کا ٹکڑا جس سے آپ ہر صبح کو ہونٹ اور مونچھیں چکنا یا کرتے تھے اس کو بلی لے گئی۔ ہم نے بہتیرا اس کا پیچھا کیا مگر ناکام رہے۔ وہ شیخی باز اس وقت بھی بیٹھا ڈینگیں ہانک رہا تھا۔ یہ جو سنا تو رنج کے مارے دم بخود ہو گیا۔ وہ بھری محفل میں اس قدر شرمندہ ہوا کہ سر جھکا کر

خاموش ہو رہا اور پھر زبان نہ ہلائی۔ اہل محفل کو بڑی حیرت ہوئی۔ کچھ ہنسی بھی آئی۔ مگر دولت مندوں نے اس کے حال پر رحم کھایا اور پھر وہ اس کی دعوتیں کر کے اس کا پیٹ بھرنے لگے۔ جب اس نے اہل کرم کے برتاؤ سے سچائی کی لذت پائی تو تکبر کو ترک کر کے سچائی کا غلام ہو گیا۔ پس تو بھی سچائی اختیار کر تا کہ دونوں عالم میں نیک نام رہے۔

ایک سپیرے کا ٹھٹھرے ہوئے اژدہے کو بغداد میں لانا

جو غرور فرعون میں تھا وہ تجھ میں بھی موجود ہے لیکن تیرے اژدہے کنوئیں میں بند ہیں

کہتے ہیں کہ ایک سپیرا پہاڑ پر سانپ پکڑنے گیا وہ برف باری کے زمانے میں ڈھونڈتا پھر رہا تھا کہ اس نے ایک بہت بڑا مردہ اژدہا دیکھا جس کے دیکھنے سے اس کا دل خوف زدہ ہو گیا۔ سپیرا تو نادان عوام کو حیران کرنے کے واسطے سانپ پکڑا کرتا ہی۔ اس نے مردہ اژدہا اُٹھایا اور شہر بغداد میں اس کا تماشا دکھانے لایا۔ اژدہا کیا تھا، پورا ستون کا ستون تھا۔ اسے باندھ کر کھینچتا ہوا لایا اور پکارا کہ میں ایک مردہ اژدہا لایا ہوں۔ اس کے شکار میں میں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال دی تھی۔ وہ تو اس کو مردہ گمان کرتا تھا لیکن در اصل اژدہا زندہ تھا۔ وہ سردی اور برف باری سے ٹھٹھر گیا تھا اور مردہ دکھائی دیتا تھا۔ القصہ ایک تالاب کے کنارے اس نے پکارنا شروع کیا جس سے شہر بغداد میں یہ خبر پھیل گئی کہ سپیرا ایک اژدہا لایا ہی اور بہت نادر قسم کا ہی جو آج تک نہ دیکھا گیا اور نہ سُنا گیا۔ ہزاروں بے وقوف جمع ہو گئے۔ سپیرا انتظار میں تھا کہ اور زیادہ خلقت جمع ہو جائے تو دکھائے کیوں کہ جس قدر لوگ زیادہ جمع ہوں پیسے بھی زیادہ ملتے ہیں۔ غرض خلقت

کا اژدہام اس قدر ہوا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ یکایک اژدہے نے اپنا منہ کھولا پھر تو دیکھنے والوں کا مارے دہشت کے منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اژدہا برف سے ٹھٹھرا ہوا تھا اور بہت سے ٹاٹ کے ٹکڑوں اور پردوں میں چھپا ہوا تھا اور رسیوں میں بندھا ہوا تھا۔ ایک طرف تو لوگوں کے جمع ہونے میں دیر ہوئی اور لوگوں نے غل غپاڑا مچایا۔ دوسری طرف ملک عرب کا گرم آفتاب چمکا۔ اس گرمی سے وہ اژدہا جو سنکا اور اس کے جوڑ بند کھلے تو وہی مردہ اژدہا زندہ ہوکر رینگنے لگا۔ یہ دیکھ کر خلقت میں چیخم دھاڑ اور ایک دم بھاگڑ پڑ گئی۔ اس نے ساری رسیاں توڑ ڈالیں اور بڑی زبردست سرسراہٹ کی آواز کے ساتھ ہر طرف پھرنے لگا۔ وہ بالکل قبضے سے باہر ہوگیا اور شیر کی طرح غرّایا۔ اس بھاگڑ میں اس قدر مخلوق کچلی گئی کہ بہت سے لوگ مر گئے۔ ادھر سنپیرے کے مارے خوف کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس نے اپنے جی میں کہا کہ ہائیں! میں پہاڑیوں میں سے یہ کیا اٹھا لایا۔ اس اندھے بھیڑیے کو میں نے ہشیار کردیا اور اپنے ہاتھوں اپنی موت بلائی۔ اتنے میں اژدہے نے اس کا لقمہ کیا اور نہتّے کا کھا جانا کیا بڑی بات ہے۔ اس کے بعد اژدہے نے ایک ستون سے اپنے کو لپیٹا اور ایسا ایک بل کھایا کہ اس سنپیرے کی ہڈیاں تک چورا چور ہوگئیں۔

تیرا نفس بھی اژدہا ہے۔ یہ ہرگز مردہ نہیں بلکہ بے سروسامانی کی وجہ سے ٹھٹھرا ہوا ہے۔ فرعون جس کے حکم سے دریا کا پانی رواں ہوتا تھا، اگر ویسی قدرت وحکومت تجھ کو مل جائے تو تو بھی ایسی فرعونی کرے گا کہ سو موسیٰؑ اور سو ہارونؑ پر چھاپا مارے گا۔

لوگوں کا اندھیری رات میں ہاتھی کی شناخت پر اختلاف کرنا

اے تو دیکھنے والے، کافر و مومن و بت پرست کا فرق الگ الگ پہلو سے نظر ڈالنے کے باعث ہی تو ہے۔

کسی غیر ملک میں اہلِ ہند ایک ہاتھی دکھانے لائے اور اسے بالکل تاریک مکان میں باندھ دیا۔ لوگ باری باری سے آتے اور اس اندھیرے گھر میں داخل ہوتے وہاں صاف کچھ نظر نہ آتا تھا اس لیے ہر شخص اس کو ہاتھ سے ٹٹولتا تھا جس کا ہاتھ سونڈ پر پڑا اس نے کہا کہ ہاتھی نلیے جیسا ہے اور جس کا ہاتھ کان پر پڑا اس نے جانا کہ وہ پنکھے جیسا ہے اور جس کا ہاتھ پیر پر پڑا اس نے کہا وہ ستون جیسا ہے اور جس کا ہاتھ اس کی پیٹھ پر پڑا اس نے کہا کہ ہاتھی تو تخت کی مانند ہے۔ اسی طرح ہر شخص جانتا تھا کہ بس ہاتھی ویسا ہی ہے جیسا کہ اس نے ٹٹول کر جانا ہے۔ ہر ایک کی ٹٹول جدا تھی۔ اس لیے کسی نے دال کہا اور کسی نے الف۔ اگر ہر شخص کے ہاتھ میں شمع ہوتی تو سب کا اختلاف مٹ جاتا آنکھوں کی بینائی بھی ہاتھ کی مانند ہے کہ ہاتھ پورا ہاتھی معلوم کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ دریا کا پاٹ اور ہے اور دریا کے جھاگ دوسری چیزیں ہیں۔ تجھے چاہیے کہ جھاگ سے نظر ہٹاتے اور آنکھوں سے دریا کو دیکھے۔ رات دن دریا سے جھاگ اٹھتے ہیں تو انھیں دیکھتا ہے مگر تعجب ہے کہ دریا کو نہیں دیکھتا۔

کنعان کا نوحؑ کے بلانے کو نہ ماننا

جب تک کہ روح تیرے سینے سے خود نہ بول اٹھے تو زبان نہ ہلا، نوحؑ کی کشتی میں بیٹھ اور اپنا تیرنا چھوڑ دے جیسے کہا وقت ہے کہ کنعان جو بڑا تیراک تھا کہنے لگا کہ نوحؑ ہمارا دشمن

ہو ہمیں اس کی کشتی نہیں چاہیئے۔ بہتیرا نوحؑ نے کہا کہ آ ہمارے ساتھ کشتی میں بیٹھ جا تاکہ طوفان میں غرق ہونے سے بچ سکے۔ مگر کنعان نے جواب دیا کہ میں تیرنا جانتا ہوں، میری شمع میرے ساتھ ہے۔ تیری شمع کی کیا پروا۔ نوحؑ نے کہا ہائیں ایسا نہ کر، یہ طوفان ایک بلا ہے۔ ساری تیراکی رہ جائے گی۔ ہاتھ پیر شل ہو جائیں گے۔ ہوا کے جھکڑ سب شمعوں کو بجھا دیں گے۔ اس میں سوا حق کی شمع کے اور کوئی روشن نہ رہ سکے گی۔

کنعان نے کہا کہ میں اونچے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور پہاڑ ہر طغیانی سے محفوظ ہے۔ نوح نے کہا خبردار ایسا نہ کرنا۔ وہ پہاڑ بھی اس موقع پر گھاس کی ایک پتّی کے برابر ہے۔ اور خدا سوا اپنے دوستوں کے اور کسی کو نجات نہ دے گا۔ کنعان نے کہا کہ میں نے آج تک تیری نصیحت کب سنی تھی کہ تو اب میرے نصیحت ماننے کی امید کرتا ہے۔ مجھے ہرگز تیری بات پسند نہیں آئی۔ میں دونوں جہان میں تجھ سے الگ ہوں۔ نوحؑ نے کہا کہ اے فرزند اس وقت ضد مت بن۔ یہ موقع اڑنے کا نہیں کیوں کہ خدا کا نہ کوئی رشتے دار ہے نہ کوئی برابری والا۔ تو نے جو کچھ کیا سو کیا مگر یہ وقت نازک ہے، اس بارگاہ میں کس پر کون ناز کر سکتا ہے۔

الغرض وہ اس طرح نصیحتیں کرتا اور اسے بلاتا رہا اور سخت جواب سنتا رہا۔ نہ باپ نصیحت سے باز آیا نہ اس بدبخت نے کوئی بات مانی۔ یہ دونوں ان ہی باتوں میں تھے کہ ایک تیز موج آئی اور سوکھے پتّے کی طرح کنعان کو بہا کر ریزہ ریزہ کر دیا۔ نوحؑ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کی اے رحیم و کریم بادشاہ میرا گدھا مر گیا اور تیری موج میری کملی کو بہا لے گئی۔ تو نے تو مجھ سے بارہا وعدہ کیا کہ میرے لوگ طوفان سے بچے رہیں گے

ارشادِ خداوندی ہوا کہ وہ تیرے لوگوں میں سے نہ تھا۔ تجھے خود سفید اور نیلے میں تمیز نہیں رہی۔ جب تیرے دانت میں کیڑا لگ جائے تو اس دانت سے ہاتھ دھو اور اس کو اکھڑوا دے۔ اگرچہ وہ دانت تیرا ہی تھا مگر تو اس سے بیزار ہو جا تاکہ تیرا باقی

جسم اس واشت سے درد مند نہ ہو جائے ۔ نوحؑ نے عرض کی کہ میں تیری ذات کے سوا غیر سے بیزار ہوں اور وہ کون غیر ہے جو تجھ سے نہ ہارا ہو ۔ تو خود جانتا ہے کہ تیرے ساتھ میرا کیا حال ہے ۔

پھر ارشاد ہوا کہ اے نوحؑ اگر تو سب کو دوبارہ پیدا کرنا چاہے تو ابھی زمین سے اٹھا دوں گا ۔ ایک کنعان کے لیے میں تیرا دل نہیں توڑوں گا لیکن اس کے احوال سے تجھے آگاہ کرتا ہوں ۔ حضرت نوحؑ نے عرض کی کہ نہیں نہیں اگر تجھے منظور ہو تو مجھے بھی غرق کر دے میں راضی ہوں ۔ اگر تو مجھے مارے گا تو وہ موت ہی میری جان ہو جائے گی میں تیرے سوا کسی کو نہیں دیکھوں گا ۔

خدا کی صنعت کا دل دادہ صاحب عزت ہوتا ہے مگر جو بنی ہوئی چیز پر فریفتہ ہو وہ کفر کی ذلت میں مبتلا ہو جاتا ہے ؂

حیرت کا غلبہ بحث و فکر کو روک دیتا ہے

ایک کھچڑی ڈاڑھی کا ادھیڑ آدمی حجام کے ہاں آیا اور کہا کہ میری ڈاڑھی سے سفید بال چن دے کہ میں نے نئی شادی کی ہے ۔ خاص تراش نے پوری ڈاڑھی مونڈھ کر سامنے رکھ دی اور کہا کہ میاں ! آپ ہی اپنی مرضی کے مطابق چن لو مجھے فرصت نہیں ۔

اس سوال جواب کا مطلب یہ ہے کہ دین دار آدمیوں کو باریکیاں تراشنے کی فرصت نہیں ہے ۔

ایک شخص نے زید کے چانٹا رسید کیا ، زید نے بدلہ لینے کو حملہ کیا ۔ چانٹا مارنے والے نے کہا کہ میں تجھ سے ایک سوال کرتا ہوں اس کا جواب دے پھر جتنا چاہے مار لے میں نے جو تیری گدی پر چانٹا مارا تو طراق سے آواز آئی ، تو یہ بتا کہ یہ آواز میرے ہاتھ

کی تھی یا تیری گُدّی کی ۔ اس نے جواب دیا کہ درد اور تکلیف سے اتنی فرصت کسے ہو کہ آواز پر غور کرے ۔ تجھے کوئی تکلیف نہیں ہو تو سوچ چارہ ۔ جو درد میں مبتلا ہوتا ہو اس کو ایسی فکریں نہیں ہوتیں ۔ چاہے مسجد میں جا کر دیکھ اور چاہے بت خانے میں ۔ جو دردمند ہو اس کو دوسری فکر نہیں ہوتی ۔ تیری بے دردی اور غفلت ہی فکر پیدا کرتی ہو ؛

کسی چاہنے والے کا اپنے مطلوب کے سامنے خط پڑھنا

ایک شخص کو معشوق نے اپنے سامنے بلا کر بٹھایا ، اس نے جیب سے خط نکال کر معشوق کے سامنے پڑھنا شروع کیا ۔ اس خط میں بہت سے اشعار معشوق کی مدح و ثنا ، اپنی بے تابی و بے قراری ، سب عزیزوں دوستوں سے بیزاری ، معشوق سے دوری اور ہجر کی تکلیف ، اپنے پیغام اور پیغامبر کا ذکر پوری تفصیل سے تھا ۔ یہ عشقیہ مضمون دیر تک پڑھتا رہا ۔ معشوق نے کہا کہ اگر یہ خط تو مجھے سنا رہا ہو تو وصل کے موقع پر اپنی عمر ضائع کر رہا ہو ۔ میں تیرے سامنے موجود ہوں اور تو خط پڑھنے میں مصروف ہو یہ چال ڈھال عاشقوں کی نہیں ۔ اس نے کہا کہ اگرچہ تو موجود ہو لیکن میں نے اگلے سال جو تُو تجھ تیری دیکھی تھی وہ اس وقت نہیں ہو ۔ اب میں چشمہ تو دیکھ رہا ہوں مگر اس میں پانی نہیں ہو ، ایسا معلوم ہوتا ہو کہ چشمے تک پہنچنے کا راستہ ڈاکوؤں نے روک لیا ہو ۔ معشوق نے کہا کہ بس تو میں تیرا معشوق نہیں ۔ میں بلغار میں ہوں اور تیری مراد خراسان میں ہو ۔ تو مجھ پر عاشق ہو اور میرے حال پر بھی عاشق ہو دراں حالیکہ حال میرے اختیار میں نہیں ۔ پس فقط میں تیرا مقصود نہیں ہوں لہٰذا میں تیرا معشوق نہیں بلکہ معشوق کا گھر ہوں ۔ حالاں کہ عشق اصل چیز سے ہوتا ہو اس کے صندوق سے نہیں ہوتا ؛

ایک شخص کا بے محنت روزی حلال طلب کرنا

ایک شخص حضرت داؤد علیہ السّلام کے زمانے میں روزانہ یہ دعا کرتا تھا کہ اے خدا مجھے بے محنت روزی عطا کر۔ جب تو نے مجھے کاہل، بیمار اور ناکارہ پیدا کیا ہے تو زخمی پیٹھ کے گدھوں پر گھوڑوں اور اونٹوں کا بوجھ نہیں لادا جا سکتا۔ مجھے بے محنت ومشقت غیب سے ایسی روزی دے کہ میں سوا تجھ سے مانگنے کے اور کوئی کوشش نہ کرتے پاؤں۔

بہت دن تک برابر یہی دعا کرتا رہا۔ مخلوق اس کی لاحاصل طمع اور خدا سے زورا زوری کرنے پر ہنستی تھی کہ یہ لمبی ڈاڑھی والا کیا بیہودہ بکتا ہے کسی نے اسے بھنگ تو نہیں پلا دی، روزی حاصل کرنے کا طریقہ تو محنت ومشقت ہی ہے۔ اس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا۔

اس زمانے کے بادشاہ اور پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام تھے جو بڑے صاحبِ کمال تھے لیکن ایسی شان وشوکت اور خدا رسی کے باوجود خدا نے ان کی روزی محنت ومشقت پر منحصر کی تھی۔ جب تک آپ زرہ تیار کرنے کی تکلیف نہ اٹھاتے آپ کو روزی میسر نہ آتی تھی۔ اس پر بھی ایک معمولی نکما آدمی حماقت سے یہ چاہے کہ بغیر محنت وتجارت ٹڈی سے دامن بھر لے ایسا خزانہ تو دنیا میں کسی کو نہیں ملا، بھلا آسمان پر بے سیڑھی کے کون چڑھا۔ کوئی مذاق سے کہتا کہ ہمیں خوش خبری مل چکی جا اور اپنا خزانہ لے لے۔ کوئی کہتا کہ حضرت اگر خزانہ ہاتھ لگے کچھ ہمیں بھی دینا۔ لیکن وہ دھن کا پکا لوگوں کے طعن ومذاق اڑانے سے اپنی دعا اور گڑگڑانا کم نہ کرتا تھا۔ جب اس نے دعاؤں کا تار باندھ دیا تو آخر اس نے جو سب کی سُنتا اور مرادیں بر لاتا ہے دعا سُنی۔ چاہے دعا ناگوار ہو اور چاہے جلد بازانہ ہو۔ لیکن آخرکار مانگنے والا ضرور پاتا ہے۔

ایک دن صبح سویرے بہت ہی آہ و زاری سے وہ شخص اپنی دعا رٹ رہا تھا کہ یکایک ایک گائے نے سینگ مار کر دروازہ توڑ ڈالا اور گھر میں گھس آئی۔ گائے تو بے جھجکے اس کے گھر میں آ پہنچی اور اس نے اُٹھ کر اس کے ہاتھ پیر باندھ دیے اور اس کے بعد بلا تامّل اسے ذبح کر کے فوراً قصاب کے پاس لے گیا تاکہ اس کی کھال چھیل کر صاف کر دے۔ گائے کے مالک نے بھی دیکھ لیا اور چلایا کہ ہائیں میری گائے تو بدک کر نکل گئی تھی۔ بتا تو نے اسے کس طرح مار ڈالا۔ ارے بھوسے بدمعاش! چل عدالت میں فیصلہ ہوگا۔ اس نے کہا کہ میں خدا سے بے محنت روزی طلب کرتا تھا اور کس کس عاجزی منت سے دعا کرتا تھا۔ برسوں سے میرا کام دعا مانگنا تھا یہاں تک کہ خدا نے میرے پاس گائے بھیج دی۔ جب میں نے گائے دیکھی تو جھٹ کھڑا ہو گیا چوں کہ وہ میرا رزق تھا، میری مدتوں کی دعا قبول ہوئی اور مجھے روزی بے محنت ملی اس لیے میں نے اس کو ذبح کر ڈالا۔ بس یہ جواب ہے۔ گائے کا مالک مارے غصے کے لال پیلا ہو گیا۔ اس کا گریبان پکڑا اور منہ پر چند گھونسے لگائے اور اس کو داؤد نبیؑ کے پاس پکڑ کر لے چلا کہ ای ظالم چل تجھے اپنے کیے کی سزا دلاؤں۔ ارے دعا باز یہ دعا دعا کیا بکتا ہے اس نے کہا کہ میں نے بہت دعائیں مانگی ہیں اور اس خوشامد میں مدتوں اپنا خون آپ پیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میری دعا قبول ہوئی ہے۔

مالک نے چیخنا شروع کیا کہ ای مسلمانو! ذرا یہاں آؤ اور اس کی جو اس تو سنو۔ یہ دعا مانگ کر میرا مال ہڑپ کرنے کا حق جتاتا ہے۔ اگر عالم میں یہی قانون ہوتا تو خالی دعا کرنے والے دولتِ دنیا کے مالک ہو جاتے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو سارے اندھے فقیر دولت مند امیر بن جاتے۔ وہ تو رات دن یہی دعا کرتے رہتے ہیں کہ یا الٰہی تو ہم کو دوسرے اندھوں کی محنت و مشقت سوا گڑگڑا کر دعا مانگنے کے اور کیا ہے لیکن بھیک میں ۰۰ پانی اور روٹی کے ٹکڑے اور کیا ملتا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ مسلمان ٹھیک بات کہتا ہے اور یہ

دعا فروش ظالم ہی۔ ایسی ایسی دعاؤں سے کوئی دولت مند کیسے ہو سکتا ہی اور ایسا فعل شریعت کی حدود میں کیوں کر آسکتا ہی۔ کوئی شخص کسی چیز کا مالک اسی حالت میں ہو سکتا ہی کہ یا خریدے یا بھیک سے حاصل کرے یا وصیت میں پائے یا کوئی خوشی سے دے دے۔ پس یا تو گائے واپس دو یا قید خانے کی سیر کرو۔ وہ آسمان کی طرف دیکھ کر کہتا تھا کہ ای رحیم و کریم میں نے مدتوں اسی آرزو میں دعائیں کی ہیں اور سوا تیرے ان سے کوئی واقف نہیں۔ تو ہی نے میرے دل میں دعا ڈالی۔ سینکڑوں امیدوں کے چراغ روشن کیے۔ میں نے وہ دعائیں خالی خولی نہیں کی تھیں بلکہ یوسف کی طرح کتنے ہی خواب دیکھے تھے۔ اس دغا باز نے مجھے اندھا کہا ہی ای خدا یہ اس کا قیاس ابلیسانہ ہی بھلا میں نے اندھے پن سے دعا کب کی ہی۔ میں نے تو سوا خدا کے کسی سے بھیک نہیں مانگی۔ اندھا تو اپنی نادانی کی بنا پر مخلوق سے سوال کرتا ہی مگر میں نے تو تجھ سے سوال کیا کہ تجھ پر ہر دشوار آسان ہی۔ مخلوق میرے بھید کو نہیں پہچانتی اور میری بات کو بیہودہ جانتی ہی۔ وہ بھی سچ کہتی ہی کیوں کہ سوا بھید کے جاننے والے اور عیبوں کو چھپانے والے کے اور دوسرا کون ہی کہ غیب داں ہو۔

مدعی نے کہا کہ اسے میری طرف دیکھ اور سچ سچ کہہ یہ آسمان کی طرف کیا دیکھتا ہی۔ یہ کیا ہتکنڈا بنایا ہی۔ دھوکے سے اپنی خدا رسی جتا رہا ہی۔ جب تیرا دل ہی مردہ ہی تو کس منہ سے آسمان کی طرف دیکھتا ہی۔ الغرض سارے شہر میں ہلکم مچ گئی اور اس دعا کرنے والے نے زمین پر سجدے میں سر رکھ دیا۔ کہ ای خدا اس بندے کو بدنام نہ کر۔ اگر میں برا بھی ہوں تو میری برائی کو فاش نہ کر تو جانتا ہی کہ طویل طویل راتوں میں کس کس عجز و زاری کے ساتھ تجھے پکارتا ہوں۔ اگر میری عبادت کی قدر مخلوق کو نہیں تو نہیں سہی مگر تجھ پر روشن ہی۔ ای خدا یہ لوگ مجھ سے گائے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ تو نے گائے کیوں بھیجی؟ اس میں میری کوئی خطا نہیں تھی۔

جب داؤد علیہ السلام باہر تشریف لائے اور غل غپاڑا سُنا تو پوچھا کہ کیا ماجرا ہے۔ مُدّعی نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ اے نبی اللہ! میری گائے اس کے گھر میں گھس گئی۔ اس نے میری گائے کو ذبح کر لیا، اب آپ اس سے دریافت کریں کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا کہ اے شخص! بتا تو نے اس کی گائے کیوں ذبح کر ڈالی واہی تباہی باتیں نہ کر، معقول بات کر تاکہ اس دعوے کا فیصلہ کیا جا سکے۔

اس نے عرض کی کہ اے داؤدؑ! میں سات سال سے دن رات یہی دعا مانگتا تھا کہ اے کریم و رحیم! مجھے روزی حلال بے محنت عطا فرما۔ شہر کی ساری خلقت کیا مرد اور کیا عورت سب واقف ہے۔ اور بچے تک اس بات کی ہنسی کیا کرتے تھے آپ کسی سے اس کی تصدیق فرما لیں کہ یہ پھٹے کپڑوں والا فقیر سچ کہتا ہے یا نہیں، اتنی مدت کی دعاؤں کے بعد ایک دن گائے میرے گھر میں آگئی۔ میری آنکھوں میں اندھیری آگئی۔ اس لیے نہیں کہ رزق مل گیا بلکہ اس خوشی میں کہ میرے اتنے برسوں کی دعا قبول ہوئی میں نے گائے کو ذبح کر دیا کہ خدا کے شکرانے میں فقیروں پر تقسیم کر دوں جس نے میرے دل کی مراد پوری کر دی۔

حضرت داؤد نے فرمایا کہ ان باتوں کو چھوڑ اگر کوئی شرعی دلیل ہے تو وہ بیان کر۔ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں کسی معقول دلیل کے بغیر ایسا فیصلہ کر دوں کہ شریعت میں باطل قانون چل پڑے تجھے وہ گائے کسی نے بخشی یا تو نے خریدی کہ تو اس کا مالک بن گیا۔ بس اینچ پینچ نہ کر۔ اس مسلمان کو قیمت ادا کر اور اگر پاس نہیں ہے تو قرض لے کر دے۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ! تم بھی یہی کہتے ہو جو یہ بے درد کہتے ہیں پھر اس نے سچے دل سے آہ کی اور کہا کہ اے میرے سوزِ دل کے جاننے والے تو ہی داؤدؑ کے دل میں اس کی روشنی ڈال۔ یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ یہاں تک کہ داؤدؑ کا دل ہل گیا۔ داؤدؑ نے کہا کہ اے گائے والے آج

کے آج مہلت دے اور مقدمہ ملتوی کرتا کہ میں خلوت میں نماز پڑھوں اور یہ احوال اس ... جاننے والے سے دریافت کروں ۔ میرا خلوت میں نماز کے لیے جانا تعلیم خلق سنت ہے ۔

پھر حضرت داؤدؑ چپ چاپ تنہائی میں چلے گئے ۔ آپ نے دروازہ بند کر دیا اور محراب میں جاکر دعا میں مصروف ہوئے ۔ جتنا بتانا تھا خدا نے بتا دیا اور داؤد علیہ السلام اس مقدمے کے طریق سزا سے واقف ہو گئے ۔ دوسرے دن مدّعی و مدّعا علیہ داؤدؑ کے پاس حاضر ہوئے پھر مقدمہ شروع ہوا اور مدّعی نے سخت گالی گلوچ شروع کی کہ پیغمبرِ برحق کے عہد میں ایسا ظلم صریح ہو رہا ہے کہ گائے کو مار کر کھا گیا اور جواب دہی کے موقع پر اپنی خدارسی کا فریب دیتا ہے ۔ اے خدا کے رسول کیا یہ جائز ہے کہ گائے جو میری ملک تھی وہ خدا نے اسے دے دی ۔ حضرت داؤدؑ نے کہا کہ خاموش ہو جا اور اس کا پیچھا چھوڑ اور اس مسلمان کو اپنی گائے معاف کر دے ۔ اے جوان جب خدا نے تیرے گناہ کو پوشیدہ کیا ہے تو بھی اس کی ستاری کا حق ادا کر اور صبر کر لے ۔ اس نے واویلا مچانی شروع کی کہ یہ کیا حکم اور کیا انصاف ہے کہ مجھ غریب کے لیے نیا قانون وضع ہوا ۔ اے داؤدؑ تمہارے عدل و انصاف سے تو زمین و آسمان معطر ہیں لیکن جو ستم مجھ پر ہوا ہے ایسا تو اندھے کتوں پر بھی نہ ہوا ہو گا اس زیادتی سے پتھر اور پہاڑ شق ہو جائیں گے ۔ اسی طرح کی شکایتیں علانیہ کر رہا تھا اور ظلم ظلم پکارتا تھا ۔ اے نبی اللہ دیکھو مجھ پر ایسا ظلم نہ کرو اور خلافِ انصاف حکم نہ دو ۔ حضرت داؤدؑ نے جب سب کچھ سن لیا تو حکم دیا کہ اے بدمعاش اپنا سارا مال اس کے حوالے کر ورنہ تیرا معاملہ سخت ہو جائے گا اور تیرا ستم اس پر بھی آشکارا ہو جائے گا ۔ اس نے اپنے سر پر خاک اڑائی ، کپڑے پھاڑ لیے اور کہا کہ آپ نے تو ظلم میں اور اضافہ کر دیا ۔ جب وہ باز نہ آیا تو حضرت داؤدؑ نے اس کو اپنے قریب طلب فرمایا اور کہا کہ اے سیاہ بخت چوں کہ تیری تقدیر درست نہیں اس لیے تیرے ظلم کا نتیجہ آہستہ آہستہ

ظاہر ہوا۔ دیکھ اس واویلا سے باز آ کہیں یہ واویلا تیری ہلاکت کا پیغام نہ بن جائے جا تیرے بچے اور بیوی اس کے لونڈی غلام بنا دیے گئے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے پتھر لے کر اپنا سینہ کوٹنے لگا اور اپنے جہل سے اِدھر اُدھر دوڑنے لگا۔ مخلوق بھی یہ حال دیکھ کر ترس کھانے لگی کیوں کہ ان احکام کی اصلی وجہ سے ناواقف تھی۔ سب طرف دار داؤدؑ کے پاس حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اے ہمارے شفیق نبی اللہ! آپ کی ذات سے ایسا ظلم نہ ہونا چاہیے۔ آپ نے ایک بے گناہ پر بے وجہ غصہ کیا۔ داؤدؑ نے کہا کہ دوستو! اب وہ وقت آن پہنچا کہ اس کا چھپا ہوا بھید ظاہر ہو۔ سب مل کر ہمارے ساتھ فلاں جنگل میں دریا کے کنارے چلو۔ بلکہ سب مرد عورت مل کر گھروں سے نکلو تاکہ تم سب اس پوشیدہ راز سے واقف ہو جاؤ۔ اس جنگل میں ایک بہت بڑا گھنا درخت ہے اس کی ڈالیوں سے ڈالیاں ملی ہوئی ہیں، وہ بہت تناور درخت ہے مجھے اس کی جڑ میں سے بوئے خون آتی ہے۔ اس تناور درخت کے نیچے ایک آدمی کا خون کیا گیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس بدبخت نے اپنے مالک کو قتل کر کے اس میں ڈال دیا ہے۔ یہ گائے والا دراصل مقتول کا غلام ہے۔ اس نے اپنے مالک کو قتل کر کے سارا مال لے لیا ہے۔ یہ جوان مدعا علیہ اسی مقتول کا فرزند ہے، یہ اس وقت بالکل ناسمجھ بچہ تھا اس لیے بے خبر ہے۔ اب تک تو خدا کے حلم نے اس کے ظلم کو پوشیدہ رکھا تھا لیکن آخر میں اس بے حمیت کی ناشکری اس حد کو پہنچی کہ اپنے مالک کے بچوں کو دیکھنا تک چھوڑ دیا نہ نوروز کو ان سے ملا نہ عید میں جا کر ملاقات کی۔ ان بے کسوں کو کبھی ایک لقمہ کھانا نہ دیا اور حقوقِ قدیم کو بالکل بھول گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک ادنیٰ گائے کے لیے اپنے مالک کے بچے کو زمین پر پچھاڑ ڈالا ہے۔ اس نے اپنے گناہ کا پردہ خود ہی فاش کیا ہے ورنہ شاید خدا اس کے جرم کو چھپا لیتا۔ اس ظلم کے زمانے میں کافر اور فاسق لوگ اپنا پردہ خود ہی چاک کیا کرتے ہیں۔ ظلم روح کی گہرائیوں میں چھپا رہتا ہے۔ ظالم اس کو لوگوں میں فاش کرتا ہے۔ جب سب لوگ جنگل میں

اس درخت تک پہنچے تو حضرت داؤدؑ نے حکم دیا کہ مدّعی کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں پھر اس سے فرمایا کہ اے کتّے! پہلے تو نے دادا کو قتل کیا اس کی سزا میں تو مقتول کا غلام بنایا گیا۔ اس کے بعد اپنے مالک کو قتل کر کے تو نے سب مال پر قبضہ کر لیا تیری بیوی اسی مقتول کی لونڈی تھی اس نے بھی اپنے مالک پر جفائیں کی ہیں۔ لہٰذا اب جو لڑکے لڑکیاں اس کے ہاں پیدا ہوں وہ سب اسی مدعا علیہ کی ملک ہیں اور تو بھی اس کا غلام ہے جو کچھ تو نے کمایا سب اس کی ملک ہوئی۔ چوں کہ تو نے مطابق شرع فیصلہ چاہا تھا لہٰذا یہ تیرا فیصلہ ہو جا اور اس کی تعمیل کر۔ تو نے اپنے مالک کو اسی جگہ بڑی بے دردی سے قتل کیا اور اسی جگہ تیرے مالک نے کیسی کیسی منت سماجت کی۔ اسی جگہ تو نے اپنی چھری بردہ فاش ہونے کے خوف سے زمین میں دفن کر دی تھی۔ اے لوگو زمین کو کھودو دیکھو مالک کا سر چھری کے ساتھ دفن ملے گا اور اس چھری پر اس کتّے کا نام بھی کندہ ملے گا۔ جب زمین کھودی گئی تو دیکھا کہ واقعی مقتول کا سر اور وہ چھری زمین میں دفن تھے۔ خلقت میں شور پیدا ہو گیا۔ سب نے حضرت داؤدؑ سے اپنی بدظنی کی معافی مانگی۔ اس کے بعد حضرت داؤدؑ نے حکم دیا کہ فریادی آ اور اپنی فریاد کا نتیجہ دیکھ۔ پھر اسی چھری سے قاتل کو قصاص فرمایا۔

خدا کا حلم اگرچہ بہت رعایت کرتا ہے لیکن جب بات حد سے گزر جاتی ہے تو رسوا کر دیتا ہے۔

جب خود مدّعی کے دعوے سے اصل بھید معلوم ہو گیا اور حضرت داؤدؑ کا معجزہ دو ٹوک ثابت ہوا تو ساری خلقت سر برہنہ حاضر ہوئی اور سب نے مل کر بڑی عاجزی سے عرض کی کہ ہم فطرتی اندھے تھے اس لیے آپ نے جو کچھ فرمایا تھا اس کا ہم نے اعتبار نہیں کیا۔ آپ ہمیں معاف فرما دیں۔ ایک ظالم مارا گیا اور ایک جہان زندہ ہو گیا اور ہر شخص کا از سر نو ایمان تازہ ہو گیا۔

اے عزیز تو بھی اپنے نفس کو قتل کر کے ایک جہان کو زندہ کر۔ گائے کا مدعی تیرا ہی نفس ہے جس بنے اپنے کو امیر اور بڑا آدمی بنا لیا ہے اور وہ گائے کو ذبح کرنے والا تیری عقل ہے۔ تن کی گائے کو ذبح کرنے والے سے مخالفت و انکار نہ کر عقل مقید ہے اور خدا سے ہمیشہ بے رنج و محنت روزی حلال کی طالب ہے۔ تو جانتا ہے کہ خدا کی بے محنت روزی کس کو ملتی ہے؟ اسے جو گائے یعنی نفس کی خواہش کو ذبح کر دے۔ عقل سلیم اصل وارث، بےکس اور بے سروسامان رہ گئی ہے اور خود غرض، بے درد نفس مالک اور سردار بن گیا۔ تو جانتا ہے کہ روزی بے محنت کیا ہوتی ہے؟ وہ روح کی غذا اور رزق پاک ہے لیکن وہ گائے کی قربانی پر موقوف ہے۔ لہٰذا اے جستجو کرنے والے تو گائے کے قتل کو ایک چھپا ہوا خزانہ سمجھ۔

لڑکوں کا اُستاد کو وہم سے بیمار ڈالنا

ایک مکتب کے لڑکے اُستاد کی سختی سے بہت تنگ آ گئے۔ سب نے مل کر مشورہ کیا کہ کوئی ایسی بات کی جائے کہ اس کے ظلم سے کچھ تو نجات ملے۔ اس اُستاد کو کوئی بیماری بھی تو نہیں ہوئی کہ چند روز ہم کو آرام رہے۔ اس کی سخت قید اور مار پیٹ سے کوئی بچنے کی صورت نہیں نظر آتی کیوں کہ وہ ظالم تو پتھر کی چٹان کی طرح اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔ آخر ان میں سے ایک ہوشیار لڑکے نے یہ تدبیر نکالی کہ جب اُستاد آئے تو میں کہوں گا کہ حضرت آج آپ کا چہرہ زرد کیوں ہے؟ خیر تو ہے آج آپ کا منہ اُترا ہوا ہے۔ ہو نہ ہو یا تو ہوا لگ گئی ہے یا آپ کو بخار ہے۔ اُستاد کو میرے کہنے کا کچھ خیال ہوگا۔ اس وقت دوسرے بھی میری تائید کریں یعنی دوسرا لڑکا بھی پریشان صورت بنا کر کہے، مولوی صاحب آج آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ تب وہ خیال اور دل میں جمے گا۔

اسی طرح تیسرا، چوتھا اور پانچواں یکے بعد دیگرے اپنا فکر اور تشویش ظاہر کریں یہاں تک کہ جب تیس بچے یک زبان ہوکر یہ خبر دیں گے تو وہ دل میں جگہ پالے گی۔

ہر ایک نے کہا شاباش اے ذکی، خدا تیرا اقبال بلند کرے۔ پھر سب نے اقرار کیا کہ اس تجویز کو کوئی نہ ٹالے گا۔ اس کے بعد اس نے سب کو قسم دی کہ کوئی اس بات کی چغلی نہ کھاتے۔ اس بچے کی رائے کے سب گرویدہ ہوگئے اس کی عقل چراگاہ میں سب بھیڑوں کے آگے آگے چلتی تھی۔ آدمی کی عقلوں میں بھی وہی فرق ہے جو فرق صورتوں میں ہے۔ غرض دوسرا دن ہوا اور بچے خوش خوش یہ تجویز گانٹھ کر مکتب پہنچے سب کے سب باہر ہی منتظر کھڑے رہے کہ وہ تجویز نکالنے والا دوست آجائے کیوں کہ قاعدہ ہے کہ سر پانو سے افضل ہوتا ہے۔

وہ بھی آگیا، اور استاد کو سلام کرکے کہا کہ حضرت خیر تو ہے۔ آپ کے چہرے کا رنگ زرد ہو رہا ہے، استاد نے کہا کہ مجھے تو کچھ نہیں ہوا، تو جا، اور جگہ پر بیٹھ، بے کار باتیں نہ کر۔ استاد نے انکار تو کردیا مگر بُرے وہم کا غبار اس کے دل میں آگیا۔ اسی طرح دوسرے لڑکے نے بھی کہا تو استاد کا وہم کچھ اور بڑھا۔ اسی طرح اس کا وہم بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اسی وہم کی شدت سے وہ بالکل شکست پڑ گیا، کھڑا ہوا اور کمبل اوڑھ لیا۔ دل ہی دل میں اپنی بیوی پر خفا ہونے لگا کہ اس نے بھی مجھ سے کچھ نہ کہا کہ وہ تو لیتے حُسن اور بناؤ سنگھار میں محو رہتی ہے۔ بھلا میری اسے کیا پڑی۔ دل سے باتیں کرتا اپنے دروازے پہنچا بہت زور سے دروازہ کھول کر داخل ہوا، استاد آگے آگے اور لڑکے پیچھے پیچھے بیوی نے کہا خیر تو ہے اس قدر جلدی کیسے آگئے۔ استاد نے کہا کہ تو اندھی ہوگئی ہے۔ دیکھتی نہیں کہ میں کس قدر علیل ہوں میری دیکھ رکھ نہیں کرتی۔ بیوی نے کہا کہ میاں تمھیں کوئی بیماری نہیں سارا وہم بے حقیقت ہے۔ استاد نے کہا ارے تو پھیڑ دالے کیوں کرتی ہے۔ دیکھتی نہیں کہ منھ پہ ہوائیاں اُڑ رہی ہیں اور لرزہ بخار چڑھا ہوا ہے اگر تو اندھی اور بہری ہوگئی ہے

تو اس کو میں کیا کروں، میں تو بیماری اور سخت تکلیف میں مبتلا ہوں۔ بیوی نے کہا کہ میاں! تم چاہو تو آئینہ لاکر دکھا دوں تاکہ تم کو میری بات کا یقین ہو۔ اُستاد نے کہا اری چل چل تو کیا اور تیرا آئینہ کیا، تو تو ہمیشہ کا مجھ سے بغض رکھتی ہے۔ جا میرا بچھونا بچھا دے تاکہ میں ذرا سو جاؤں کیوں کہ میرا سر بھاری ہو رہا ہے۔ بیوی ذرا سوچ میں پڑی تو اُستاد نے فوراً للکار کر کہا، اری او بیتری دشمن جلدی کر۔

الغرض بچھونا لاکر اس نے بچھا دیا۔ اگرچہ دل میں بہت جل رہی تھی کہ اگر اب میں اس کے خلاف کچھ کہتی ہوں تو بگڑتا ہے اور اگر چپ رہتی ہوں تو یہ ایک مضحکہ ہوا جاتا ہے۔ بہرحال اُستاد صاحب لیٹ کر کراہنے لگے۔ لڑکے سب وہاں جا بیٹھے اور بہ ظاہر سبق پڑھنے لگے مگر کچھ تو پشیمان تھے کہ یہ بُری حرکت ہم سے ہوئی اور کچھ اس فکر میں تھے کہ اب یہاں سے کس طرح چھٹکارا نصیب ہو۔ اس عقل مند لڑکے نے کہا کہ او بھائیو! خوب خوب پکار پکار کر سبق پڑھو، اور جب سب بچے پکار پکار کر پڑھنے لگے تو اسی لڑکے نے پکار کر کہا کہ ارے بھئی کہیں ہماری آواز سے حضرت کو تکلیف نہ پہنچتی ہو۔ استاد نے بھی کہا ہاں یہ سچ کہتا ہے، جاؤ، چھٹی، میرے سر میں درد بڑھ گیا، تم گھروں کو جاؤ۔ سب لڑکوں نے اُستاد کو جھک جھک کر سلام کیے اور چھلانگیں کودتے اپنے گھر پہنچے جیسے پرندے دانے پر ٹوٹ کر گرتے ہیں۔ بچّوں کی ماؤں نے خفا ہو کر کہا کہ ہائیں آج تو پڑھنے کا دن ہے اور تم کو کھیل سوجھا ہے۔ یہ وقت پڑھنے لکھنے کا ہے اور تم مکتب اور استاد سے بھاگے ہوئے ہو۔ ہر بچّے نے جواب دیا کہ اماں جان ہماری خطا نہیں ہے۔ خدا کی قدرت سے ہمارے استاد کی طبیعت خراب ہے اور وہ بستر پر پڑ گئے ہیں۔ ماؤں نے اس کا یقین نہیں کیا اور دوسرے دن صبح خود استاد کے مکان پر گئیں۔ دیکھا تو واقع میں وہ لحاف اوڑھے، پُرانے بیمار کی طرح پڑا ہائے ہائے کر رہا ہے۔ عورتوں کو بڑی حیرت ہوئی اور دریافت کیا کہ حضرت کیا حال ہے، آپ تو کل تک، بالکل اچھے تھے۔ یہ ایکا ایکی آپ

کو کیا ہو گیا۔ اُستاد نے کہا کہ ہاں مجھے بھی اپنے کام کی دُھن میں کچھ خبر نہ تھی کہ ایسی سخت بیماری اندر ہی اندر پل رہی ہے۔ تجھے توکل ان بچوں نے آگاہ کیا کہ میں کس قدر بیماری میں مبتلا ہوں۔ یہ سن کر عورتوں نے لاحول پڑھی اور یہ کہہ کر کہ ایسی بیماری کا علاج کسی کے پاس نہیں گھروں کو واپس گئیں ۔

ایک زاہد کا بے قراری میں اپنا عہد توڑ دینا

میں ایک حکایت بیان کرتا ہوں اگر تم غور کرو تو حقیقت پر فریفتہ ہو جاؤ۔ ایک درویش پہاڑیوں میں رہتا تھا۔ تنہائی ہی اس کے جورو بچے تھے اور تنہائی ہی اس کی مصاحب تھی۔ پروردگار کی جانب سے اس کو مستانہ خوشبوئیں پہنچتی تھیں اس لیے وہ لوگوں کے سانس کی بدبو سے پریشان ہوتا تھا ۔

بات یہ ہے کہ جس طرح آرام سے گھر میں مقیم رہنا ہمیں اچھا لگتا ہے۔ اسی طرح دوسرے گروہ پر سفر آسان کر دیا گیا ہے۔

القصہ اس پہاڑ کی وادیوں میں پھل دار درخت سیب امرود اور انار کے بہت تھے۔ اس درویش کی غذا وہی میوے تھے، ان کے سوا اور کچھ نہ کھاتا تھا۔ ایک مرتبہ درویش نے خدا سے عہد کیا کہ اے میرے پالنے والے میں ان درختوں سے خود میوہ نہ توڑوں گا نہ کسی اور سے توڑنے کی درخواست کروں گا۔ میں وہ میوہ نہ کھاؤں گا - جس کو خدا ایسا پابند رکھیں، صرف وہی میوہ کھاؤں گا جو ہوا کے جھونکے سے جھڑ پڑے اتفاقاً پانچ دن تک کوئی سیب یا امرود ہوا سے نہیں جھڑا اور بھوک کی آگ نے درویش کو بے قرار کر دیا۔ ایک ڈالی کی پھننگ پر چند امرود لگے ہوئے دیکھے مگر پھر بھی صبر کیا اور نفس کو قابو میں رکھا۔ اتنے میں ہوا کا جھونکا ایسا آیا کہ شاخ کی

پھننگ نیچے کو جھک گئی۔ پھر طبیعت قابو میں نہ رہی۔ بھوک نے آخر زاہد کو عہد توڑنے پر آمادہ کر دیا اور درخت سے میوہ توڑنا تھا کہ اس کا عہد ٹوٹ گیا۔ ساتھ ہی خدا کی غیرت نے حرکت کی کیوں کہ خدا کا فرمان ہے کہ جو عہد باندھو اس کو ضرور پورا کرو۔ اسی پہاڑ میں شاید پہلے بھی چوروں کی جماعت رہتی اور وہیں چوری کا مال آپس میں تقسیم کیا کرتی تھی۔ اتفاقاً اسی وقت ان کے وہاں موجود ہونے کی خبر پاکر کوتوالی کے سپاہیوں نے اس پہاڑی کا محاصرہ کر لیا اور چوروں کے ساتھ درویش کو بھی گرفتار کر کے ہتکڑی بیڑی ڈال دی۔ اس کے بعد کوتوال نے جلاد کو حکم دیا کہ ہر ایک کے ہاتھ پانو کاٹ ڈالے۔ جلاد نے وہیں بایاں پانو اور دایاں ہاتھ سب کا کاٹ ڈالا۔ اب کیا تھا شور واویلا سے سارا پہاڑ گونج اُٹھا۔ انھی میں درویش کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالا گیا۔ اور پانو کاٹ دینے کا انتظام ہو رہا تھا کہ ناگاہ ایک سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور سپاہیوں کو للکار کر کہا کہ ارے کتّو! دیکھو یہ فلاں شیخ اور خدا کے ابدال سے ہیں ان کا ہاتھ کیوں کاٹ ڈالا۔ یہ سن کر سپاہی نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور تیزی سے کوتوال کی حضور پہنچ کر اس واقعہ سے آگاہ کیا۔ کوتوال یہ سُن کر ننگے پانو معذرت کرتا ہوا حاضر ہوا کہ اے حضرت! معاف فرمائیے، خدا گواہ ہے کہ مجھے خبر نہ تھی۔ اے بخشش کرنے والے اہلِ بہشت کے سرداروں سے سخت گناہ کیا آپ مجھے بخش دیجیے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں اس تکلیف کا سبب جانتا ہوں اور میں اپنے گناہ سے خود واقف ہوں۔ میں نے ایمان داری کی عزت برباد کر دی اس لیے میرے ہی عہد نے مجھے اس کی کچہری میں ڈھکیل دیا۔ میں نے جان بوجھ کر عہد توڑا اس لیے سزا میں ہاتھ پر آفت آئی۔ ہمارا ہاتھ ہمارا پانو اور ہمارا جسم و جان، دوست کے حکم پر نثار ہو جائے تو یہ شکر کا مقام ہے۔ تجھ سے کوئی شکایت نہیں۔ تجھے کیا خبر تھی۔ لہٰذا تجھ پر کوئی آفت نہ آئے گی۔ جو غلبۂ فرماں روائی سے واقف ہو اسے خدا سے اُلجھنے کی کیا مجال ہے۔

اب درویش کی کرامت سنو کہ ہاتھ کٹنے کے بعد لوگوں میں ان کا نام ٹنڈے شیخ پڑ گیا تھا۔ لوگ اسی لقب سے ان کو پکارتے تھے۔ اتفاقاً ایک شخص بغرضِ ملاقات ان کی جھونپڑی میں گھس آیا دیکھا کہ حضرت دونوں ہاتھوں سے اپنی جھولی سی رہے ہیں۔ شیخ نے کہا کہ ارے جان کے دشمن تو میری جھونپڑی میں بے اطلاع منہ ڈال کر کیسے آ گیا۔ اس نے عرض کی محبت اور اشتیاق کی وجہ سے غلطی ہوگئی۔ شیخ نے فرمایا کہ اچھا تو چلا آ۔ لیکن خبردار یہ حال لوگوں سے مخفی رکھنا۔ جب تک میں مر نہ جاؤں اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا لیکن جھونپڑی کے باہر ایک مجمع کثیر جھانک رہا تھا وہ شیخ کے جھولی سینے پر واقف ہوگیا۔ شیخ نے دل میں کہا کہ اے پروردگار اس کی حکمت تو ہی جانتا ہے کہ میں اس کرامت کو چھپاتا ہوں اور تو اس کو ظاہر کرتا ہے۔ شیخ کو الہام ہوا کہ قریب تھا کہ لوگ تجھ سے منکر ہو جائیں اور کہتے پھریں کہ تو راہِ خدا میں مکر کا جال پھیلا کر بیٹھا تھا اس لیے خدا نے اس کو بدنام و رسوا کیا۔ ہم کو منظور نہ ہوا کہ وہ لوگ کافر ہو جائیں اور اپنی گمراہی سے بدگمانی میں پڑیں اس لیے ہم نے تیری یہ کرامت ظاہر کر دی کہ کام کے وقت میں ہم تجھے ہاتھ عطا کر دیتے ہیں تاکہ یہ بدگمانی کے روگی درگاہِ الٰہی سے پھر نہ جائیں۔ میں تو ان کرامتوں سے پہلے بھی تجھے اپنی ذاتِ خاص کا عرفان دے چکا ہوں۔ یہ کرامت جو تجھ کو عطا ہوئی یہ ان عوام کے لیے ہے اور یہ چراغ اس مصلحت سے روشن کیا گیا ہے۔

ایک شخص کا سُنار سے ترازو مانگنا اور سُنار کا جواب

ایک آدمی سنار کے پاس سونا تولنے کے لیے ترازو مانگنے آیا۔ سنار نے کہا کہ میاں اپنا راستہ لو میرے پاس چھلنی نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ ہائیں مذاق نہ کر بھائی مجھے ترازو چاہیے۔ اس نے جواب دیا کہ میری دکان میں جھاڑو ہی نہیں، اس نے کہا ارے بھائی

مسخرے پن کو چھوڑ۔ میں تو ترازو مانگتا ہوں، وہ دے اور بہرا پن کے اوٹ پٹانگ جواب نہ دے۔ سنار نے جواب دیا کہ حضرت میں نے تمھاری بات سن لی تھی، میں بہرا نہیں ہوں، تم یہ سمجھو کہ میں مہمل بک رہا ہوں۔ تم بوڑھے آدمی سوکھ کر قاق ہو رہے ہو ہاتھوں میں رعشہ ہے اور سارا جسم کانپتا ہے۔ تمھارا سونا بھی کچھ برادہ اور کچھ چورا ہے اس لیے تولنے میں ہاتھ لرزے گا اور سونا گر پڑے گا۔ تو پھر تم آؤ گے کہ بھئی ذرا جھاڑو تو لے آ تاکہ میں اپنا سونا اکٹھا کروں اور جب جھاڑو کر مٹی خاک ایک جگہ جمع کر لو گے تو پھر کہو گے کہ مجھے چھلنی چاہیے تاکہ خاک کو چھان کر سونا الگ کروں اور ہماری دُکان میں چھلنی کہاں۔ میں نے پہلے ہی سے تمھارے کام کا انجام دیکھ کر کہا تھا لہذا آپ کہیں اور ترازو مانگنے جائیے۔

جو صرف آغاز کو دیکھتا ہے وہ اندھا ہے جو انجام پر نظر رکھے وہ عقل مند ہے۔ جو شخص کہ پہلے ہی سے پیش آنے والی بات کو سوچ لے وہ آخر پر کبھی شرمسار نہیں ہوتا ؛

حضرتِ عیسیٰؑ کا احمقوں سے دُور بھاگنا

حضرت عیسیٰؑ ایک دفعہ پہاڑ کی طرف بے تحاشا جا رہے تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید کوئی شیر ان پر حملہ کرنے کے لیے پیچھے آ رہا ہے۔ ایک شخص حضرت کے پیچھے دوڑا، پوچھا خیر تو ہے حضرت! آپ کے پیچھے تو کوئی بھی نہیں، پھر پرندے کی طرح کیوں اڑے چلے جا رہے ہیں، مگر حضرت عیسیٰ نے اپنی تیز روی میں اس کو کوئی جواب نہ دیا۔ ایک دو میدان تک تو وہ پیچھے پیچھے دوڑا۔ آخر کار بڑے زور کی آوازیں دے کر عیسیٰؑ کو پکارا کہ خدا کے واسطے ذرا تو ٹھیریے کہ مجھے آپ کی اس بھاگ دوڑ سے خلجان پیدا ہو گیا ہے۔ آپ ادھر سے کیوں بھاگے جا رہے

ہیں آپ کے پیچھے نہ کوئی شیر ہو نہ کوئی دشمن۔ آپ نے فرمایا کہ سچ ہے۔ مگر ایک احمق آدمی سے بھاگ رہا ہوں۔ تو میرا راستہ کھوٹا نہ کر۔ اس نے کہا کہ ہائیں کیا تم مسیحا نہیں ہو جن سے اندھے اور بہرے بینا اور شنوا ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے پوچھا کہ آپ وہ بادشاہ نہیں جو طلسمِ غیب پر قدرت رکھتا ہے کہ اگر تم مردے پر پڑھ دو تو وہ مردہ زندہ گرفتار کیے ہوئے شیر کی طرح اُٹھ آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں وہی ہوں۔ پھر اس نے پوچھا کہ آپ وہ نہیں کہ مٹی کا پرندہ بنا کر اس پر ذرا دم کریں تو جان دار ہو جائے اور اسی وقت ہوا میں اُڑنے لگے۔ آپ نے جواب دیا کہ بے شک۔ پھر اس نے عرض کی کہ اے روحِ پاک، آپ جو چاہے کر سکتے ہیں تو پھر آپ کو کس کا ڈر ہے۔ حضرت مسیح نے فرمایا کہ خدا کی قسم جو جسم کا ایجاد کرنے والا اور جان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کی ذات و صفات کی عزت کے آگے آسمان بھی گریباں چاک ہے کہ اس طلسم و اسمِ اعظم کو میں نے بہروں اور اندھوں پر پڑھا تو وہ اچھے ہو گئے پہاڑوں پر پڑھا تو وہ شق ہو گئے۔ جسمِ مردہ پر پڑھا تو وہ زندہ ہو گیا۔ لاشی پر پڑھا تو وہ شی ہو گیا۔ لیکن میں نے کس کس خلوص و کوشش سے وہی طلسم احمق پر پڑھا اور لاکھوں بار پڑھا مگر افسوس کہ فائدہ نہ ہوا اس نے حیرت سے پوچھا کہ حضرت، یہ کیا بات ہے کہ خدا کا نام وہاں فائدہ کرتا ہے اور یہاں بے اثر ہے حالاں کہ یہ بھی ایک بیمار ہے اور وہ بھی، پھر کیا سبب ہے کہ اسمِ اعظم دونوں پر یکساں اثر نہیں کرتا۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ احمق کی بیماری خدا کا غضب اور اندھے پن کی بیماری غضب نہیں بلکہ آزمایش ہے۔ آزمایش سے جو بیماری ہو اس پر رحم آتا ہے اور احمقی وہ بیماری ہے کہ اس سے زخم آتا ہے۔

اے شخص! تو بھی حضرت عیسیٰؑ کی طرح احمقوں سے دور بھاگ۔ نادان کی صحبت نے بڑے بڑے فساد کیے ہیں۔ جس طرح کہ ہوا آہستہ آہستہ پانی کو خشک کر دیتی

ہے اسی طرح احمق بھی آہستہ آہستہ نامحسوس طور پر تم کو چرا لیتا ہے۔ تیری گرمی کو چرا کر سردی دیتا ہے جیسے ٹھنڈے پتھر سے تیرے سارے بدن میں سردی پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر حضرت عیسٰیؑ کا احمق سے بھاگنا کسی خوف و خطرے سے نہ تھا کیوں کہ آپ ہر قسم کی آفت و اثر سے محفوظ تھے بلکہ وہ اُمّت کی تعلیم کے لیے تھا ورنہ کوہِ زمہریر ساری دُنیا میں سردی پھیلا دے تو بھی خورشیدِ تاباں کو کیا غم۔

دُور بین اندھا، تیز سننے والا بہرا، اور دراز دامن ننگا

بچّے بہت سے من گھڑت قصّے کہتے ہیں۔ ان کہانیوں اور پہیلیوں میں بہت سے راز اور نصیحتیں ہوتی ہیں اور فضول باتیں بھی لیکن تو انھی ویرانوں میں سے خزانہ تلاش کر۔

ایک بڑا گنجان شہر تھا۔ کوئی دس شہروں کے آدمی اس ایک شہر میں آباد تھے لیکن وہ سب کے سب تین ہی قسم کے نادان تجربہ کار تھے۔ ایک تو وہ کہ دور کی چیز دیکھتا تھا مگر آنکھوں سے اندھا تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے دیدار سے تو اس کی آنکھیں بے نصیب تھیں لیکن چیونٹی کے پاؤں دیکھ لیتا تھا۔ دوسرا بہت تیز سننے والا مگر بالکل بہرا تھا اور تیسرا جیسے ننگا جیسے چلتا پھرتا ہوا مُردہ، لیکن اس کے کپڑوں کے دامن بہت لمبے لمبے تھے۔

اندھے نے کہا دیکھو ایک گروہ آ رہا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ کون سی قوم ہے اور اس میں کتنے آدمی ہیں۔ بہرے نے کہا کہ ہاں میں نے بھی ان کی باتوں کی آواز سُنی۔ ننگے نے کہا کہ بھائی مجھے یہ ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں میرے لمبے لمبے دامن نہ کتر لیں۔

اندھے نے کہا کہ دیکھو! وہ لوگ نزدیک پہنچ گئے۔ ارے جلدی اُٹھو! مار پیٹ

یا پکڑ دھکڑ سے پہلے ہی نکل بھاگیں۔ بہرے نے کہا کہ ہاں! ان کے پیروں کی چاپ نزدیک ہوتی جاتی ہے، اے دوستو! ہوشیار ہو جاؤ۔ ننگے نے کہا کہ بے شک بھاگو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ میرا دامن کتر لیں پھر تو بالکل ہی خطرے میں ہوں۔

الغرض تینوں شہر سے بھاگ کر باہر نکلے اور بھاگ کر ایک گانو میں پہنچے۔ اس گانو میں انھوں نے خوب موٹا تازہ مرغ پایا لیکن بالکل ہڈیوں کی مالا کہ ذرا سا بھی گوشت اس میں نہ تھا۔ اندھے نے اسے دیکھا۔ بہرے نے اس کی آواز سنی اور ننگے نے پکڑ کر اپنے دامن میں لے لیا۔ وہ مرغ مر کر خشک ہو گیا تھا اور کوّے نے اس میں چونچیں ماری تھیں۔ ان تینوں نے ایک دیگ منگائی جس کا نہ دہانہ تھا نہ پیندا لیں اسی کو چولھے پر چڑھا دیا۔ ان تینوں نے وہ موٹا تازہ مرغ دیگ میں ڈالا اور پکانا شروع کیا اور اتنی آنچ دی کہ کہ ساری ہڈیاں گل کر حلوا ہو گئیں پھر جس طرح شیر اپنا شکار کھاتا ہے اسی طرح ان تینوں نے وہ مرغ کھایا اور ہر ایک نے ہاتھی کی طرح سیر ہو کر کھایا۔ وہ تینوں اس مرغ کو کھا کر بہت بڑے گراں ڈیل ہاتھی کی طرح موٹے تازے ہو گئے۔ ان کا موٹاپا اتنا بڑھا کہ ہر ایک چوڑے چکلے پن کی وجہ سے جہاں میں نہ سماتا تھا۔ مگر اس موٹاپے کے باوجود وہ دروازے کے سوراخ میں سے نکل جاتے تھے۔

مخلوق کو ہوکا ہو گیا کہ دنیا کی ہر شئ پیٹ میں اتار لے اور کھا کھا کر خوب موٹی ہو جائے خواہ وہ چیز جو ظاہر میں چرب اور اچھی نظر آتی ہے حقیقت میں کیسی ہی گندی اور ناجائز کیوں نہ ہو اسے اپنا پیٹ بھرنے سے کام ہے۔ لیکن دوسری طرفہ تر بات یہ ہے کہ اسے موت کے راستے پر چلے بغیر چارہ نہیں اور یہ وہ عجیب راستہ ہے کہ دکھائی نہیں دیتا ایک کے پیچھے ایک قافلے کے قافلے دروازے کے روزن سے نکلے چلے جاتے ہیں اور وہ روزن دکھائی نہیں دیتا بلکہ خود اس دروازے کا پتا نہیں چلتا جس کے روزن سے

یہ قافلہ گزرا چلا جاتا ہے۔ اس قصے میں امید کی مثال بہرے کی ہے کہ ہماری موت کی خبر تو سنتا ہے مگر اپنی موت کی خبر نہ سنتا ہے نہ اپنے کو گزرتا ہوا دیکھتا ہے۔ حرص کی مثال اندھے کی ہے کہ مخلوق کے ذرا ذرا سے عیب کو دیکھتا ہے اور کوچہ بہ کوچہ تشہیر کرتا ہے لیکن اس کی اندھی آنکھ اپنا عیب ذرہ برابر بھی نہیں دیکھتی۔ اور ننگا ڈرتا ہے کہ کہیں اس کا دامن نہ کتر لیں تو بھلا ننگے کے پاس دھرا ہی کیا ہے جو اس کا دامن کترا جائے گا۔ یہ دنیا دار شخص ہے کہ دنیا میں ننگا آیا ہے اور ننگا ہی جاتا ہے مگر ساری عمر چور کے غم میں اس کا جگر خون رہتا ہے۔ ایسا آدمی اپنی موت کے وقت اور بھی واویلا مچاتا ہے، لیکن اس وقت خود جان خوب ہنستی ہے کہ زندگی میں یہ شخص کس چیز کا خوف کھایا کرتا تھا۔ اس گھڑی لُٹ پٹ والے کو تو معلوم ہوتا ہے کہ دراصل وہ بالکل مفلس تھا اور صاحب حس کو پتا چلتا ہے کہ زندگی کیسی بے ہنری میں گزری۔

سارے علوم کی جان یہ ہے کہ تو جانے کہ اُس باز پرس (قیامت) کے دن تیرا درجہ کیا ہوگا۔ اپنی اصل پر غور کر جو تیرے سامنے ہے۔ علم اصول یا معقولات جاننے سے بہتر ہے کہ تو اپنی اصلیت کو جانے ؛

غلام جو مسجد سے باہر نہ آتا تھا

کسی امیر کا غلام سنقر نام گزرا ہے۔ ایک روز پچھلی رات کو امیر نے سنقر کو آواز دی اور کہا چل کھڑا ہو، پیالہ پٹکا، پنڈول کی مٹی لونڈی سے لے تاکہ آج بہت صبح حمام میں پہنچ جائیں۔ سنقر حاضر ہوا، پیالہ اور عمدہ پٹکا لیا اور دونوں کے دونوں چل دیے۔ راستے میں ایک مسجد سے نماز فجر کی اذان کی آواز آئی۔ سنقر نماز کا پابند تھا، اس نے کہا کہ سرکار! آپ ذرا اس دُکان پر ٹھیر جائیں، میں نماز ادا کرلوں۔ سنقر تو نماز کو گیا اور وہ خدا سے غافل امیر دُکان پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ بہت دیر ہوگئی یہاں تک کہ امام اور سارے نمازی اپنی نماز اور

وردو وظائف سے فارغ ہو کر باہر آ گئے مگر سنقر باہر نہ آیا۔ امیر نے پکارا کہ سنقر باہر کیوں نہیں آتا۔ سنقر نے جواب دیا کہ پیرومرشد مجھے آنے نہیں دیتے۔ ذرا ٹھیریے ابھی آیا۔ میں آپ کی آواز سے غافل نہیں ہوں اسی طرح سات بار آواز دیتا اور انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ ٹھیرو ٹھیرو کے جواب سے تنگ آ گیا۔ وہ بار بار یہی جواب دیتا تھا کہ مجھے چھوڑ نہیں رہے ہیں کہ باہر آؤں۔ امیر نے کہا کہ مسجد تو خالی ہو چکی تجھے وہاں کون روک رہا ہے سنقر نے کہا کہ وہی جس نے آپ کو اندر آنے سے روکا ہے اسی نے مجھ کو اندر سے باہر آنے کو روکا ہے۔

اے فرزند مچھلیوں کو سمندر باہر نکلنے نہیں دیتا اور خشکی کے جانوروں کو اپنے اندر آنے نہیں دیتا، مچھلی کی اصل پانی اور چوپائے کی مٹی ہے اس لیے یہاں کوئی حیلہ و تدبیر نہیں چلتی ایسا قفل سخت پڑ جائے تو اس کو خدا ہی کھولے تو کھل سکتا ہے۔

ایک شہباز کا حضرت رسول اللہ کا موزہ اڑا لے جانا

ایک بار شہر کے باہر کسی میدان میں اذان کی آواز حضرت مصطفیٰ نے عالم بالا سے آتی ہوئی سنی۔ آپ نے پانی طلب فرما کر وضو تازہ کیا۔ وضو کے بعد آپ موزہ لینے کے لیے ہاتھ بڑھا ہی رہے تھے کہ ایک شہباز نے جھپٹا مار کر موزہ اڑا لیا۔ وہ موزہ لے کر ہوا میں بلند ہو گیا اور وہاں سے جو موزے کو الٹا تو اس میں سے ایک سانپ نیچے گرا۔ جب دیکھا کہ کالا ناگ اس میں سے گرا ہے تو شہباز کی خیرخواہی ثابت ہوئی۔ پھر شہباز اس موزے کو واپس لایا اور عرض کی کہ لیجیے اور نماز کا ارادہ کیجیے۔ میں نے یہ گستاخی بہ ضرورت کی تھی۔ پس حضرت رسول نے شکر خدا ادا فرمایا اور کہا ہم اس شہباز کی زیادتی سمجھے تھے مگر وہ اس کی وفاداری نکلی۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے میری تکلیف

دوُر کی تھی مگر میں اُلٹا تجھ سے رنجیدہ ہو گیا تھا۔ اگرچہ خدا نے ہر عیب پر ہم کو آگاہ کیا ہے لیکن اس وقت ہمارا دل اپنے آپ میں مشغول تھا۔ شہباز نے عرض کی کہ خدا نہ کرے کہ آپ سے غفلت سرزد ہو، میرا غیب پر مطلع ہونا بھی آپ کے عکس پڑنے سے تھا بھلا میں اس قدر بلندی سے موزے کے چھپے ہوئے سانپ کو دیکھ لوں، یہ مجھ سے ممکن نہیں، اے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ ہی کا عکس ہے۔ نور کا عکس بھی روشن ہوتا ہے اور تاریکی کا عکس تاریک ہوتا ہے ؎

ایک شخص کا موسیٰؑ سے چوپاؤں کی زبان سیکھنا

حضرت موسیٰ سے ایک نوجوان نے جانوروں کی زبان سیکھنے کی خواہش کی تاکہ وحشی و اہلی جانوروں کی آوازوں سے خدا کی اور معرفت حاصل کرے کیوں کہ بنی آدم کی ساری زبانیں تو کھانے پانی اور مکروفریب ہی کے کام میں لگی رہتی ہیں ممکن ہے جانور اپنی شکم پُری کی اور کچھ تدبیریں کرتے ہوں۔ موسیٰؑ نے کہا کہ اس ہوس سے باز آ، کیوں کہ اس میں طرح طرح کے خطرے ہیں۔ بجائے کتاب و گفتار کے معرفت خدا سے طلب کر۔

مگر جس قدر حضرت نے اس کو منع کیا اسی قدر اس کا شوق زیادہ ہو گیا اور قاعدہ ہے کہ جس بات کو منع کیا جائے اسی کی رغبت بڑھ جاتی ہے۔ اس نے عرض کی کہ یا حضرت جب سے آپ کا نور چمکا ہے ہر چیز کی استعداد کھل گئی ہے۔ مجھے اس مقصد سے محروم کرنا آپ کی مہر و محبت سے دور ہے۔ آپ خدا کے قائم مقام ہیں اگر مجھے اس تحصیل سے روک دیں تو میں مایوس ہو جاؤں گا۔ حضرت موسیٰؑ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ اے خدا اے بے نیاز معلوم ہوتا ہے کہ اس عقل مند آدمی کو شیطان مردود نے کھلونا بنا لیا ہے۔

اگر اسے میں سکھا دوں تو اس کے ساتھ بُرائی ہوتی ہے اور اگر نہ سکھاؤں تو اس کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے۔ خدا کا حکم ہوا کہ اے موسیٰ! تم اسے سکھاؤ، کیوں کہ ہم نے اپنے رحم سے کبھی کسی کی دعا رد نہیں کی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے جا کر بہت نرمی سے اسے سمجھایا۔ تیری مراد تو اب خود بخود حاصل ہو جائے گی لیکن بہتر ہے کہ تو خدا سے ڈرے اور اس خیال سے باز آئے کیوں کہ شیطان نے یہ پٹّی تجھے پڑھائی ہے۔ مفت کا دردِ سر مول نہ لے کیوں کہ یہ تحصیل تجھ کو ہزار آفتوں میں پھنسا دے گی۔ اس نے عرض کی کہ بہت اچھا، سارے جانوروں کی بولی نہ سہی، کتّے کی بولی جو میرے دروازے پر رہتا ہے اور مرغ کی بولی جو گھر میں پلا ہے میں جان لوں تو یہی کافی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ اچھا لے آج سے ان دونوں کی بولی کا علم تجھ پر کھول دیا گیا۔

صبح سویرے وہ آزمائش کے لیے اپنے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ ماما نے دسترخوان جو بچھایا تو ایک باسی روٹی کا ٹکڑا کھانے سے بچ رہا تھا وہ نیچے گر پڑا۔ مرغ تو تاک میں لگا ہوا ہی تھا وہ فوراً اُڑا لے گیا۔ کتّے نے شکوہ کیا کہ تو تو کچے گیہوں بھی چُگ سکتا ہے میں دانہ دُنکا نہیں چُگ سکتا۔ اے دوست یہ ذرا سا روٹی کا ٹکڑا جو در اصل ہمارا حصّہ ہے وہ بھی تو ہی اُڑا لیتا ہے۔ مرغ نے یہ سن کر کہا کہ ذرا صبر کر اور اس کا افسوس نہ کر، خدا تجھ کو اس سے زیادہ اچھا بدلا دے گا۔ کل ہمارے مالک کا گھوڑا مر جائے گا پھر خوب پیٹ بھر کر کھائیو۔ گھوڑے کی موت کتّوں کی عید ہے، بے کوشش و محنت خوب رزق میسّر آتا ہے۔

یہ سنتے ہی مالک نے گھوڑا لے جا کر بیچ ڈالا اور دوسرے دن جو دسترخوان بچھا تو مرغ پھر روٹی کا ٹکڑا اُڑا لے گیا اور کتّے نے پھر شکایت کی کہ اے باتونی مرغ! تو کیسا جھوٹا ہے۔ ارے ظالم تو نے کہا تھا کہ گھوڑا مر جائے گا، گھوڑا کہاں مرا، تو سیاہ بخت سچّائی سے محروم ہے۔ مدیا خبر مرغ نے جواب دیا کہ وہ گھوڑا دوسری جگہ مر گیا۔ مالک

گھوڑا بیچ کر نقصان سے بچ گیا اور اپنا نقصان دوسروں پر ڈال دیا۔ لیکن اس کا اونٹ مر جائے گا تو پھر کتّوں کے گھرے ہیں۔

یہ سن کر فوراً مالک نے اونٹ کو بھی بیچ ڈالا، اور مرنے کے غم اور نقصان سے نجات پائی۔ تیسرے دن کتّے نے مرغ سے کہا، اے جھوٹوں کے بادشاہ! کب تک جھوٹ بولے جائے گا۔ ارے نا اہل تو تو بالکل ہی فریبی دلال ہے۔ مرغ نے کہا کہ اس نے جلدی کر کے اونٹ کو بیچ ڈالا لیکن کل اس کا غلام مرے گا اور اس کے اقربا حاضری کی روٹیاں فقیروں کو دیں گے اور کتّوں کو بھی خوب ملیں گی۔ یہ سنتے ہی مالک نے غلام کو بھی بیچ دیا اور نقصان سے بچ کر بہت خوش ہوا۔

وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا اور شکر پر شکر کرتا تھا کہ میں تا بڑ توڑ تین حادثوں سے بچ گیا۔ جب سے مجھے مرغ اور کتّے کی بولیاں آ گئی ہیں جب سے میں نے فرشتۂ قضا کی آنکھیں بند کر دی ہیں۔

چوتھے دن اس بے آس کتّے نے کہا کہ اے بڑ بولے، فضول گو مرغ وہ تیری پیشین گوئیاں کیا ہوئیں۔ یہ تیرا مکر و فریب کب تک چلے گا۔ تیرے ٹاپے سے تیرا جھوٹ باہر نکلا کرتا ہے، اس نے کہا توبہ توبہ، میں اور میری قوم اور ذلیل، جھوٹ بولے، بھلا یہ کب ہو سکتا ہے۔ ہماری قوم موذّن کی طرح راست گفتار ہے۔ اصل یہ ہے کہ وہ غلام خریدار کے پاس جا کر مر گیا اور خریدار کا نقصان ہوا۔ مالک نے خریدار کا مال تو برباد کرایا لیکن خوب سمجھ لے کہ اب خود مالک کی جان پر آ بنی۔ ایک نقصان سینکڑوں نقصانوں کو دفع کر دیتا ہے۔ جسم و مال کا نقصان جان کا صدقہ ہو جاتا ہے۔ بادشاہوں کی عدالت میں تو مال کا جرمانہ ادا کر کے اپنی جان بچا لیتا ہے۔ مگر قضائے الٰہی کے بھید سے ناواقف ہے کہ اپنے مال کو بچاتا ہے حالاں کہ اگر وہی مال تجھ پر سے صدقے ہو جائے تو وہی نقصان تیرا فائدہ بن جائے۔ اب کل یقیناً خود مالک ہی مر جائے گا

اگ اور اس کے ورثا فاتحہ میں گائے قربانی کریں گے۔ لے پھر تو خوب مزے مزے کے مال
دل اڑائیو۔ روٹیاں، دسترخوان کا جھوٹا اور قسم قسم کے لذیذ کھانے، گائے کے گوشت کا
کر قورمہ اور چپاتیاں فقیروں مسکینوں سے لے کر کتوں تک کو ڈالی جائیں گی گھوڑے اور
کی اونٹ اور غلام کی موت اس بے وقوف مغرور کی جان کا بدلہ تھا۔ مال کے نقصان
ابر اور اس کے غم سے تو بچ گیا اور مال بھی جمع کر لیا لیکن اپنی جان گنوائی۔

مو مالک مرغ کی پیشین گوئی کو کان لگا کر سن رہا تھا۔ یہ سنتے ہی حضرت موسیٰ ع
بہر کلیم اللہ کے دروازے پر پہنچا۔ مارے خوف کے زمین پر ناک گھسنی کرنے لگا کہ
ہرا اے کلیم اللہ میری فریاد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جا، اب اپنے کو بھی بیچ کر نقصان سے بچ جا
فرما تو تو اس کام میں بڑا مشاق استاد ہو گیا ہے۔ اب کے بھی اپنا نقصان دوسرے مسلمانوں
کے متھے مار اور اپنی تھیلیوں اور ہمیانوں کو دہرا تہرا بھر لے۔ یہ امر شدنی جو تجھے آئینے
وستہ میں اب نظر آ رہا ہے میں اس کو پہلے ہی اینٹ میں دیکھ چکا تھا۔ آنے والی مصیبت
مرغ کو عاقل پہلے سے دیکھ لیتا ہے اور نادان بالکل آخر میں دیکھتا ہے۔

بھی مگ اس نے دوبارہ رونا دھونا شروع کیا اور کہا کہ اے صاحب کرم مجھے مایوس نہ فرمائیے
جو در بلکہ رحمت و کرم کا امیدوار بنائیے۔ مجھ سے تو نامناسب حرکت ہوئی لیکن آپ معاف فرمائیے
اور اس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرزند اب تو چلے سے تیر نکل چکا اور تیر کے واپس آنے کا
گھوڑا دستور نہیں۔ البتہ میں اس کی عدالت گاہ سے درخواست کرتا ہوں کہ مرتے وقت با ایمان مرے
لیے کیونکہ جو ایمان دار مرے وہ زندہ رہتا ہے اور جو ایمان ساتھ لے جائے وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

اسی وقت اس کی طبیعت بگڑ گئی، دل الٹ پلٹ ہونے لگا، ایک طشت
بچھا تو مر میں قے کی۔ وہ قے موت کی تھی، ہیضے کی نہ تھی۔ چار آدمی اٹھا کر گھر لے گئے۔ ایسے حال
جھوٹا میں کہ اس پر تشنج طاری تھا۔ حضرت موسیٰ نے اس صبح کو مناجات میں عرض کی کہ اے
سچائی۔ خدا! اسے ایمان سے بے نصیب نہ فرما تو اپنی بادشاہی کے صدقے میں اس پر بخشش فرما

یہ گستاخی و زیادتی اس نے بھولے سے کی تھی۔ ہر چند میں نے اس سے کہا تھا کہ یہ علم تیرے لائق نہیں ہے لیکن وہ میری نصیحت کو ٹالنے کی بات سمجھا۔ خدا نے بزرگ نے اس شخص پر رحم کیا اور موسیٰؑ کی دعا کو قبول فرمایا ۔

حضرت حمزہؓ کا میدانِ جنگ میں زرہ پہنے بغیر آنا

ایامِ جوانی میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ جنگوں میں زرہ پہن کر شریک ہوتے تھے لیکن آخر عمر میں آپ کا یہ حال ہوا کہ جب آپ میدانِ جنگ میں آتے تو بے زرہ صفوں پر حملہ کرتے تھے۔ آپ کا سینہ کھلا ہوا، تن برہنہ، سب سپاہیوں کے آگے آگے دشمن پر پہلی تلوار آپ ہی کی پڑتی تھی۔ لوگوں نے پوچھا کہ ای رسولؐ کے چچا! ای صفوں کو چیرنے والے شیر! ای جواں مردوں کے بادشاہ! کیا آپ نے خدا کا حکم نہیں سنا کہ اپنے آپ ہلاکت میں نہ پڑو۔ پس آپ جان بوجھ کر جنگ کے میدان میں موت کو کیوں دعوت دیتے ہیں جس زمانے میں آپ جوان تھے مضبوط و قوی توانا زمانے میں کبھی جنگ میں بے زرہ نہ جاتے تھے۔ اب جب کہ آپ بوڑھے اور کم زور ہو گئے ہیں تو بے پروائی کرتے ہیں۔ بھلا تلوار کس کی رعایت کرتی ہے اور سنان و تیر کو ایسی تمیز کہاں ہے۔ یہ تو بہت نامناسب ہے کہ آپ جیسا شیر دشمن کے ہاتھوں مارا جائے ۔

بے خبر ہوا خواہوں نے اس قسم کی بہت سی نصیحتیں کیں اور عبرت دلائی حضرت حمزہؓ نے جواب میں فرمایا کہ جب جوان تھا تو دیکھتا تھا کہ موت سے یہ جہان ہمیشہ کے لیے چھوٹ جاتا ہے۔ لیکن نورِ محمدیؐ کے تصدق میں اب میں اس شہرِ فانی کا گرفتار نہیں ہوں۔ اس جاہلیت کی جوانی میں مجھے زندگی عزیز تھی اور اب اسلام کے بڑھاپے میں موت

زیادہ پیاری ہے ؂

امیر بخارا کے غلام کا فرار ہونا اور واپس آنا

ایک عجیب قصّہ سنو کہ صدر جہاں امیر بخارا کا ایک پروردہ غلام جس قدر اپنے آقا کو عزیز تھا اسی قدر خود اپنے آقا کا والہ و شیدا تھا۔ آقا نے بھی ترقّی دے کر اسے کوتوال کے معزز عہدے پر سرفراز کر دیا تھا۔ اتفاق سے کسی سنگین الزام کی تہمت لگی تو سزا اور بے آبروئی کے خوف سے فرار ہوگیا۔ دس برس تک اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا۔ کبھی خراسان چل دیا کبھی قہستان جا نکلا اور کبھی جنگل جنگل بھٹکتا پھرا۔ دس سال کی جدائی کے بعد تاب نہ رہی اور صدرِ جہاں کا شوق از حد بڑھ گیا۔ اس کے دل نے کہا اب تو جدائی کی قوت نہیں بس اب وہیں چلوں اگر نافرمانی کی تھی تو اس سے توبہ کر کے پھر فرماں برداری اختیار کروں۔ دفعتہً سامنے ہو جاؤں اور اس کے قدموں پر گر پڑوں اور عرض کروں کہ یہ جان حاضر ہے۔ چاہے زندہ رکھیے چاہے گوسفندِ قربانی کی طرح ذبح کر دیجیے۔ دوسری جگہ زندگی کا بادشاہ بننے سے آپ کے قدموں میں مرنا بہتر ہے خواہ موت اختیاری سے ہو خواہ اضطراری سے لیکن بغیر آپ کے میری زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔

لوگوں نے اس کو سمجھایا کہ تیرا اب بخارا جانا خطرے سے خالی نہیں مگر اس سے رہا نہ گیا اور گرتا پڑتا بخارا آپہنچا۔ وہاں جب کسی نے اسے دیکھا اور پہچانا اس سے یہی کہا کہ بادشاہ تجھ سے سخت ناراض ہے اور دیکھتے ہی تجھے جان سے مروا ڈالے گا۔ یہ کیا حماقت کی کہ موت کے پھندے سے نکل کر پھر اسی جال میں پھنسنے کے لیے آیا ہے۔

اس نے کہا کہ میں مرضِ استسقا میں مبتلا ہوں۔ مجھے پانی خود کھینچ رہا ہے۔ ہر چند میں جانتا ہوں کہ پانی ہی مجھے مار ڈالے گا۔ چاہے پانی سے کتنی ہی تکلیف و صدمہ پہنچے استسقا کی بیماری والا پانی سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ چاہے میرے ہاتھ پیر سوج جائیں اور پیٹ پھول جائے مگر پانی کا عشق کبھی کم نہ ہوگا۔ اس سزا میں کہ میں اس سے دُور بھاگا تھا میں نے خود اپنے کو اس کی پھانسی کے ڈنڈے پر لٹکا دیا ہے۔

غرض ہاتھ پانارے صدرِ جہاں کے حضور میں پہنچا۔ وہ عاشق آنکھوں سے آنسو بہاتا جاتا تھا اور بالکل بے خود تھا۔ ایک ہاتھ میں کفن اور دوسرے میں تیغ ساتھ تھی۔ ساری مخلوق سر اونچا کیے دیکھ رہی تھی کہ دیکھیے بادشاہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ آگ میں ڈلواتا ہے یا پھانسی پر لٹکواتا ہے؟

جونہیں اس کی نظر صدرِ جہاں پر پڑی گویا اس کی جان تن سے نکل گئی تنِ لاغر خشک لکڑی کی طرح زمین پر گر پڑا چوٹی سے پیر کے ناخن تک بالکل سرد تھا۔ لوگوں نے بخور و گلاب سے بہتیرے جتن کیے لیکن اس نے نہ حرکت کی نہ کسی بات کا جواب دیا۔

جب بادشاہ نے اس کا زرد چہرہ دیکھا تو گھوڑے سے اُتر کر اس کے پاس آیا اور کہا کہ دوست کو ایسا ہی چست و چالاک عاشق چاہیے کہ جب معشوق جلوہ دکھائے تو عاشق زندہ نہ بچے۔ بے شک تو عاشق حق ہے اور حق یہی ہے کہ جہاں حق پیدا ہو وہاں تیری خودی باقی نہ رہے۔

صدرِ جہاں کے دل میں اس کا یہ حال دیکھ کر محبت کی لہریں اٹھنے لگیں اس کو زمین سے اُٹھا کر اپنی گود میں سر لے لیا اور چہرے پر آنسوؤں کی جھڑی برسانے لگا۔ بادشاہ نے اس کے کان میں آواز دی کہ اے دریوزہ گر! دامن پھیلا، یہاں زر و جواہر نثار ہو رہا ہے۔ تیری جان تو میرے فراق میں تڑپ رہی تھی، اب میں فراق کو دور کرنے آیا تو پھر تو کہاں غائب ہو گیا۔ اب ہوش میں آجا اور بے خودی کو دُور کر جنبہء مژدہ وصل

سنائی دینے لگا تو مردے میں ہلکی ہلکی سی حرکت ہونے لگی تھوڑی دیر میں خوشی خوشی اُٹھ بیٹھا اتڑپ کر ایک دو بار صدقے ہوا اور سجدے میں گر پڑا۔ اس کا چہرہ پھول کی طرح کھل کر تازہ ہو گیا اور کیفیتِ وصال کی لذّت میں ہجر کی قید سے آزاد ہو گیا اور عرض کرنے لگا کہ اے عنقائے حق! اے میری جان تمھارے بلا گردان، خدا کا شکر ہے کہ آپ عظمت کی بلندی سے میرے پاس اتر آئے۔ پھر اپنی خطا اور بدنصیبی کا اقرار اور آقا کی جدائی کے صدمے بیان کر کے وہ کم زور اس قدر زار و قطار رویا کہ شریف و وضیع سب رونے لگے۔ اس کے دل سے ایسی ہاؤ ہو بے اختیار نکلی کہ عورت مرد میدانِ قیامت کی طرح اس کے گرد ایک جگہ جمع ہو گئے اور اُن پر بھی وہی حیرت اور گزشتہ کی یاد پر نالہ و زاری کی کیفیت طاری ہو گئی جو بازگشتہ کی کیفیت تھی۔

اے عزیز! عشق دونوں عالم سے بیگانگی کا نام ہے۔ اس میں بہتّر دیوانگیاں شامل ہیں اور اس کا مذہب بہتّر فرقوں سے جدا ہے اور بادشاہوں کا تخت اس کے نزدیک اسیری ہے عشق کا گویا وجد و حال میں یہ گیت گاتا ہے۔ کہ بندگی قید اور خدائی دردِ سر پس عشق کیا ہے عدم کا دریا ہے جس میں عقل کے ہاتھ پیر ٹوٹ جاتے ہیں۔ لو اب تو بندگی اور بادشاہی کی حقیقت معلوم ہوئی۔ بس انھی دو پردوں میں عاشقی پوشیدہ ہے۔

ایک لڑکے کا نقّارے کے اونٹ کو ڈھول سے ڈرانا

کسی گاؤں میں کھیت کی حفاظت ایک لڑکا کیا کرتا تھا اور ایک چھوٹا سا ڈھول بجا بجا کر پرندوں کو اڑاتا رہتا تھا۔ اتّفاق سے سلطان محمود کا گزر اس طرف ہوا تو اسی کھیت کے قریب لشکر کا پڑاؤ ڈالا گیا۔ اس فوج میں ایک بلند و بالا اونٹ (بختی) تھا جس پر فوجی نقّارہ لادا جاتا تھا اور وہ مرغے کی طرح فوج کے آگے آگے چلتا تھا۔ فوج کی ہر نقل و حرکت پر دن رات نوبت

و نقارہ اسی اونٹ کی پیٹھ پر بجاتے تھے۔ ایک دن وہ اونٹ اس کھیت میں جا پڑا اور لڑکا گیہوں کی حفاظت کی خاطر ڈھول بجانے لگا۔ تب ایک شخص نے سمجھایا کہ اے نادان وہ فوجی نقارے کا اونٹ ہے اس کو ایسی آوازوں کی عادت ہے۔ اے لڑکے! بھلا تیرے ڈھول کو وہ کیا سمجھتا ہے۔ اس پر تو اس سے بیس گنا نقارہ شاہی بجا کرتا ہے۔

مچھر کی فریاد حضرت سلیمانؑ کے پاس

گھاس اور چمن کے پتوں سے مچھر نے آکر حضرت سلیمان سے فریاد کی کہ اے سلیمانؑ! انسان و حیوان، جن و پری کا انصاف کرتے ہیں، ہوائی پرندے اور دریائی مچھلیاں سب آپ کی عدالت کی پناہ میں ہیں، وہ کون بدنصیب ہے جس نے آپ کی سرپرستی کا سہارا نہیں ڈھونڈا؟ ہماری داد کو پہنچیے کہ ہم بہت تکلیف میں ہیں اور انصاف سے محروم ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ اے انصاف طلب کرنے والے بتا تو کس کے مقابلے میں انصاف چاہتا ہے۔ وہ کون ظالم ہے جس نے اپنی مونچھوں کے غرور پر تجھے ستایا اور تیرا منہ نوچا۔ ہمارے زمانۂ حکومت میں وہ کون شخص ہے جو ظلم کرنے میں بے باک ہو؟ مچھر نے عرض کی کہ ہم ہوا کے ہاتھوں بڑی مصیبت میں ہیں اور اس کے ظلم سے اس قدر تنگ آگئے ہیں کہ اب سوا فریاد کے کوئی علاج نہیں۔ اے بخشش و بخشایش کرنے والے عادل! آپ ہماری داد کو پہنچیے اور اس سے ہمارا بدلا لیجیے۔ پس حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ اے سُریلی راگنی گانے والے خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ مدعا علیہ کا جواب لیے بغیر مدعی کی فریاد کو تسلیم نہ کر۔ اکیلا مدعی ہزار داویلا مچائے خبردار بغیر مدعا علیہ کا جواب سنے ہوئے کسی کا دعویٰ قبول نہ کر! میری مجال نہیں کہ حکم الٰہی سے سرتابی کروں۔ لہذا جا اور اپنے مخالف فریق کو میرے پاس بُلا لا۔

مچھر نے عرض کی کہ حضور کا حکم سند ہے لہذا عرض ہے کہ میری دشمن ہوا ہے اور وہ آپ کی تابع فرمان ہے۔

یہ سن کر حضرت نے فوراً پکارا کہ اے ہوا مچھر نے تجھ پر دعویٰ کیا ہے، تاریکی سے باہر نکل چل اپنے مدعی کے مقابل آ اور اپنی صفائی پیش کر۔

ہوا حکم شاہی سن کر سنناتی ہوئی جونہیں پہنچی مچھر اسی دم بھاگ نکلا حضرت سلیمانؑ نے للکارا ارے مچھر کہاں جاتا ہے ٹھیر تاکہ دونوں فریق کی بات سن کر فیصلہ کروں۔ مچھر نے کہا کہ اے بادشاہ اس کی ہوت میں میری موت ہے، میری زندگی کے دن اسی کے دھنویں سے کالے ہیں جہاں وہ آ جائے میرے پاؤں کیوں کر ٹک سکتے ہیں کہ ہوا سے میری جان کا انس نکل جاتا ہے۔

اے عزیز ایسی حال بارگاہِ الٰہی کے ڈھونڈنے والے کا ہے جہاں خدا نے جلوہ فرمایا کہ ڈھونڈنے والا گم ہوا۔ اگرچہ وہ وصال مسلسل بقا ہے لیکن اس بقا کا آغاز اپنی فنا سے ہوتا ہے ؛

ختم دفتر سوم مثنوی

و

حصۂ اول حکایات رومی

ایک واعظ کا بُروں کے لیے دُعا کرنا

ایک واعظ جب وعظ کے لیے چوکی پر بیٹھتا تو گمراہوں کے لیے دعا کیا کرتا تھا۔ وہ ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعا کرتا تھا کہ یا اللہ ظالموں اور بدکاروں پر رحمت نازل فرما۔ مسخراپن کرنے والوں، بدفطرتوں، سب سیاہ دلوں اور بت پرستوں تک، غرض سوا پلیدوں کے اور کسی کے لیے دعا نہ کرتا تھا اور پاک بندوں کا دعا میں ذکر ہی نہ لاتا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ مولوی صاحب! یہ کیا دستور ہے۔ گمراہوں کو دعا دینا کوئی بخشش و کرم نہیں ہے۔ واعظ نے کہا مجھے ان سے بہت فائدہ ہوا اور اس لیے ان کی دعا اپنے اوپر لازم کرلی۔ انھوں نے اس قدر پلیدی پھیلائی اور ظلم زیادتی کی کہ میرا نفس پریشان ہوگیا۔ برائیاں ترک کر کے بھلائی اختیار کرلی۔ میں جب کبھی دنیا کی طرف رُخ کرتا تھا تو ان ہی مفسدوں اور ظالموں سے زخم اور چوٹیں کھاتا تھا حتیٰ کہ دُنیا کی ہوس کم ہوگئی اور میں راہِ راست پر آگیا۔ اے عزیز! انصاف سے دیکھے تو ایسا ہر دشمن تیرے حق میں دوا ہے کہ تو اس سے بھاگ کر تنہائی اختیار کرتا ہے اور خدا کے فضل و کرم کا طالب ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے وہ دوست دراصل تیرے دُشمن ہیں جو تجھ کو حضورِ الٰہی سے دُور کر کے اپنی محبّت و ملاقات میں مشغول کر لیتے ہیں ٭

۴۔ ایک چمڑا رنگنے والے کا عطّاروں کے بازار میں بے ہوش ہونا

ایک چمڑا رنگنے والا اتفاق سے عطّاروں کے بازار میں پہنچا تو یکایک گر کر بے ہوش ہو گیا اور ہاتھ ٹیڑھے ہو گئے۔ عطروں کی خوش بو جو اس کے دماغ میں گھسی تو چکرا کر گر پڑا۔ اسی وقت لوگ جمع ہو گئے۔ کسی نے اس کے دل پر ہاتھ رکھا اور کسی نے عرقِ گلاب لا کر چھڑکا اور یہ نہ سمجھے کہ اسی خوش بو نے یہ آفت ڈھائی ہے کوئی سر اور ہتھیلیوں کو سہلاتا اور سوندھی مٹی بھگو کر سنگھاتا۔ ایک لوبان کی دھونی دیتا تو دوسرا اس کے کپڑے اتار کر ہوا دیتا تھا۔ آخر جب کسی تدبیر سے ہوش میں نہ آیا تو دوڑ کر اس کے بھائی بندوں کو خبر کی کہ تمھاری قوم کا آدمی فلاں بازار میں بے ہوش پڑا ہے، کچھ نہیں معلوم کہ یہ مرگی کا دورہ اس پر کیوں کر پڑ گیا یا کیا بات ہوئی کہ وہ سرِ بازار چلتے چلتے اس طرح گر پڑا۔ اس چمڑا رنگنے والے کا ایک بھائی بڑا فطرتی اور ہوشیار تھا۔ یہ قصّہ سنتے ہی دوڑا آیا۔ تھوڑا سا کتّے کا گو آستین میں چھپائے بھیڑ کو چیر کر روتا پیٹتا اس تک پہنچا۔ لوگوں سے کہا کہ ذرا ٹھیرو، مجھے معلوم ہے کہ یہ بیماری کیوں کر پیدا ہوئی اور سبب معلوم ہو جانے پر بیماری کا دور کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اصل میں وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کے دماغ کی ایک ایک رگ میں بدبو نہ برتہ بسی ہوئی ہے۔ وہ مزدوری کی خاطر صبح سے شام تک گندگیوں اور بدبوؤں میں چمڑے رنگتا رہتا ہے چوں کہ سالہا سال سے گندگی میں بسر کرتا ہے اس لیے بہت ممکن ہے کہ عطر کی خوش بو نے اس کو بے ہوش کر دیا ہو۔ غرض اس جوان نے سب کو ہٹا دیا تاکہ اس کے علاج کو کوئی دیکھنے نہ پائے جیسے کوئی بھیدی کھس پھس کرتا ہے اس طرح منھ اس کے کان کے پاس لے گیا اور کتّے کی غلاظت اس کی ناک پر رکھ دی۔ جوں ہی یہ بدبو بے ہوش کے دماغ میں

پہنچی اس کا سڑا ہوا دماغ بدبو سے از سرِ نو تازہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ مُردے میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ ہوشیار ہو گیا۔

دوستو! جس کو مشکِ نصیحت سے فائدہ نہ ہو سمجھ لو کہ وہ گناہوں کی بو سونگھنے کا عادی ہو گیا ہے ٭

۳۔ ایک یہودی کا علیؓ سے مکابرہ اور اُن کا جواب

ایک دن ایک مدعی نے جو خدا کی عظمت سے آگاہ نہ تھا حضرتِ مرتضیٰؓ سے کہا کہ تم محل کے کوٹھے پر ہو اور خدا حفاظت کا ذمّے دار ہے۔ اس سے بھی واقف ہو۔ علیؓ نے فرمایا کیوں نہیں۔ وہ ہماری ہست و بود کا بچپن سے جوانی تک حفیظ و مربّی رہا ہے۔ اس نے کہا اگر ایسا ہے تو اپنے کو کوٹھے سے گرا کر حفاظتِ حق پر اعتماد کر دو، تاکہ مجھے تمھارے یقین کا اطمینان ہو اور تمھارے خدا پر بھی اعتقاد پیدا ہو جائے۔ حضرتِ امیرؓ نے اس سے کہا چل چپ رہ کہیں تیری جان اس جرأت کا شکار نہ ہو جائے بھلا بندے کی کیا مجال کہ اپنی بدبختی سے خدا کی آزمائش کرے۔ ارے احمق! یہ تو خدا ہی منصب ہے کہ وہ ہر سانس پر اپنے بندوں کی آزمائش کرے تاکہ ہمارا حال ہم پر ظاہر ہو جائے کہ ہم اپنے دل کی گہرائیوں میں اس کے عقیدے پر کس قدر مضبوط ہیں جس نے آسمان کی چھت کھڑی کر دی اس کا امتحان کرنا تو کیا جانے۔ تو پہلے اپنا امتحان کر اس کے بعد دوسرے کا۔ یاد رکھ جہاں تیرے دل میں خدا کے امتحان کی آرزو پیدا ہوئی کہ تیرے دین کی مسجد جھاڑ جھنکار سے بھر گئی ٭

۴۔ حضرت عثمانؓ کا منبر پر چپ چاپ بیٹھنا

قصۂ عثمانؓ سنو کہ جب آپ خلیفہ ہوئے تو منبرِ رسولؐ پر جا بیٹھے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر تین پایوں کا تھا حضرت ابو بکرؓ دوسرے پائے پر بیٹھتے تھے حضرت عمرؓ جو اعزازِ اسلام اور حفاظتِ دین کے لیے خلیفہ ہوئے تو آپ نے تیسرے پائے پر بیٹھنا اختیار کیا۔ جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو آپ تخت کے بالائی حصّے پر بیٹھے۔ ایک بھلے شخص نے سوال کیا کہ وہ دونو رسول اللہ کی جگہ نہ بیٹھے۔ آپ نے یہ شانِ برتری کیسے اختیار کی؟ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ اگر تیسرا پایہ اختیار کر دوں تو عمرؓ کے مانند ہونے کا وہم ہوتا ہے اور اگر دوسرے پائے پر بیٹھنا معمول کر دوں تو لوگ کہیں گے کہ یہ ابو بکرؓ کی برابری کرتا ہے۔ مگر یہ بلند مقام حضرت مصطفیٰؐ کی نشست گاہ ہے اور حضرتؐ کی برابری کا کسی کو وہم بھی نہیں آ سکتا۔ اس کے بعد وہ خدا کے پیارے خطبہ دینے کے بجائے عصر کے قریب تک خاموش بیٹھے رہے کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ سے خطبہ دینے کی درخواست کرے یا مسجد سے باہر چلا جائے۔ خاص و عام پر ایک ہیبت طاری تھی اور صحن سے چھت تک خدا کا نور پھیلا ہوا تھا۔ جو بینا تھا وہ اس نور کے جلوے میں مگن تھا اور جو اندھا تھا وہ بھی اس دھوپ سے گرم ضرور ہو گیا تھا۔ اس لیے کہ اندھا بھی اپنے میں گرمی محسوس کر کے سمجھ رہا تھا کہ آفتاب نکل آیا ہے:

۵۔ ایک مٹی کھاؤ کا ترازو کے پاسنگ کا ڈھیلا کھا جانا

ایک شخص جسے مٹی (پنڈول) کے کھانے کی عادت پڑ گئی تھی۔ ایک دفعہ پنساری کی دکان پر گیا تا کہ مصری اور عمدہ قند خریدے۔ پنساری اس کی عادت سے واقف اور بڑا چالاک

اور منافق تھا اور اس کی ترازو کا بٹ بھی پتھر کی بجائے ڈھیلے کا تھا کہنے لگا کہ میری مصری
بہت صاف شفاف اور اعلیٰ درجے کی ہے اور شکر بھی موجود ہے۔ مگر میری ترازو کا بٹ یہ
ڈھیلا ہے۔ خریدار نے کہا کہ مجھے تو عمدہ قند کی ضرورت ہے۔ ترازو کا بٹ چاہے کیسا ہی
ہو مجھے اس سے کیا کام۔ مگر سوندھی مٹی کا ڈلا دیکھ کر جی للچانے لگا۔ ادھر پنساری
جمے ہوئے قند کو توڑنے کے بہانے اندر کی طرف چلا گیا وہ بیٹھا بیٹھا پھر سے اپنا کام کر رہا تھا
کمبخت مٹی کھاؤ ڈھیلے میں سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے چرانے لگا۔ جھجکتا بھی جاتا تھا کہ
کہیں دکان دار میری حرکت کو نہ دیکھ لے لیکن پنساری کن انکھیوں سے دیکھ کر اپنے
کام میں مشغول رہا اور اپنے جی میں کہا کہ واہ رے بے وقوف تو نے سب چوروں کو
مات کر دیا اگر تو نے چرایا اور میرے ڈھیلے کا وزن کم کیا تو میرا کیا گیا تو نے اپنا ہی
نقصان کیا۔ تو اپنے گدھے پن کی بنا پر مجھ سے ڈرتا ہے اور میں یہ ڈر رہا ہوں کہ کہیں
تو کم نہ کھائے۔ اگرچہ میں اپنے کام میں مشغول ہوں لیکن ایسا احمق نہیں ہوں کہ تجھے
شکر زیادہ لے جانے دوں۔ جب تو شکر کے وزن کو جانچے گا تو معلوم ہوگا کہ اس واقعے
میں احمق کون تھا اور عقل مند کون؟

۲۔ حضرت ابراہیم ادہم کے تخت و تاج کو ترک کرنے کا سبب

ایک رات وہ بادشاہ اپنی خواب گاہ میں سو رہے تھے اور نگہبان چاروں طرف
پہرہ دے رہے تھے۔ یکایک انھوں نے کوٹھے کے تختوں پر چلنے کی چاپ اور ہائے ہو
کی آوازیں سنیں۔ اُن کی آنکھ کھل گئی اور سوچنے لگے کہ شاہی محل میں اس طرح رات کے

قت چلنے کی مجال کسے ہی؟ ایک کھڑکی میں سے آواز دی کہ کون ہو۔ آدمی ہو یا پری؟ ایک
بیب و غریب جماعت دیکھی جس نے عاجزانہ سر جھکا کر کہا کہ ہم شروع رات سے تلاش
ں پھر رہے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم کیا ڈھونڈ رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم اپنا
ونٹ ڈھونڈ رہے ہیں۔ بادشاہ نے کہا بھلا اونٹ کوٹھے پر کیسے چڑھے گا؟ انھوں نے
جواب دیا کہ جب اونٹ کوٹھے پر نہیں چڑھ سکتا تو تو تختِ شاہی پر بیٹھ کر خدا کی تلاش
کیسے کرتا ہی؟

پیاسے کا پانی میں اخروٹ پھینکنا

ایک گڑھے میں پانی بھرا ہوا تھا۔ کوئی پیاسا وہاں پہنچا اور درخت پر چڑھ کر
اخروٹ توڑ توڑ کر پھینکنے لگا جب درخت کی بلندی سے پانی میں اخروٹ گرتا تھا
تو گرنے کی آواز آتی تھی اور بلبلے بھی ابھر آتے تھے۔ ایک عاقل نے کہا کہ اے جوان
یہ کیا کرتا ہی؟ سارے اخروٹ بھی پانی میں پھینک دے گا تو بھی پانی کی گہرائی اور
تجھ سے دوری کم نہ ہوگی جس قدر اخروٹ پانی میں گر رہے ہیں اسی قدر پانی کو
چوس کر اور کم کر رہے ہیں سمجھے اس سے کیا فائدہ ہی؟

اس نے جواب دیا کہ میرا مطلب اخروٹ پھینکنا نہیں ہی۔ زرا غور سے دیکھ
اور اس کے ظاہر پرست جا، میرا مطلب صرف یہ ہی کہ پانی کی آواز آئے اور پانی
کی سطح پر بلبلے اٹھتے ہوئے دیکھتا رہوں۔ دنیا میں پیاسے کا مشغلہ اس سے بہتر کیا ہوگا
کہ ہمیشہ حوض کے اطراف چکر کاٹتا رہے۔ جیسے حاجی طوافِ کعبہ کو اچھا جانتا ہی
اسی طرح پیاسا پانی کے گرد پھرنے اور پانی کی آواز سنتے رہنے کو پسند کرتا ہی۔

۸۔ بادشاہ کا ایک شاعر کو انعام دینا اور وزیر کی دراندازی

ایک شاعر بادشاہ کے حضور میں اشعارِ مدحیہ لکھ کر لایا۔ بادشاہ بڑا فیاض تھا۔ حکم دیا کہ ہزار اشرفیاں مع لوازم انعام دی جائیں۔ وزیر نے کہا کہ اے شہنشاہ یہ بھی کم ہے۔ دس ہزار اشرفی انعام دیجیے تاکہ بالکل مطمئن ہو جائے چناں چہ بادشاہ نے دس ہزار اشرفیاں بھی دیں اور شاعر کے لائق خلعت بھی دیا۔ شاعر کا دماغ بادہ شاہ کے شکر اور دعا سے گونج اٹھا۔ شاعر نے پتا لگایا کہ کس کی کوشش سے اس قدر انعام مل گیا اور میری اہلیت و قابلیت بادشاہ پر کس نے ظاہر کی؟ اہلِ دربار نے کہا کہ وہ وزیر جس کا نام حسن ہے بہت خوش اخلاق اور کشادہ دل ہے اس کی کوشش سے یہ ہوا۔ شاعر نے اس کی مدح میں بھی ایک لمبا قصیدہ لکھا۔ چند سال کے بعد وہی شاعر کھانے کپڑے سے تنگ دست ہو گیا سوچا کہ جس بارگاہ کی بخشش و سخاوت کو آزما چکا ہوں بہتر ہے کہ اپنی ضرورت پھر وہیں پیش کروں۔ یہ سوچ کر دل میں انعام و اکرام کا سودا پکاتا ہوا اسی محسن بادشاہ کے حضور میں پہنچا۔ شاعر کی سوغات تو اشعار ہوتے ہیں۔ ان کو محسن کے حضور میں پیش کرتا اور ان ہی کو رہن کرتا ہے۔ اہلِ احسان کی سخاوت و بخشش نے شاعروں کو امیدوار کر دیا ہے۔ اُن کے نزدیک ایک ایک شعر جو کے سیکڑوں تھیلوں سے افضل ہے اور خاص کر وہ شاعر جو سمندر کی تہ سے موتی لاتا ہے اُس کے کلام کی تو قیمت ہی نہیں۔ الغرض بادشاہ نے اپنی عادت کے مطابق پھر ہزار اشرفی انعام دینے کا حکم دیا لیکن اس دفعہ وہ حاتم دل وزیر انتقال کر چکا تھا۔ اس کی جگہ ایک دوسرا بہت بے رحم اور کنجوس مقرر ہوا تھا۔ وزیر نے عرض کی کہ جہاں پناہ! سلطنت میں بہت سے ضروری اخراجات ملتوی پڑے ہیں۔۔

اتنا بڑا انعام ایک شاعر کو دینا مناسب نہیں۔ اگر حکم ہو تو میں اس انعام کے ایک چوتھائی پر شاعر کو راضی کر لوں۔ امرائے دربار نے کہا کہ وہ اگلی دفعہ اس دل والے بادشاہ سے دس ہزار کا انعام لے چکا ہے، گنّا چوسنے کے بعد نرسل کی پھنکنیاں کیوں کر چبائے گا اور بادشاہی کے بعد گدائی کیسے کرے گا؟ وزیر نے کہا کہ میں اس کو اس قدر تنگ کروں گا کہ انتظار کرتے کرتے رو دے گا۔ اس کے بعد اگر میں راستے کی مٹی بھی اٹھا کر دوں گا تو وہ پھول کی پتیاں سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لے گا۔ سلطان نے فرمایا کہ اچھا جو تیرے جی میں آئے وہ کر لیکن بہرحال اس کے دل کو خوش کر دے کہ ہمارا مدّاح اور دعاگو ہے۔ وزیر نے کہا وہ تو کیا اس جیسے دو سو فقیر بھی ہوں تو میرے حوالے کر کے آپ بے فکر ہو جائیں۔ القصّہ وزیر نے انعام میں ڈھیل دے دی یہاں تک کہ سارے جاڑے کا موسم گزر گیا اور موسم بہار آ گیا۔ شاعر نے جس قدر زیادہ اپنی ضرورت کے لیے بے قراری ظاہر کرتا تھا وزیر اسی قدر وعدہ پورا کرنے میں حیلے حوالے نکالتا تھا۔ مایوس ہو کر وزیر سے عرض کی کہ چاہے بجائے انعام اور صلے کے آپ مجھے گالیاں ہی دیں تو میں جانوں کہ سب کچھ بھر پایا اور آپ کی دعاگوئی میں مصروف ہو جاؤں۔ اس انتظار نے تو میری جان نکال لی۔ کم از کم مجھے صاف جواب ہی دے دیجیے تاکہ میری جان اس لالچ کے پھندے سے آزاد ہو۔ وزیر نے اس انعام کا چوتھائی دے دیا اور شاعر اس فکر اور تردّد میں پڑ گیا کہ یا تو اس دفعہ کتنا بڑا انعام مل گیا تھا یا اس دفعہ ایک کانٹوں بھری ڈالی اس قدر دیر سے ملی لوگوں نے کہا وہ فیاض وزیر جس کے زمانے میں گراں بہا انعام و خلعت ملا تھا وہ بے چارہ چل بسا خدا اس کو جزائے خیر دے اب وہ نہیں رہا تو فیاضی بھی نہیں رہی۔ پس اب جو کچھ دیا ہے اسے لے اور راتوں رات یہاں سے نکل جا کہیں یہ بھی نہ چھین لیں ارے بے خبر! اتنا بھی جو اس کی مٹھی سے ہم نے کھلوا دیا ہے تو اس میں بھی بڑے بڑے چلتّر کرنے پڑے ہیں۔ شاعر نے ان سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ ٹھہرو تو اب یہ بتاؤ کہ یہ گنوار آیا

کہاں سے، اس کفن چور وزیر کا نام کیا ہو؟ لوگوں نے کہا اس کا نام بھی حسن ہے۔ شاعر نے کہا بارِ الٰہا ان دونوں کا نام ایک ہی کیسے ہو گیا؟ ایک حسن تو وہ تھا کہ اس کی ایک گردشِ قلم سے سینکڑوں وزیر و امیر فیض پاتے تھے، ایک یہ حسن ہے کہ اس کی بدنما ڈاڑھی سے فقط رسیاں ہی بٹی جا سکتی ہیں ؞

۹۔ بادشاہ کا روزینہ کم کرنا اور غلام کا عرضیاں لکھنا

کسی بادشاہ کا ایک غلام تھا جس کی عقل مردہ اور ہوس زندہ تھی۔ اپنے فرائض میں بھی غفلت کرتا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کا روزینہ گھٹا دیا جائے اور اگر بحث و تکرار کرے تو اس کا نام فردِ غلامان سے خارج کر دیا جائے۔ وہ غلام روزینے کے کم ہوتے ہی ناراض اور گستاخ ہو گیا۔ اگر اس کی سمجھ ٹھیک ہوتی تو اپنی حالت کو دیکھتا اور اپنے جرم سے مطلع ہوتا تو معافی بھی مل جاتی مگر اس کی ہیکڑی تو دیکھو کہ وہ ہما ہی کی عرضی نازک مزاج بادشاہ کو بھیجتا ہے۔

اے عزیز! تیرا جسم ہی وہ عرضی ہے کہ ذرا غور سے دیکھ اگر وہ حضورِ شاہ میں پیش کرنے کے لائق ہے تو پیش کر۔ کسی کونے میں بیٹھ کر اپنی عرضی کو کھول کر پڑھ اس کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کو دیکھ کہ آیا وہ بادشاہوں کے لائق بھی ہے یا نہیں۔ اگر بادشاہ کے لائق نہیں ہے تو اس کو چاک کر کے دوسری عرضی تیار کر اور اس طرح اپنا مدعا حاصل کر۔

عرضی بھیجنے سے پہلے اس نے داروغہ باورچی خانہ سے جا کر کہا ارے کنجوس ایسے سخی بادشاہ کا باورچی خانہ! اس کے مرتبے اور دریا دلی سے بعید ہے کہ میرا راتب کم

کردیا جائے۔ داروغہ نے کہا کہ شاہی مصلحت کے مطابق یہ حکم ہوا ہے۔ اس میں بخل اور تنگ دلی نہیں ہے غلام نے کہا کہ واللہ یہ بات تو بھکاری پن کی ہے۔ بادشاہ کی نظر میں سونا بھی خاک کے برابر ہے۔ داروغہ نے بہتیری دلیلیں بیان کیں لیکن اپنی حرص کے مارے اس نے سب کو رد کر دیا۔ جب دوپہر کا کھانا بھی کم ملا تو اس نے بہت بُرا بھلا کہا۔ مگر نتیجہ ہی کیا تھا۔

غلام نے باورچی خانے کے آدمیوں سے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم جان کر یہ عمل کر رہے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔ تیرے واسطے یہ کمی ذیلی کارخانے سے نہیں بلکہ اصل حاکم کی طرف سے ہوئی ہے۔ کمان کو الزام نہ دے یہ تیر جو تجھے لگا ہے تیر انداز کے بازو کی قوّت سے لگا ہے۔ الغرض وہ غلام غم و غصّہ میں گھر گیا اور بگڑ کر عرضی بادشاہ کو لکھی۔ اس میں بادشاہ کی مدح و ثنا کی، اس کی فیاضی و سخاوت کو خوب خوب سراہا۔ اگرچہ عرضی کے ظاہری الفاظ تعریفی تھے لیکن اس تعریف میں رنج اور غصّے کی بُو آتی تھی۔ بادشاہ نے اس کو پڑھ کر پھینک دیا کوئی جواب نہ دیا اور زبانی ارشاد فرمایا کہ اس کو سوا کھانے کی فکر کے اور کوئی فکر نہیں۔ لہٰذا احمق کی بات کے جواب میں خاموشی بہتر ہے۔ اس کو ہماری دوری کا غم اور نزدیکی کی آرزو نہیں ہے۔ جُزئیات میں گرفتار ہے اور اصل کی پروا نہیں رکھتا۔ جب عرضی کا کوئی جواب نہ ملا تو غلام اور بھی خفا ہوا اور اس غم میں صاف پانی بھی گدلا ہو گیا۔ مارے جنون کے نہ قرار رہا نہ نیند آئی۔ دن رات اسی فکر میں رہنے لگا کہ بادشاہ نے جواب کیوں نہیں دیا؟ کہیں رقعہ پہنچانے والے نے بدنیتی تو نہیں کی ممکن ہے کہ اُس نے عرضی کو پیش کرنے کے بجائے چھپا لیا ہو، غالباً وہ منافق گھاس تلے کا پانی تھا۔ مناسب یہ ہے کہ بادشاہ کے حضور میں دوسری عرضی دوں اور کسی دوسرے لائق پیامبر کا انتخاب کروں۔ اس غلام نے امیر مطبخ، داروغۂ مطبخ اور عرضی پہنچانے والے پر اپنی جہالت کی

وجہ سے عیب لگایا اور اپنے اردگرد کی نگرانی پھر بھی نہیں کی۔ اگر اپنے کو ٹٹولتا تو جان لیتا کہ خود اس نے ٹیڑھا راستہ اختیار کیا ہے۔ لہٰذا اس بدگمان نے ایک دُوسری عرضی تیار کی اور اس میں بہت کچھ ہائے وائے مچائی کہ میں نے عرضی بادشاہ کے حضور میں بھیجی تعجب ہے وہاں پہنچی اور ٹھکانے لگ گئی۔ اس عرضی کو بھی بادشاہ نے پڑھ کر کوئی جواب نہ دیا اور چپکا ہو گیا۔ بادشاہ روکھا پن برتتا گیا اور غلام عرضی پر عرضی دیتا گیا۔ جب پانچویں عرضی پیش ہوئی تو عرضی بیگی نے عرض کی کہ آخر غلام تو حضور ہی کا ہے۔ اگر جواب عنایت فرمائیں تو بعید از کرم نہیں۔ اگر اپنے غلام پر نظرِ کرم ڈالیں تو حضور کی شانِ بادشاہی میں کیا کمی ہوگی۔ بادشاہ نے جواب دیا یہ کوئی مشکل بات نہیں مگر بات یہ ہے کہ وہ احمق ہے اور احمق خدا کا مردود ہے۔ اگر میں اس کی لغزش اور جرم کو معاف کر دوں تو اس کا عیب مجھ میں سرایت کرے گا۔ ایک آدمی کی خارش سو آدمیوں کو خارشی بنا دیتی ہے اور خصوصاً ایسے بدعقل غلام کی رعایت نہایت مضر ہے۔ خدا کسی آتش پرست کو بھی کم عقل غلام نہ دے کہ اس کی نحوست سے زمین نوزمین بادل تک خشک ہو جاتے ہیں۔

۱۰۔ ایک فقیہ کا دستار کے نیچے دھجیاں بھرنا

ایک فقیہ نے چیتھڑے پاک صاف کر کے اپنے سر پر عمامے کے نیچے باندھے تھے۔ تاکہ جب وہ کسی محفل میں ادنیٰ مقام پر بھی بیٹھے تو عمامہ بھاری بھرکم معلوم ہو۔ ان دھجیوں سے دستار کی نمائش دگنی ہو گئی تھی لیکن منافق کے دل کی طرح اندر سے ذلیل اور بُری تھی۔ گدڑی کی دھجیاں، روئی کے گالے اور پوستین کے ٹکڑے اس عمامے کے اندر دفن تھے۔ صبح سویرے مدرسے کا رُخ کیا تاکہ اس عزت کی چیز سے اس کے کچھ

ہاتھ لگ جائے۔ ایک اندھیرے چھتے میں ایک کپڑے اتارنے والا چور اپنی تاک میں کھڑا تھا۔ ایک ساہی ہاتھ مار کر دستار اتار لی اور بھاگا تاکہ بیچ کر اپنا کام بنائے۔ فقیہ نے اس کو آواز دی کہ بیٹا! ذرا دستار واپس لا۔ پھر جہاں جی چاہے لے جائیو۔ یہ جو تو چاروں پروں سے اڑ رہا ہے تو ذرا دستار کھول کر تو دیکھ۔ تو اپنے ہاتھوں سے اس کو کھول کر دیکھ اس کے بعد جی چاہے تو لے جا میں نے تجھے بخشا۔ جب اس نے بھاگتے بھاگتے کھولا تو ہزاروں چیتھڑے گر پڑے۔ اتنے بڑے عمامے سے صرف ایک پرانا کپڑا اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔ اس کو بھی زمین پر پھینک دیا اور کہا کہ ارے ہلکے آدمی! اس دغا بازی سے تو نے ہماری محنت اکارت کی۔ یہ کیا مکر و فریب تھا کہ مجھے دستار پر ہاتھ مارنے اور اڑا لے جانے کا لالچ دیا۔ تجھے ان چیتھڑوں کے لپیٹنے پر شرم نہیں آئی کہ مجھے ایک گناہِ بے لذت میں مبتلا کر دیا۔ فقیہ نے کہا کہ بے شک میں نے دھوکا تو دیا لیکن نصیحت کے طور پر تجھے آگاہ بھی کر دیا۔ اسی طرح دنیا اگرچہ بہت خوش منظر ہے لیکن اس نے اپنے عیب کو ہانکے پکارے ظاہر کر دیا اور سب سے کہہ بھی رکھا ہے کہ اے شخص تو جو بہاروں کی خوبی و خرمی پر غش غش کر رہا ہے، ذرا خزاں کی سردی اور زردی کو بھی دیکھ۔

۱۱۔ ایک شخص کا اپنے حالِ ظاہر کے خلاف ہوا باندھنا

ایک شخص عراق سے بالکل بے سر و سامان ہو کر آیا۔ دوستوں نے اس دوری و جدائی کے زمانے کے واقعات دریافت کیے۔ اس نے کہا کہ بے شک دوستوں سے دوری تو رہی لیکن یہ سفر میرے لیے بہت مبارک اور باعثِ مسرت رہا۔ خدا ہمیشہ خلیفہ کو شاد و آباد رکھے۔ اس نے دس خلعت عطا فرمائے۔ اس نے خلیفہ کی اس قدر تعریف و توصیف کی کہ مبالغہ حد سے بڑھ گیا۔ دوستوں نے کہا کہ جس

خوار و ذلیل حالت سے تو آیا ہے وہی تیرے سفید جھوٹ کی گواہ ہے۔ سر ننگا، بدن ننگا۔
بالکل ہڈیوں کا کھڑا۔ یہ شکر جو تو کر رہا ہے یہ یا تو چرایا ہوا ہے یا پڑھا یا ہوا ہے اگرچہ تیری
زبان لکڑی کی طرح خلیفہ کی تعریف کا جالا تن رہی ہے لیکن تیری ظاہری حالت اور تیرے
ہاتھ پیر اس کی شکایت کر رہے ہیں جو خلعت سخی خلیفہ نے تجھے دیے کیا ان میں پاپوش
اور پاجامے نہ تھے؟ اس نے جواب دیا کہ خلیفہ نے تو اپنی دریا دلی سے کسی چیز کی کمی
نہ کی لیکن میں نے سب بانٹ دیا۔ میں پاک باز دین دار ہوں اس لیے مال خدا کی راہ میں
خیرات کر کے اس کے بدلے عمر دراز حاصل کی۔ دوستوں نے کہا کہ خیر مال گیا تو اچھا ہوا
لیکن تیرے دل سے دھوئیں کے لچھے جو اٹھ رہے ہیں یہ کاہے کے ہیں؟ تیرا دل ایسا
منھ بنا رہا ہے جیسا کہ کانٹا چبھنے سے آثار درد پیدا ہوتے ہیں۔ تیرے سکڑے ہوئے چہرے
میں پاک بازی کا نشان نہیں جو آدمی ایثار کرتا ہے اس کی سیکڑوں پوشیدہ علامتیں ہوتی
ہیں اور نکوکاری کی پہچان فوراً ہوتی ہے۔ اگر مال خدا کی راہ میں خرچ ہو جائے تو آدمی
کے باطن میں سو سو طرح کی زندگیاں اس مال کی جانشین ہوتی ہیں۔ تو کہتا ہے کہ میں نے گلقند
کھایا ہے اور تیرے منھ سے لہسن کی بھپک آ رہی ہے، ارے خواہ مخواہ کی بڑ مت ہانک۔
دل کی مثال ایک بڑی حویلی کی ہے اور اس حویلی کے چھپے ہمسائے بھی ہیں۔ وہ ہمسائے
دراڑوں، سوراخوں اور دیواروں پر سے حویلی کے اندر کے حال سے خبردار ہو جاتے
ہیں، ایسی دراڑ سے جس کا سان گمان بھی نہیں اور جس کا صاحبِ خانہ کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔

۴۲۔ چڑی مار کو ایک پرندے کی نصیحت

ایک چڑی مار نے بڑی ترکیب سے پھندے میں چڑیا پکڑی۔ چڑیا نے اس سے کہا
اے بزرگ سردار! فرض کیجیے آپ مجھ جیسی چھوٹی سی چڑیا کو پکڑ کر کھا بھی جائیں گے تو

کیا حاصل ہوگا۔ اب تک آپ کتنی گائیں اور دُنبے کھا چکے ہیں اور کتنے اونٹ قربانی کر چکے ہیں۔ جب کہ آپ اتنے بڑے بڑے جانوروں کو کھا کر سیر نہیں ہوئے تو میرے ذرا سے گوشت و استخواں سے آپ کیا سیر ہوں گے۔ بجائے اس کے اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو آپ کی جواں مردی اور بلند نظری سے بعید نہیں۔ دوسرے آپ مجھے چھوڑ دیں تو میں ایسی تین مفید نصیحتیں کروں کہ آپ کے ہمیشہ کام آئیں۔ ان میں سے پہلی نصیحت تو آپ کے ہاتھ پر بیٹھے بیٹھے ہی کر دوں گی۔ دوسری نصیحت دیوار پر بیٹھ کر دوں گی وہ ایسی ہوگی کہ آپ مارے خوشی کے پھول جائیں گے اور اپنی معلومات پر اترانے لگیں گے۔ اور تیسری نصیحت درخت پر بیٹھ کر سناؤں گی۔ ان تین نصیحتوں سے آپ دنیا میں نیک بخت ہو جائیں گے۔ چڑی مار راضی ہو گیا۔ پھندا ڈھیلا کر دیا۔ چڑیا پھدک کر ہاتھ پر آبیٹھی اور کہنے لگی ہاتھ والی نصیحت یہ ہے کہ محال بات چاہے کیسا ہی شخص کہے کبھی اعتبار نہ کر۔

جب پہلی نصیحت ہاتھ پر بیٹھ کر کہہ چکی تو آزاد ہو کر پُھر سے دیوار پر جا بیٹھی اور دوسری نصیحت یہ کی کہ گزری ہوئی مصیبت کا غم نہ کر اور گزری ہوئی آسائش کی حسرت نہ کر۔ اس کے بعد چڑیا نے کہا کہ میرے پوٹے میں دس درم وزن کا ایک موتی ہے کہ تم کو دولت مند اور تمہارے بچوں کو اقبال مند کر دیتا۔ ایسا موتی جس کی نظیر تمام دُنیا میں کہیں نہ تھی۔ افسوس کہ تم نے مجھے آزاد کر کے کھو دیا۔ جاؤ تمہاری قسمت میں نہ تھا۔ وہ چڑی مار یہ سنتے ہی پیٹ پکڑ کر اس طرح کونتھ کونتھ کر رونے لگا جس طرح کہ زچگی کے وقت بچہ جننے والی کروٹ بدل بدل کر روتی ہے بار بار سرد آہیں کھینچ کر کہتا تھا کہ ہائے مجھ نادانی نے ایسی چڑیا کو کیوں چھوڑ دیا؟ ارے میں تو ڈوب گیا۔ اری چڑیا وہ بھی کیا ہی بُری گھڑی تھی جب تو آزاد ہوئی۔ تو نے ہتھیلی میں جنت دکھا کر مجھے لوٹ لیا۔ چڑیا نے کہا میں نے پہلے ہی نصیحت کر رکھی ہے کہ گزری ہوئی

بات کا غم نہ کرو۔ جب وہ رفت و گزشت ہوگئی تو اس کا رنج کس کام آئے گا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو تم اس نصیحت کو سمجھے نہیں یا بہرے پن کی وجہ سے تم نے سنی ہی نہیں۔ اور دوسری نصیحت بھی کر دی تھی کہ محال بات کا ہرگز اعتبار نہ کرو ورنہ گم راہ ہو جاؤ گے۔ بھلا غور تو کرو، میرا پورا تن و توش تین درم وزن کا بھی نہیں ہے۔ دس درم وزن کا موتی میرے پوٹے میں کیوں کر رہ سکتا ہے۔ اب جا کر چڑی مار کے اوسان ٹھکانے لگے سمجھا کہ بے شک ٹھیک کی بات ہے۔ کہنے لگا ارے نازک بدن وہ تیسری نصیحت بھی کرتی جا۔ چڑیا نے کہا واہ کیا خوب؟ تم نے ان دو نصیحتوں پر کونسا عمل کیا جو تیسری نصیحت کو ضائع کر دوں۔ اتنا کہہ کر خوشی خوشی خودمختاری کے ساتھ جنگلوں کے رُخ اُڑ گئی ۔

۱۳۔ ایک عورت کا علیؓ سے مدد طلب کرنا

ایک عورت حضرت علیؓ کے پاس آئی اور کہا میرا بچہ نالے پر چڑھ گیا ہے بلاتی ہوں تو آتا نہیں اور اگر اس کے حال پر چھوڑتی ہوں تو ڈرتی ہوں کہ کہیں نیچے نہ گر پڑے۔ اگر ڈرا کر بُلاتی ہوں تو اتنی سمجھ نہیں کہ خطرے کو سمجھے۔ ہاتھ کے اشارے کو بھی نہیں سمجھتا اور سمجھتا بھی ہے تو مشکل یہ کہ مانتا نہیں۔ میں نے بہتیری دودھ کی دھار نکال کر دکھائی مگر وہ ہے کہ خطرے کی طرف ہی رُخ کرتا ہے۔ اے مشکل کشا خدا کے واسطے میری مدد کیجیے۔ میرا دل بیٹھا جاتا ہے کہیں میرے دل کا میوہ ٹوٹ کر جھڑ نہ پڑے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ کسی بچے کو کوٹھے پر کھڑا کرو تاکہ بچہ اپنے ہم جنس کو دیکھے اور نالے سے اپنی جنس کی طرف آہستہ سے آ جائے کیوں کہ ہم جنس اپنے ہم جنس پر فریفتہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جب اس عورت نے ایک بچہ کھڑا کیا تو اس کا فرزند اپنے ہم جنس کو دیکھ کر ہنستا کھیلتا اُدھر چلا آیا اور اس طرح نالے کے اندر گرنے سے بچ گیا۔ پیغمبر

آدمی کی جنس سے اس لیے ہیں کہ ہم جنس کی کشش سے مخلوق بدروؤں میں گر پڑنے سے بچی ہے ۔ حضرتِ خیر البشر صلعم نے جو فرمایا کہ میں تمھاری ہی مثل ہوں ۔ اس کی حکمت یہی ہے کہ لوگ اپنی جنسیت کی طرف کھنچے چلے آئیں اور گم راہ نہ ہونے پائیں :

۴۱ شاہی مصاحب کا اپنے سفارشی سے رنجیدہ ہونا

ایک بادشاہ اپنے مصاحب پر ناراض ہوا اور چاہا کہ ایسی سزا دے کہ دل سے دھنواں نکلنے لگے ۔ بادشاہ نے تلوار نیام سے سونت لی ۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ دم مارے یا کوئی سفارش کر سکے ۔ البتہ عماد الملک نامی ایک مصاحب زمین پر گر پڑا ۔ اسی وقت بادشاہ نے غضب کی تلوار ہاتھ سے رکھ دی اور فرمایا کہ اگر دیو بھی ہو تو میں نے بخش دیا اور اگر شیطنت بھی کی ہو تو میں نے قطع نظر کی ۔ جب تیرا قدم درمیان آگیا تو چاہے جرم کیسا ہی سخت ہو میں اس سے راضی ہوں ۔

اب سُنیے کہ وہ مصاحب جو موت کی مصیبت سے چھٹا محبت کی بنا پر خود اپنے سفارشی سے ناراض ہو گیا اور دیوار کی طرف منھ کر کے بیٹھ گیا تاکہ عماد الملک سے سلام و کلام ہی نہ ہونے پائے ۔ وہ اپنے سفارشی سے جو اس قدر انجان ہو گیا تو لوگ افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر یہ مجنون نہ ہوتا تو ایسے شخص کی دوستی کیوں ترک کرتا جس نے اس کو دوبارہ زندہ کیا ؟ اسے اس نے تو گردن پر رکھی ہوئی تلوار سے بچایا تھا ایسے کے پاؤں کی خاک ہونا چاہیے تھا ۔ مگر یہ الٹا اینٹھ گیا اور اپنے شفیق دوست سے دشمنی اختیار کی ۔ ایک ناصح نے اس کو خوب فضیحت کی

کہ تو مہربانی کا ایسا بدلہ کیوں دے رہا ہے۔

اس نے کہا کہ بادشاہ پر سے جان تصدق ہے، میرے اور بادشاہ کے درمیان وہ کیوں سفارشی ہوا۔ سوا بادشاہ کے رحم کے مجھے کسی اور کا رحم درکار نہیں اور سوا بادشاہ کے کسی غیر کی پناہ مجھے نہیں چاہیے۔ میں نے تو غیر شاہ کی نفی کر رکھی ہے۔ وہ اگر ایک دفعہ میری گردن مارے تو ایسی ایسی ساٹھ جانیں بخش بھی دے گا۔ میرا فریضہ سر دینا اور بے نفسی سے رہنا ہے اور بادشاہ کا فریضہ سر بخشنا ہے اس سر کے کیا کہنے جو شاہنشاہ کے ہاتھ سے کاٹا جائے اور پھٹکار ہے اس سر پر جو غیر کے آگے اپنی ضرورت لے جائے ؛

دفترِ پنجم مثنوی شریف

۱۵۱۔ ایک عرب کا اپنے کُتّے کی جانکنی پر واویلا مچانا مگر کھانے کو ایک نوالہ بھی نہ دینا

ایک کُتّے کی جان نکل رہی تھی اور ایک عرب پاس بیٹھا رو رہا تھا۔ آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے اور کہتا جاتا تھا کہ ارے مجھ پر تو قیامت آگئی۔ ہائے میں کیا کروں۔ ارے کون سا جتن کروں؟ ارے پیارے کُتّے تیرے بعد کیوں کر جیوں گا؟ ایک فقیر ادھر سے گزرا۔ پوچھا یہ کیا واقعہ ہے تو کس لیے رو رہا ہے اس نے کہا کہ میرا ایک کتا بڑا ہی وفادار تھا۔ دیکھو وہ راستے میں پڑا دم توڑ رہا ہے دن کو شکار کر کے لاتا اور رات بھر نگہبانی کرتا تھا۔ کتا کیا تھا وہ تو شیر تھا۔ بڑی روشن آنکھوں والا، چوروں کو بھگانے والا اور

شکار پکڑنے والا تو ایسا تھا کہ شکار کے پیچھے تیر کی طرح جاتا تھا۔ اس میں بلا کی قناعت تھی بالکل بے غرض تھا اور دشمن کو پاس پھٹکنے نہ دیتا تھا اور اس کے باوجود بہت باوفا نیک خصلت اور مہربان تھا۔ فقیر نے پوچھا کہ اس کو کیا بیماری ہے۔ کیا کوئی زخم ہو گیا ہے۔ عرب نے کہا کہ بھوک سے مرا جاتا ہے۔ فقیر نے کہا کہ بھائی اس مصیبت اور مرض الموت پر صبر کر۔ صبر کرنے والوں کو خدا اپنے فضل و کرم سے عوض دیتا ہے۔ اس کے بعد پوچھا کہ سردار آپ کی پیٹھ پر یہ بھری ہوئی جھولی کاہے کی ہے؟ کہا کہ کل کے واسطے کچھ روٹیاں اور کھائی پکائی کا سامان ہے۔ اپنے ہاتھ پیر کی قوت قائم رکھنے کے لیے لیے جاتا ہوں۔ فقیر نے کہا کہ پھر تم روٹی سالن کتے کو کیوں نہیں دیتے؟ عرب نے کہا کہ اس درجہ محبت و بخشش میں نہیں پاتا۔ روٹیاں تو بے پیسے ہاتھ نہیں آتیں۔ البتہ آنسو بے کار ہیں سو ان کو بہا دیتا ہوں۔ فقیر نے کہا ارے خاک پڑے تیرے سر پر! او ہوا بھری ہوئی مشک! تیرے نزدیک روٹی کا ایک نوالہ آنسو سے بڑھ کر ہے۔ آنسو تو وہ خون ہے جس کو غم نے پانی بنا دیا۔ ارے بیہودہ تیرے نزدیک خون خاک کے برابر بھی نہیں رہا۔

۱۶۔ ایک حکیم کا مور پر اعتراض کرنا جو اپنے پر آپ اکھیڑ رہا تھا

ایک مور جنگل میں اپنے پر اکھیڑ رہا تھا۔ ایک حکیم بھی اس طرف سیر کرتا ہوا جا نکلا۔ پوچھا کہ اے مور ایسے خوب صورت پر اور توجڑوں سے اکھیڑے دیتا ہے خود تیرے دل نے کیسے قبول کیا کہ ایسے نفیس لباس کو نوچ کھسوٹ کر کیچڑ میں پھینک دے؟ تیرے ایک ایک پر کو خوب صورتی کی وجہ سے حافظ لوگ تو قرآن شریف کی ترک بنا کے رکھتے

ہیں اور سفید و خوش گوار ہوا کے لیے تیرے پروں کی پنکھیاں اور پنکھے بنائے جاتے ہیں یہ کیسی ناشکری اور جسارت ہے؟ تو نہیں جانتا کہ تیرا نقّاش کون ہے؟ یا جان بوجھ کر ہیکڑی کرتا ہے اور جان کر نئی وضع بناتا ہے؟ جب مور نے یہ نصیحت سنی تو حکیم کو غور سے دیکھا اور اس کے بعد چلا چلا کر رونے لگا۔ وہ مور ایسی پُر درد آواز سے رویا کہ سارے تماشائی رو پڑے اور جس نے پَر نوچنے کا سبب دریافت کیا تھا وہ بغیر جواب کے پشیمان ہو کر دیکھنے لگا کہ میں نے ناحق ہی اس سے پوچھا وہ پہلے ہی غم سے بھرا ہوا تھا میں نے اور چھیڑ دیا۔ اس کی آنکھوں سے جو آنسو کا قطرہ زمین پر ٹپکتا تھا اس میں سو سو جواب موجود تھے۔ جب رو چکا تو کہا کہ جا تو ابھی رنگ و بو میں گرفتار ہے۔ یہ نہیں دیکھتا کہ ان ہی پروں کے لیے ہر طرف سے سینکڑوں بلاؤں کا نزول مجھ پر ہوتا ہے۔ کتنے بے رحم شکاری ہیں جو ان ہی پروں کی خاطر ہر طرف جال لگائے ہیں اور کتنے تیر انداز ہیں جو ان ہی پروں کے واسطے مجھ پر تیر چلاتے ہیں چوں کہ ایسی موت، ایسی آفت اور ایسے فتنے سے اپنے کو بچائے رکھنے کی مجھ میں طاقت نہیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ بدنما و بدشکل ہو جاؤں تاکہ اس پہاڑ کے دامن اور اس جنگل میں محفوظ رہوں۔ میرے نزدیک جان بال و پر سے ہزار درجہ بہتر ہے کیوں کہ وہ باقی رہنے والی اور جسم فنا ہونے والا ہے۔ اے جوان یہ پر میرے غرور کا آلہ بن گئے ہیں اور غرور مغروروں کو سو بلاؤں میں مبتلا کرتا ہے۔ اے عزیز! اسلامتی چاہتا ہے تو غرور کے اسباب کو ترک کر دے۔

۱۷۔ ایک شخص کا ہرن کو گدھوں کے اصطبل میں بند کر دینا

ایک شکاری نے ہرن پکڑا اور اصطبل میں باندھ دیا۔ اس اصطبل میں گدھے ہی گدھے بھرے ہوئے تھے۔ ہرن مارے گھبراہٹ کے ہر طرف دوڑتا اور شکاری رات بھر گدھوں کے

سے گھاس اڑاتا رہا۔ مارے بھوک اور حرص کے ہر گدھا وہ گھاس اس مزے سے کھا رہا تھا جیسے کوئی گنّا چوستا ہے۔ وہ ہرن کبھی تو ادھر اُدھر بھاگتا تھا اور کبھی دھوئیں اور گرد و غبار سے گھبرا کے منہ پھیر لیتا تھا۔ جس کسی کو اپنے خلاف طبع غیر جنس کے ساتھ یکجا کرتے ہیں تو وہ اسے موت کی سزا کے برابر جانتا ہے۔ چناں چہ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ اگر وہ ہُدہُد غیر حاضری کا معقول عذر پیش نہ کرے گا تو اس کو قتل کر دوں گا، یا اسے سخت سزا دوں گا جس کی کوئی حد نہ ہو گی۔ وہ کون سا عذاب ہے؟ وہ اپنے غیر جنس کے ساتھ ہم قفس ہونا ہے۔ اے فرزند تو بھی اس بدن میں عذاب پا رہا ہے تیری روح کا پرندہ دوسری جنس کے ساتھ ایک جگہ قید کر دیا گیا ہے۔

الغرض کئی دن تک وہ خوش بودار نافے کا ہرن گدھوں کے اصطبل میں سزا بھگتتا رہا۔ ایسا بے تاب رہا جیسے مچھلی خشکی پر تڑپتی ہے گویا ایک ہی طبلے میں مینگنی اور مشک کا عذاب پا رہے تھے۔ ایک گدھے نے کہا کہ اوہو! ارے جنگلی تو بادشاہوں اور امیروں کا دماغ رکھتا ہے، بس نچلا بیٹھ۔ دوسرے گدھے نے قہقہہ مار کر کہا کہ دنیا کے جوار بھاٹے میں سے یہ بڑا آب دار موتی نکال لایا ہے۔ ایسی انمول چیز کو سستا کیسے بیچے۔ تیسرے گدھے نے آوازہ کسا کہ جب تم ایسے نازک بدن ہو تو جاؤ تختِ شاہی پر تکیہ لگا کر بیٹھو۔ چوتھے گدھے کو کھاتے کھاتے بدہضمی جو ہو گئی تو گھاس کھانی چھوڑ دی اور اپنی گھاس پر ہرن کو دعوت دینے لگا۔ ہرن سر ہلا کر جواب دیا کہ نہیں میں نہیں کھاتا۔ میں تو بہت کمزور ہو رہا ہوں۔ اس نے کہا ہاں ہاں مجھے معلوم ہے کہ تم زرا شان دکھا رہے ہو یا اپنی ہوا باندھنے کی خاطر کھانے سے پرہیز کر رہے ہو۔ ہرن نے گدھے سے کہا یہ کھاجا تو تیرا ہی ہے کیوں کہ اس سے تیرے اجزائے بدن زندہ اور تازہ ہیں۔ مگر میں تو سرسبز و شاداب سبزہ زاروں کا شیدائی ہوں۔ بڑے بڑے درختوں کے سائے اور خوب صورت باغوں میں میں نے بسیرا کیا ہے۔ اگر قضائے

الٰہی نے مصیبت میں مبتلا کر دیا تو بھی شریف طبیعت کی خوخصلت دفعتہً کیوں کر بدل جائے گی۔ اب بھک منگا ہو گیا ہوں تو کیا ہوا؟ بھاک منگی صورت تو نہیں ہے۔ اور اگر میرا لباس پُرانا ہو جائے تو کیا میں تو نیا ہوں۔ میں تو وہ ہوں کہ میں نے سنبل و لالہ کو بڑے ہی ناز نخروں سے آہستہ آہستہ کھایا ہے۔ میرا نافہ خود شاہد ہے کہ اس کی خوش بو عود و عنبر کو دور بھگاتی ہے۔ لیکن اس کو وہی سونگھتا ہے جس کے ناک ہو لید کو پوجنے والے گدھے پر اس کی خوش بو حرام ہے۔ گدھے جب چلتے ہیں تو راستے میں ایک ایک دوسرے کی پیشاب گاہ کو سونگھا کرتا ہے میں ایسوں کو مشک کیوں کر سنگھاؤں ؟

۸ ا۔ ایک صاحب دل کا خواب میں کُتیا کے پیٹ میں سے بچّوں کی آواز سُننا

ایک شخص چلّے میں تھا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک کُتیا حاملہ ہے۔ یہ راستے سے چلا جارہا ہے کہ یکایک کُتّے کے بچّوں کی آواز سُنی۔ حالاں کہ بچّے کُتیا کے پیٹ میں تھے اُس کو ان آوازوں پر تعجب ہوا کہ کتیا کے پیٹ میں سے بچّوں نے آواز کیوں کر دی اسی حیرت میں آنکھ کھل گئی مگر بیداری میں بھی اس کی حیرت بڑھتی گئی۔ چلّے میں کوئی اور بھی نہ تھا کہ تعبیر دے کر اس گرہ کو کھولتا۔ لامحالہ درگاہِ الٰہی میں رجوع کیا۔ اس نے عرض کی یارب! ان آوازوں کو سُن کر میں ایسے اچنبھے میں پڑ گیا ہوں کہ اس چلّے میں تیرے ذکر اور تیری یاد سے بھی غفلت ہو رہی ہے۔ الٰہی میرے پنکھ کھول دیجئے تاکہ اس عالم حیرت سے باہر ہو جاؤں جواب میں ایک فرشتے کی آواز آئی اور کہا کہ یہ جاہلوں کے بڑائی کرنے کی مثال تھی

یعنی وہ جو آنکھیں بند کرکے بیہودہ بکتے ہیں۔ کُتّے کے بچّے اگر پیٹ ہی سے آواز دینے لگیں تو سراسر حماقت ہے۔ نہ وہ شکار کر سکتے ہیں نہ رات کو نگہبانی کر سکتے ہیں۔ نہ انھوں نے بھیڑیے کو دیکھا کہ اس کو بھگا سکیں نہ انھوں نے چور کو دیکھا کہ اس کو روک سکیں اپنی حرص اور سروری کی تمنا میں ان جاہلوں کا بھی یہی حال ہے کہ غور و نظر میں کم زور اور زباں درازی میں شہ زور ہیں؀

۱۹۔ ایاز کا اپنے پوستین کے لیے حجرہ تعمیر کرنا اور حاسدوں کی بدگمانی

ایاز نے جو بہت عقل مند تھا اپنے پُرانے پوستین اور چپلوں کو ایک حجرے میں لٹکا رکھا تھا روزانہ اس حجرے میں تنہا جاتا اور اپنے آپ سے کہتا کہ دیکھ تیری چپلیں یہ بھی ہیں خبردار تکبّر و نخوت مت کرنا۔ لوگوں نے بادشاہ سے عرض کی کہ ایاز نے ایک حجرہ بنایا ہے اس میں چاندی سونا جمع کیا ہے اور ایک شراب کا چھوٹا سا پیپا بھی ہے وہاں کسی کو آنے نہیں دیتا ہمیشہ دروازہ بند رکھتا ہے۔ بادشاہ نے فرمایا اس غلام پر حیرت ہے۔ بھلا ہم سے کیا چیز اور کیا بات پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ بادشاہ نے ایک امیر کو حکم دیا کہ آدھی رات کو زبردستی دروازہ کھول کر اندر گھس جاؤ۔ وہاں جو کچھ پاؤ لوٹ لو اور وہاں کے پوست کندہ حالات اہلِ دربار پر ظاہر کر دو اس کے کیا معنیٰ کہ ہمارے اتنے کرم اور بے حساب مہربانیوں کے باوجود بھی اپنی بدفطری کی وجہ سے سونا چاندی چھپا کر رکھتا ہے؟ اگرچہ بادشاہ خود اس کی پاک بازی کا یقین رکھتا تھا لیکن امیروں کو جلانے دکھانے کے لیے تدبیر کی اور حکم دیا کہ اے امیرو! آدھی رات کو جا کر اس کے حجرے کا دروازہ کھولو۔

اس کی ساری دولت میں نے تمھیں بخشی ۔ بادشاہ امیروں سے تو کہہ رہا تھا مگر اس کا ضمیر جانے بوجھے کے متعلق ایسا حکم دینے پر بے تاب تھا کہ میری زبان سے اور ایسے احکام ایاز کے متعلق نکلیں ۔ اگر میری ایسی سنگ دلی کا حال وہ سن لے گا تو اس کا کیا حال ہوگا ۔ پھر کہتا تھا کہ اسی کے دین و ایمان کی قسم اس واقعے کے بعد اس کی عزّت و توقیر اور بڑھ جائے گی ۔ اگر میں آزمانے کو سو تلواریں بھی لگاؤ تو بھی اس پیارے کی محبّت کم نہ ہوگی ۔ القصہ وہ سب امیر حجرے کے دروازے پر دولت اور شراب لوٹنے کی دُھن میں پہنچے ۔ چند آدمیوں نے بڑی ہاتھ چالاکی اور زکان سے دروازے کا قفل کھول ڈالا کیوں کہ اس پر بہت پیچ دار قفل پڑا ہوا تھا ۔ ایاز نے یہ قفل بخل کی راہ سے نہیں ڈالا تھا بلکہ چاہتا تھا کہ اپنا بھید عوام النّاس سے پوشیدہ رکھے ۔ حجرہ کھول کر یہ بدگمان حاسد ایک دم ایسے اندر گھس پڑے جیسے کہ چھاچھ کی ناند میں مکھّی مچھّر سڑ کر بدبو دینے لگتے ہیں کیوں کہ وہ چھاچھ کے عشق میں بڑے زور شور سے گرتے ہیں مگر نہ چھاچھ کھا سکتے ہیں نہ باہر نکلنے کا دم باقی رہتا ہے ۔ انھوں نے حجرے کے دائیں بائیں دیکھا بھالا ۔ وہاں سوائے پھٹی چپل اور پوستین کے کیا دھرا تھا ۔ پھر آپس میں کہا کہ اس جگہ ضرور کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے ۔ یہ پھٹی ہوئی چپلیں تو ضرور دکھاوے کو ہیں ۔ کہنے لگے نوک دار برچھیں تو لے آؤ زمین دوز حوضوں اور بدررو کو بھی کھول کر دیکھ لیں ۔ چنانچہ ہر طرف کھود کھود کر بھی دیکھا ، کئی کئی گڑھے اور خندقیں کھود ڈالیں مگر آخر کار اپنی حرکتوں پر شرما شرما کر ان گڑھوں کو بھرتے جاتے تھے ۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی عقل کے اندھے پن سے دیواروں میں بڑے بڑے بغارے ڈال دیے ۔ لیکن یہاں بھی ہر اینٹ میں لاحول کی گونج تھی ۔ اس گروہ کی تمام گمراہیوں اور بیہودگیوں کے گواہ دیواروں کے بغارے رہ گئے ۔ یہ تو ممکن تھا کہ دیوار زبانِ حال سے نالہ نہ کرے مگر ایاز کی بے گناہی پر کوئی مجالِ انکار نہ تھی

بہرحال اب یہ فکر پڑی کہ بادشاہ کے سامنے کیا عذر کریں کہ اپنی جان بچے۔ آخرکار مایوس ہو کر اپنے ہاتھوں اور ہونٹوں کو کاٹ کاٹ کر لہولہان کرتے ہوئے سروں پر عورتوں کی طرح دوہتڑ مارتے ہوئے وہ لوگ گردوغبار میں اٹے زرد رو، شرمندہ شکل بنائے حضورِ شہریار میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ کے عرض بیگی نے چھٹتے ہی پوچھا کہ بتاؤ کیا حال ہے؟ تمھاری بغلیں زر و جواہر کی تھیلیوں سے خالی ہیں۔ اور اگر تم نے وہ دولت چھپا لی ہے تو خیر مگر تمھارے چہروں اور گالوں پر مسرت کے خون کی جھلک تک بھی نہیں ہے وہ سب اسیر پشیمانی کا اظہار کرنے لگے۔ اور سب کے سب سائے کی طرح چاند کے آگے سجدے میں گر پڑے۔ اس کینے اور ہمہ ہمی کے دعووں کی شرمندگی مٹانے کو تیغ و کفن لے کر حاضر ہوئے۔ سب مارے شرم کے انگلیاں کاٹ رہے تھے اور ہر ایک کہہ رہا تھا کہ اے شاہِ جہاں! اگر ہمارا خون بھی بہا یا جائے تو بالکل حلال ہے۔ اگر بخش دیا جائے تو آپ کا انعام و احسان ہے۔ بادشاہ نے ارشاد کیا کہ نہیں میں نہ تم کو بخشوں گا نہ سزا دوں گا۔ یہ معاملہ ایاز کے سپرد ہے۔ یہ تکلیف و مصیبت ایاز کے جسم اور آبرو پر گزری ہے اور زخم اس نیک خصلت کی رگوں پر لگے ہیں۔ لہٰذا اے ایاز! اب تو ان مجرموں پر حکم عدالت جاری کر کیوں کہ ہم کو تیرے بدلہ لینے کا سخت انتظار ہے۔ ایاز نے عرض کی کہ اے بادشاہ حکم تو تجھی کو حاصل ہے۔ جہاں آفتاب طلوع ہوا وہاں ستارے نابود ہو جاتے ہیں۔ زہرہ یا عطارد یا شہابِ ثاقب کی کیا مجال ہے کہ آفتاب کے آگے اپنا وجود ثابت کریں۔ بادشاہ نے ارشاد فرمایا کہ اے ایاز تجھے اپنی چپل اور پوستین سے یہ عشق ہے۔ یہ تیری بت پرستی نہیں تو کیا ہے۔ ان دو پرانی چیزوں سے جان کے برابر محبت قائم کر کے تو نے دونوں کو اپنے حجرے میں لٹکا دیا۔ ان پرانی چیزوں کو تو کب تک یاد رکھے گا۔ آخر یہ تو بتا کہ تیری چپل کس آصف کی جلوہ گاہ ہے اور کیا تیری پوستین یوسف کی قمیص ہے؟ اپنی چپل کے اس بھید کو بیان کر کہ تجھے اس

چپل کے آگے اتنی سرافگندگی کیوں ہے تاکہ پوستین اور چپل کے اصل بھید کو معلوم کر کے ہمارے نافرمان اور فرماں بردار بندے سر جھکائیں۔

ایاز نے عرض کی میں تو اتنا ہی جانتا ہوں کہ سب تیری عطا ہے ورنہ میں تو وہی پوستین اور چپل ہوں۔ اسی لیے ان کی حفاظت کرتا ہوں کہ گویا وہ میری اصلی ذات کی حفاظت ہے ؛

۲۰۔ لومڑی کا مکر سے گدھے کو دوبارہ شیر کے آگے لے جانا

ایک دھوبی کا گدھا تھا۔ پیٹھ زخمی، پیٹ خالی اور جسم بالکل ہڈیوں کا کوڑا چٹیل پہاڑیوں کے بیچ میں بالکل بے سہارا اور بے آسرا صبح سے شام تک رہتا تھا۔ وہاں سوائے پانی کے کچھ نہ تھا۔ وہ گدھا دن رات پیچ و تاب کھاتا رہتا تھا۔ ان ہی پہاڑیوں کے آس پاس ایک گھنا جنگل تھا۔ اس میں ایک شیر شکار کیا کرتا تھا۔ اتفاقاً شیر کا جنگلی ہاتھی سے مقابلہ ہوا۔ شیر اس قدر زخمی ہو گیا کہ شکار کے قابل نہ رہا۔ جب شیر مدت تک شکار کو نہ نکلا تو دوسرے چھوٹے درندے ناشتے سے محروم ہو گئے۔ کیوں کہ شیر کا پس خوردہ وہی کھاتے تھے۔ شیر بیمار ہو گیا تو وہ بھوکے مرنے لگے۔ شیر نے ایک لومڑی کو بلا کر کہا جا اور کسی گدھے کو میرے لیے شکار کر لا۔ اگر اس سبزہ زار میں کسی گدھے کو پائے تو جا کر اسے باتوں میں لگا کر یہاں تک لے آ۔ چاہے گدھا ہو چاہے گائے ہو جو بھی ملے ڈھونڈ۔ اور اپنی چالاکیوں کا جال بچھا۔ جب گدھے کے گوشت سے مجھ میں کچھ دم آ جائے گا تو اس کے بعد کوئی دوسرا اچھا شکار کروں گا تھوڑا سا میں کھاؤں گا۔

باقی تم ہی کھاؤ گے میں تو صرف تمھارے رزق کا ذریعہ بنوں گا۔ لومڑی نے عرض کی جو حکم، میں خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ ایسے اُتار چڑھاؤ بتاؤں گی کہ عقل چکّر میں آجائے۔ حیلہ بازی اور مکّاری میرا کام ہے۔ غرض پہاڑ کے اوپر سے لومڑی ندی کی طرف اسی فکر میں جارہی تھی کہ اُس غریب دبلے پتلے گدھے پر نظر پڑی۔ لومڑی نے سامنے جاکر بڑے تپاک سے سلام کیا اور اس سادہ دل فقیر کے سامنے گئی۔ کہا کہ حضرت اس خشک بیابان میں جہاں پتھر ہی پتھر ہیں آپ کیوں رہتے ہیں۔ گدھے نے کہا چاہے غم ہو چاہے الم ہو خدا نے میری قسمت میں یہی لکھا ہے۔ اور میں اسی پر شاکر ہوں۔ میں اس قسمت کرنے والے کی تقسیم پر راضی ہوں جو خاص و عام کا مالک ہے۔ سب اس کی نعمتوں سے بہرہ ور ہیں، کیا چرپائے کیا حشرات الارض وہ سب کو روزی پہنچاتا ہے۔ پرندے اور مچھلیاں بھی اپنی قسمت کا کھاتی ہیں اور چیونٹیاں اور سانپ بھی اسی کی دی ہوئی غذا سے پیٹ بھرتے ہیں

لومڑی نے کہا رزق حلال ڈھونڈنا حکمِ خدا کی تعمیل میں سب پر فرض ہے۔ اس عالمِ اسباب میں بے سبب رزق نہیں ملتا۔ لہٰذا کوشش کرنا لازم ہے۔ اے صاحبِ عقل اگر تو کسی کنوئیں میں جا بیٹھے تو رزق تجھ تک کیسے پہنچے گا۔ گدھے نے کہا یہ ہمارے توکّل کا ضعف ہے ورنہ جس نے جان دی ہے وہی نان بھی دے گا۔ جو بادشاہی فتحمندی کی تلاش کرے اُسے کھانے کو کم نہیں ملتا۔ لیکن چرندے درندے بھی اپنا اپنا رزق کھاتے ہیں۔ نہ وہ کمائی کرتے ہیں نہ اپنا رزق ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ سب کو وہ رزّاق ہی روزی دیتا ہے اور جس کا جو مقسوم ہے وہ اس کے آگے رکھ دیتا ہے۔ جو صبر کرتا ہے رزق خود اس کے آگے آتا ہے۔ اس لیے جستجو اور فکر تیری بے فکری کے سبب سے ہیں۔

لومڑی نے کہا کہ ایسا توکّل تو نادر رابتہ سے ہے۔ توکّل کے مسئلے میں لوگ بہت

غلطی کرتے ہیں کسی غیر معمولی اصول کے پیچھے پڑنا سخت نادانی ہے۔ ہر شخص میں بادشاہی کرنے کی قابلیت کہاں ہے؟ اگرچہ پیغمبر نے قناعت کو خزانہ فرمایا ہے مگر وہ پوشیدہ خزانہ ہر ایک کو کب ملتا ہے۔ ای گدھے اپنے حدِ ادب کو پہچان اور زیادہ اونچا نہ اڑ کہیں خرابی کے گڑھے میں نہ گر پڑے۔ جب توکل پر تجھے صبر نہیں ہے تو اپنی کوشش سے کما اور روزی تلاش کر۔ گدھے نے کہا یہ بات تو تیا بالکل اوندھی کہتی ہے۔ طمع سے جان خرابی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ نہ قناعت سے اب تک کوئی مرا ہے نہ حرص کر کے کوئی بادشاہ ہوا ہے۔ کارخانۂ قدرت میں سوّروں اور کتّوں تک کو رزق دینے میں دریغ نہیں اور بارش و ابر آدمیوں کا کسب نہیں ہے۔ جس طرح کہ تو رزق کی عاشق اور اس کے لیے بے تاب ہو رہی ہے، اسی طرح رزق بھی اپنے کھانے والے کا عاشق وشیدا ہے۔ اگر تو جلدی نہ کرے تو رزق کھنچا کھنچا خود ہی تیرے دروازے پر حاضر ہو اور اگر تو بے صبری کرے تو پھر تجھے دردِ سر میں مبتلا کردے۔

لومڑی نے کہا کہ یہ لمبی چوڑی باتیں چھوڑ اور کسب پر ہاتھ ڈال۔ البتہ یہ کوشش بے غرض ہونی چاہیے۔ جو شخص کسی ہنر یا پیشے میں قدم رکھتا ہے وہ گویا دوسرے اہلِ پیشہ کی مدد کرتا ہے کیوں کہ تمدن کے سارے پیشے ایک شخص انجام نہیں دے سکتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ بڑھئی بھی وہی ہو، سقہ بھی وہی ہو اور جولاہا بھی وہی ہو جب کہ باہمی امداد پر یہ کارخانہ قائم ہے تو ہر شخص کو ایک پیشہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ مفت خوری کی سند نہیں۔ سنّت کی راہ تو یہی ہے کہ آدمی کوئی کام اور کوئی پیشہ اختیار کرے۔

گدھے نے کہا کہ خدا پر توکل کرنے سے بہتر دونوں عالم میں کوئی پیشہ مجھے نہیں سوجھتا۔ یہ بات میرے علم سے باہر ہے کہ کسی نے خدا کا شکر ادا کیا ہو اور خود شکر نے اس کے لیے رزق نہ کھینچ لیا ہو۔

الغرض ان کی بحث اس قدر بڑھی کہ سوال و جواب سے دونوں تھک گئے۔

پھر لومڑی نے کہا کہ خدا کا حکم موجود ہے کہ تم اپنے ہاتھوں آپ ہلاکت میں نہ پڑو۔ پتھریلے اور خشک جنگل میں صبر کرنا صریح حماقت ہے۔ جب کہ خدا کا جہان بہت وسیع ہے۔ تم یہاں سے سبزہ زار میں منتقل ہو جاؤ۔ وہاں ندیوں کے کنارے مزے مزے کا سبزہ چرو۔ ایسے سبزہ زار جو بہشت کی مانند ہیں اور ان میں گھاس کمر کمر تک اگی ہوئی ہے۔ وہ جانور بڑا خوش نصیب ہے جو وہاں چلا جائے تو وہ ایسا مقام ہے کہ وہاں اونٹ بھی چھپ جاتا ہے۔ اس سبزہ زار کے ہر طرف چشمے بہ رہے ہیں اور اس میں ہر جانور بالکل محفوظ اور خوش حال ہے۔

گدھے نے گدھے پن سے یہ نہ پوچھا کہ اے ملعون جب تو اسی جگہ کی رہنے والی ہے تو اس قدر کم زور کیوں ہے؟ تجھ میں مٹاپے اور خوش حالی کی کوئی بشاشت نہیں ہے اور یہ تیرا جسم دبلا اور بے قرار کیوں ہو رہا ہے؟ اگر سبزہ زار کی تفصیل جھوٹ اور فریب نہیں ہے تو تیری آنکھوں میں اس کا خمار کیوں نہیں ہے؟ یہ بھک منگی آنکھ اور ندیدہ پن تیرے بھکڑ پن کی وجہ سے ہے، امیری سے نہیں۔ جب تو چشمے سے چلی آ رہی ہے تو خشک کیوں ہے اگر تو بہشت سے آئی ہے تو وہاں کا کوئی گلدستہ بطور تحفہ بھی لائی ہے۔ تو جو کچھ کہتی اور تفصیل وار بیان کرتی ہے خود تجھ میں تو اس کے آثار پائے نہیں جاتے۔

غرض گدھا چوں کہ مقلد تھا آخر کار لومڑی کے فریب میں آگیا۔ اس کی عقل و بصیرت میں ذاتی قوت نہ تھی۔ اس لیے لومڑی نے مکر و فریب سے اس کو خاموش کر دیا۔ کھانے کی حرص نے اس کو اتنا ذلیل کیا کہ وہ سب دلیلیں بھی گرد ہو گئیں۔ لومڑی نے حیلے کے میدان میں قدم رکھا۔ گدھے کی داڑھی پکڑی اور شیر کے آگے لے پہنچی مگر ابھی وہ گدھا شیر سے دور ہی تھا اور شیر بھی چلنے پھرنے سے معذور تھا کہ گدھے کے پاس آنے کا انتظار شیر نہ کر سکا اور بلندی پر سے ایک زور کی جست کی۔ حالاں کہ اس میں اتنی بھی قوت نہ تھی کہ اپنی جگہ سے ہل سکے۔ گدھے نے دور سے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً الٹے پاؤں بھاگا اور

اپنی پہاڑی میں جاکر دم لیا۔ لومڑی نے شیر سے کہا کہ اے جہاں پناہ آپ نے عین موقع پر صبر سے کام نہ لیا۔ اتنی راہ بھی نہ دیکھی کہ وہ بے وقوف آپ کی دسترس میں آجاتا اور آپ ایک ہی حملے میں اس پر غالب آجاتے۔ جلدی اور تیزی شیطان کا کام ہے اور صبر و تحمل خدا کا فضل ہے۔ چوں کہ وہ دور تھا۔ آپ کو حملہ آور ہوتے دیکھ کر بھاگ گیا۔ کسی کا کیا گیا آپ ہی کی کم زوری ظاہر ہوئی اور عزت خاک میں مل گئی۔ شیر نے کہا کہ میں نے یہ گمان کیا تھا کہ شاید زرا ظہورِ قوت مجھ میں باقی ہوگی لیکن میں اپنی اتنی کم زوری سے ناواقف اور اندھا تھا اور بات یہ بھی ہے کہ چوں کہ بھوک اور فاقہ کی ضرورت حد سے زیادہ تھی اس لیے صبر اور عقل مارے بھوک کے بے کار ہو گئے اگر ممکن ہو تو دوبارہ عقل مندی سے اسے یہاں تک لے آ۔ اور تو یہ کام کر سکے گی۔ مجھ پر تیرے بڑے بڑے احسان ہیں۔ اب کے ایک کوشش اور کر شاید کہ تو چالاکی سے پھر لے آئے۔ اگر خدا اس گدھے کا رزق مجھے عطا فرمائے تو میں بہتیرے شکار تجھے بخشوں گا۔ لومڑی نے کہا بہت اچھا اگر خدا میری مدد کرے اور اس کے دل پر اندھیرے کی مہر لگا دے تو اس کے گدھے پن سے کچھ بعید نہیں کہ جو دہشت وہ دیکھ چکا ہے اسے بھول جائے۔ لیکن جب میں اسے آپ کے پاس لانے لگوں تو جلدی نہ کیجیے گا کہیں آپ کی جلد بازی اسے گزشتہ واقعہ یاد نہ دلا دے۔ شیر نے کہا ٹھیک ہے اب تو میں نے تجربہ کر لیا کہ میں بالکل بیمار ہوں اور سارے جوڑ بند ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ اب کے تو یہ کروں گا کہ جب تک گدھا بالکل میرے پاس نہ آجائے میں کان تک نہ ہلاؤں گا اور دم سادھے پڑا رہوں گا۔

اُدھر لومڑی پھر گدھے کی طرف لپکی اور خدا سے دعا کی کہ اے کارساز میری امداد کر کہ اس گدھے کی عقل پر غفلت کا پردہ پڑ جائے۔ ادھر گدھے نے جناب باری میں بڑی توبہ تلا کی کہ آئندہ کبھی کسی بدمعاش کے پھندے میں نہ پھنسنا [illegible]

اور یہی کہہ رہی تھی۔ غرض لومڑی چھپا جھپ دوڑتی ہوئی گدھے کے پاس پہنچی۔ گدھے نے کہا۔ تجھ جیسے دوست سے خدا پناہ میں رکھے۔ اری بے وفا! میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تو مجھے شیر کے سامنے لے پہنچی۔ سوا بد باطنی کے تیرے اس کینے کا سبب کیا ہو سکتا ہے۔ یہ تو بچھو کی ادا ہو گئی کہ بے چھیڑے بے ستائے بھی پانو پر ڈنک مارتا ہے۔ یا شیطان کی سی حرکت ہے کہ ہم اس سے الا اللہ تک نہیں کہتے مگر وہ ہے کہ خواہ مخواہ ہماری جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔

لومڑی نے کہا کہ میاں گدھے! وہ تو جادو کی ڈھیٹ بندی تھی کہ تمھاری آنکھوں کو شیر دکھائی دیا۔ نہ خود سمجھ سکتے ہو کہ میں تن و توش میں تم سے کہیں چھوٹی ہوں اور رات دن وہیں رہا کرتی ہوں۔ ساری دنیا ہاتھی اور گینڈے جیسے بھوکوں بڑپیٹوں سے بھری پڑی ہے۔ اگر ایسی ڈھیٹ بندی نہ ہوتی تو وہ سبزہ زار کیسے محفوظ رہتا۔ میں نے پہلے ہی چاہا تھا کہ تجھ کو جتا دوں کہ اگر ایسی کوئی ڈراونی شکل دکھائی دے تو ڈرنا نہیں لیکن تیری دل جوئی اور محبت میں اس قدر محو ہو گئی کہ یہ بات جتانی بھول گئی۔ میں نے دیکھا کہ تو بھوک کے مارے بے تاب اور بے بس ہو رہا ہے اس لیے جلدی جلدی دوڑاتی تجھے لا رہی تھی کہ تیری بھوک کا علاج ہو جائے ورنہ میں اس طلسمات کا راز تجھ پر ضرور کھول دیتی کہ وہ محض خیالی شکل ہے کوئی جسمانی شکل نہیں ہے۔ میں اس ڈراونی مگر خوب صورت شکل کا حال تجھ پر ظاہر کرنا بھول گئی۔ گدھے نے کہا اری چل دُور ہو میرے سامنے سے۔ خدا تیری شکل پھر نہ دکھائے جس خدا نے تجھے بدنصیب بنایا ہے اسی نے تیرے بُرے چہرے کو مکروہ اور سخت کر دیا ہے۔ اب کون سا منہ لے کر میرے پاس آئی ہے۔ ایسا سخت چہرہ تو گینڈے کا بھی نہیں تو میرے خون اور جان کی علانیہ دشمن ہے۔ اب تو میں عزرائیل کی صورت دیکھ آیا ہوں۔ پھر بھی تو مکر اور جھوٹ کو سچ بنانے کی دھن میں یہاں آ پہنچی۔ چاہے میں گدھا ہوں یا

سب گدھوں سے ذلیل گدھا ہوں ، جو کچھ بھی ہوں مگر جانور تو ہوں اور جان رکھتا ہوں۔ ایسے چال چکّر میں کب آنے والا ہوں ۔ جیسی دہشت میرے دل پر ہوئی اگر بچّہ دیکھ لیتا تو اسی وقت بڈھا ہو جاتا ۔ اس خوفناک نظّارے نے چھکّے چھڑا دیے اور میں نے پہاڑ کی چوٹی پر سے سر کے بل اپنے کو نیچے گرا دیا ۔ آخر کار وہی احسان کرنے والا خدا یاد آیا اور میں نے عہد کیا کہ اب کے تو میرے پیروں کے بندھن کھول دے اس کے بعد کبھی کسی کے دھوکے میں نہ آؤں گا ۔ اے مدد کرنے والے میں عہد کرتا ہوں اور یہی نذر کرتا ہوں ۔ خدا نے اسی وقت ان دعاؤں اور رونے پیٹنے سے میرے پاؤں کھول دیے اور بھاگ کر بچ نکلا ورنہ وہ شیر نر مجھے کھا جاتا ۔ اے بدمعاش ! اسی شیر نے از راہِ مکر پھر تجھے میرے پاس بھیجا ہے ۔

لومڑی نے کہا ہمارے نتھرے پانی میں تلچھٹ کا نام نہیں لیکن وہم و بدگمانی کہاں خارج ہو گیا ہے؟ ارے بے وقوف یہ سب تیرا ہی وہم ہے ۔ ورنہ میں تو نہ کوئی کھوٹ رکھتی ہوں اور نہ ارادہ فریب کا ہے اپنے خیال کی عینک سے مجھے نہ دیکھ ۔ دوستوں سے بدظنی کیوں کرتا ہے ۔ سچّے اور سیدھے بھائیوں پر ہمیشہ نیک گمان کرنا چاہیے خواہ اُن سے بظاہر کیسی ہی تکلیف پہنچے ۔ جہاں بدگمانی اور بدخیالی پیدا ہوئی کہ دوستی دشمنی سے بدل گئی ۔ اگر کوئی مہربان محبّت کے امتحان کے لیے کوئی سختی کر بیٹھے تو عقلمند کو چاہیے کہ بدگمان نہ ہو اور میں تو ایسی بد فطرت بدنہاد نہ تھی کہ تو بدگمان ہو جاتا جو کچھ تو نے دیکھا وہ تو صرف ڈھسٹ بندی تھی ۔ گدھے نے بہتیری تردید کی اور اسے دفان کرنا چاہا لیکن بھوک بے تاب کیے دیتی تھی ۔ انجام کار حرص غالب آئی اور صبر جاتا رہا ۔ روٹی کی ہوس نے کتنے گلے کٹوا دیے ہیں یہاں تک کہ حضرت رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ محتاجی کا کفر تک پہنچ جانا ممکن ہے ۔ چونکہ گدھا بھوک کا شکار ہو رہا تھا اس نے اپنے جی میں کہا کہ اگر لومڑی مکر ہی کر رہی ہے تو لوا ہی سے

آپ کو مردہ سمجھ لو۔ اس بھوک کے صدمے سے نوجوان بچے۔ اگر زندگی یہی ہے تو مرجانا ہی بھلا۔ اگرچہ گدھے نے پہلے بہت توبہ تلّا کی تھی اور قسمیں کھائی تھیں لیکن اپنے گدھے پن سے حماقت میں مبتلا ہوگیا۔ حرص آدمی کو اندھا، احمق اور بے وقوف بنا کر موت کو اس پر ہموار کردیتی ہے۔ گدھوں کو موت آجانی بہت آسان ہے کیوں کہ وہ اپنی روح میں کوئی دوامی زندگی نہیں رکھتے۔ آخر کار اس گدھے کو بہلا پھسلا کر لومڑی دوبارہ شیر کے سامنے لے گئی اور اس نے چیر پھاڑ کر برابر کردیا۔ اس شکار کی محنت سے وہ درندوں کا بادشاہ جو پیاسا ہوا تو ایک چشمے پر پانی پینے گیا۔ لومڑی کو موقع فرصت کا ہاتھ آیا تو اس نے فوراً گدھے کا دل وجگر کھالیا۔ شیر نے چشمے سے واپس آکر جو دیکھا تو نہ دل تھا نہ جگر۔ لومڑی سے پوچھا کہ اس کا دل وجگر کیا ہوا کیوں کہ کوئی جانور ان دو سے خالی نہیں ہوتا؟ لومڑی نے عرض کی کہ جہاں پناہ! اگر اس کے دل وجگر ہوتا تو دوبارہ یہاں کیسے آتا۔ اس نے وہ قیامت اور داروگیر دیکھی تھی اور وہ پہاڑ سے گرپڑنا اور وہ دہشت اور بھاگڑ کی مصیبت بھگتی تھی اگر اس کے دل وجگر ہوتا تو آپ کے سامنے دوبارہ کیسے آتا؟۔

دوستو! جس دل میں نور نہ ہو وہ دل ہی نہیں اور جس میں روح نہ ہو وہ بالکل مٹّی ہے۔

۲۱۔ ایک سقّے کے گدھے کا گھوڑوں کا سازوسامان دیکھ کر حرص کرنا

ایک حکایت میرے والد نے بطور نصیحت ایک دن مجھ سے فرمائی کہ ایک سقّے کا گدھا تھا۔ بوجھ ڈھوتے ڈھوتے اس کی کمر دوہری ہوگئی تھی۔ اس کی پیٹھ میں دس جگہ

زخم تھے اور ہر وقت اپنی موت کا خواہش مند رہتا تھا۔ جَو تو اُسے کہاں نصیب، سوکھی گھاس بھی پیٹ بھر نہ ملتی تھی۔ اس کے بدلے لوہے کی میخ کے کچوکوں سے چوتڑ زخمی ہو گئے تھے۔ سالوتری نے دیکھ کر اس پر بہت رحم کھایا کیوں کہ وہ گدھے کے مالک کا دوست تھا۔ اس نے سقّے کو سلام کیا اور پوچھا کہ میاں تمھارا گدھا تو بڑھیا کی طرح دُہرا ہو گیا۔ سقّے نے کہا کہ بھائی! میری مفلسی ہے کہ اس بےچارے جانور کے کھانے کو جَو نصیب نہیں۔ اس نے کہا کہ تم چند روز اسے میرے حوالے کر دو تاکہ بادشاہی اصطبل میں خوب کھا کر موٹا تازہ ہو جائے۔ سقّے نے وہ گدھا اس کے حوالے کر دیا اور اس نے بادشاہی اصطبل میں لے جا کر باندھ دیا۔ گدھے نے دیکھا کہ ہر طرف عربی گھوڑے بڑے سازوسامان کے ساتھ موٹے تازے چمکیلے رنگ کے بندھے ہیں۔ اُن کے تھانوں کی زمین خوب جھاڑی جھڑائی، پانی چھڑکی ہوئی ہے۔ گھاس اور جَو اپنے اپنے وقت پر دیا جاتا ہے۔ ان گھوڑوں کو کھریرہ اور مالش ہوتے دیکھ کر ٹھنڈی اونچی کی اور خدا سے یہ فریاد کی کہ اے رب کیا میں تیری مخلوق نہیں ہوں۔ یہ مانا کہ میں گدھا ہوں لیکن کس وجہ سے بُرے حال پیٹھ زخمی اور دُبلا ہو رہا ہوں۔ یہ گھوڑے تو ایسے کروفر سے رہیں اور میں نے کیا گناہ کیا ہے کہ اس مصیبت اور آزمائش میں پھنسا رہوں؟ ناگہاں جنگ و جدل کا شور اٹھا اور گھوڑوں پر زین کسنے اور جنگ پر لے جانے کا وقت آ گیا۔ ان گھوڑوں نے دشمن کے تیروں کے زخم کھائے اور ان کا سارا جسم تیر کے پیکانوں سے چھلنی ہو گیا۔ جنگ سے وہ گھوڑے واپس آئے اور لمبے لمبے لیٹ گئے۔ ان کے پاؤں نواڑ سے باندھ کر نعلبند قطار در قطار کھڑے ہو گئے۔ ان کے جسم چیر چیر کر تیروں کے پھل نکال لیتے تھے تاکہ زخموں کو صاف کریں۔ جب گدھے نے یہ حال دیکھا تو کانپ گیا اور خدا سے عرض کی کہ میں اس محتاجی اور سلامتی میں خوش ہوں۔ اس سازوسامان سے جس میں ایسے زخم

کھانے پڑیں، میں باز آیا ::

۲۲۔ ایک زاہد کا توکّل کی آزمایش کرنا

ایک زاہد نے حضرت مصطفےٰ صلی اللہ وسلّم کا ارشاد سنا کہ چاہے تو رزق طلب کرے چاہے نہ طلب کرے وہ تیرے پاس دوڑا آتا ہے۔ آزمایش کرنے کو یہ شخص ایک پہاڑ کے دامن میں جا کر سو رہا کہ دیکھوں رزق کیوں کر آتا ہے؟ اتفاق سے ایک کارواں راستہ بھول کر اُدھر آ نکلا اور پہاڑ کے دامن میں اسے پڑا ہوا دیکھا۔ اہلِ کارواں نے کہا کہ یہ شخص بالکل بے سر و سامان اس پُرخار جنگل میں راستے اور شہر سے دور کیسے پڑا ہے۔ بڑا تعجب ہے کہ اس کو نہ بھیڑیے کا خوف ہے نہ کسی دشمن کا۔ خدا ہی جانے زندہ ہے کہ مردہ۔ قریب آ کر بہتیرا جگایا مگر وہ جان کر نہ اٹھا۔ نہ اپنی جگہ سے ہلا نہ سر ہلایا۔ بلکہ آزمایش کے شوق میں آنکھ تک نہ کھولی۔ یہ حال دیکھ کر وہ آپس میں کہنے لگے کہ غریب بڑھنے کو ہاسے بھوک کے سکتہ ہو گیا ہے۔ روٹی اور دیگچی میں سالن لائے تاکہ نوالے اس کے منہ میں رکھیں اور حلق میں اتار دیں۔ اس شخص نے بالارادہ اپنے دانت بھینچ لیے تاکہ حضرت کے قول کی سچائی کو کسوٹی پر کسے۔ ان لوگوں کو اور بھی رحم آیا اور کہنے لگے کہ یہ تو بالکل دم توڑ رہا ہے۔ بھوک سے قریب مرگ ہو چکا ہے۔ ایک چھری لائے اور اس کو الٹا کر کے بتّیسی کو کھولا۔ اس کے حلق میں شوربا ڈالتے تھے اور روٹی کے ٹکڑے چور چور کر کے کھلاتے تھے۔ اس نے اپنے دل سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے دل اگرچہ میں جسم کو بے حس کیے پڑا ہوں مگر تجھے تو بھید معلوم ہو گیا۔ دل نے کہا کہ ہاں میں جانتا ہوں اور یہ میں نے اس لیے آزمایش کرائی کہ تو کبھی توکل سے منہ نہ موڑے حرص کرنا تو بالکل گدھا پن ہے

اس کے بعد اس مسکین نے زبان کھولی اور کہا کہ میں نے اب رزق کی پوری پوری آزمائش کر لی۔ جو کچھ حضرت نے ارشاد فرمایا وہ بالکل سچ ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

۲۳۔ ایک شخص کا کسی کے گھر میں خوف سے گھس جانا کہ گدھے پکڑے جا رہے ہیں

ایک شخص مارے خوف کے کسی کے گھر میں گھس گیا۔ زرد چہرہ اور دے ہونٹ اور منہ فق تھا۔ صاحب خانہ نے پوچھا خیر تو ہے۔ تیرے ہاتھ بید کی طرح کیوں کانپ رہے ہیں؟ کیا بات ہے کیوں بھاگ آیا۔ تیرے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا ہے اس کا سبب کیا ہے؟ کہنے لگا ظالم بادشاہ کی بیگار میں آج گدھے پکڑے جا رہے ہیں اس نے کہا کہ اے بھائی! گدھوں کو پکڑ رہے ہیں جب تو گدھا نہیں تو تجھے کا ہے کا ڈر ہے۔ اس نے کہا کہ بادشاہی پیادے بہت سختی کر رہے ہیں اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر پکڑ رہے ہیں۔ اگر مجھے بھی گدھا بنا ڈالیں تو کوئی عجب نہیں وہ گدھے پکڑنے تو نکلے ہیں لیکن سختی ان کی اس قدر حد سے بڑھ گئی ہے کہ تمیز جاتی رہی ہے چونکہ حکومت بے تمیز دل اور نادانوں کے ہاتھ میں آ گئی ہے اس لیے ممکن ہے کہ بجائے گدھے کے گدھے کے مالک ہی کو پکڑ لے جائیں۔

۲۴۔ ایک راہب کا دن دہاڑے شمع لے کر آدمی کی تلاش میں پھرنا

ایک شخص دن دہاڑے شمع لے کر بازاروں کے چکر لگا رہا تھا کسی نے پوچھا اے شخص یہ تو ہر دکان پر کسے ڈھونڈتا پھرتا ہے؟ تو دن کے اجالے میں جو چراغ لے کر ہر طرف گھومتا

تو بھلا یہ بھی کوئی مذاق ہے؟ اس نے کہا کہ میں انسان کی جستجو میں ہوں مگر وہ کہیں نہیں ملتا اس لیے مایوس ہی جاتا ہوں۔ ایک شخص نے یہ باتیں سن کر کہا کہ اجی حضرت! دیکھیے اس بازار میں تو اس قدر آدمی معلوم ہوتے ہیں کہ کھوے سے کھوا چھل رہا ہے۔ اس نے کہا کہ میں اس مرد کو ڈھونڈ رہا ہوں جو غصّے اور حرص کے موقع پر قابو میں رہے۔ جس کی مردانگی ان دونوں حالوں میں بھی قائم رہے وہ دنیا میں کہاں ہے جس پر میں اپنی جان صدقے کر ڈالوں۔ اُس نے جواب دیا کہ تو بہت کمیاب چیز کو ڈھونڈتا ہے لیکن تو حکمِ خدا سے غافل ہے۔ تو فرع کا دیکھنے والا ہے اور اصل کی خبر نہیں رکھتا۔ یعنی ہم فرع ہیں اور اصل تو قضا و قدر کے احکام ہیں۔ جب تو پن چکی کے پاٹ چلتا دیکھتا ہے۔ تو اس کے نیچے ندی کے پانی کو بھی دیکھ۔ خاک تو اڑتے ہوئے دیکھ لیا، اس خاک کے درمیان کی ہوا کو بھی تو دیکھ۔ فکر کی دیگوں کو ابلتے اور جوش کھاتے ہوئے دیکھتا ہے۔ ذرا عقل و ہوش کے ساتھ آگ پر بھی تو غور کر۔

۲۵۔ چور اور کوتوال

ایک چور نے کوتوال سے کہا کہ اے سردار! میں نے جو کچھ کیا وہ خدا کا حکم تھا کوتوال نے کہا کہ جو کچھ میں کرتا ہوں وہ بھی حکمِ حق ہے۔ اگر کسی دکان سے کوئی مولی چرالے تو بحکمِ الٰہی سے چرائی اور جب اس کے سر پر دو تین گھونسے لگائے جائیں تو یہ بھی حکمِ الٰہی سے ہے، اسے بھی لے۔

تمثیل

ایک شخص درخت پر چڑھ کر چوری سے میوہ توڑنے لگا۔ مالک آیا اور کہنے لگا کہ ارے بے شرم یہ کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ اگر خدا کے باغ سے خدا کا بندہ

کھجور کھائے جو خدا نے عطا کی ہے تو اِس پر تو ملامت کرنے والا کون ہے؟ تو اس بے پروا خدا کی دولتِ بے زوال میں بھی بخل کرتا ہے۔ مالک نے اپنے غلام سے کہا کہ ذرا رسّی تو لا تاکہ اس نیک مرد کو جواب دوں۔ رسّی آئی اور مالک نے چور کو درخت سے ہاتھ باندھ کر پیٹھ اور چوتڑوں پر مارنا شروع کیا۔ چور نے کہا ارے خدا سے شرم کر تو مجھے مارے ڈالتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کی لکڑی سے یہ بندہ خدا کے دوسرے بندے کی پیٹھ پر مار رہا ہے۔ یہ لکڑی بھی حق کی ہے اور میں بھی خدا ہی کے حکم کا غلام ہوں۔ آخر اِس چور نے کہا کہ میں نے جبر سے توبہ کی، بے شک آدمی کو حق حاصل ہے۔

۲۶۔ ایک درویش کا عمید خراسانی کے غلاموں کو دیکھ کر خدا کو طعنہ دینا

شہر ہرات میں ایک مردِ گستاخ نے وہاں کے امیر کے غلاموں کو اطلس کا لباس پہنے، کمر سے زرین پٹکے باندھے دیکھا تو آسمان کی طرف سر اونچا کیا اور کہا کہ اے خدا! ایسے احسان کرنے والے امیر سے غلام کی نگہداشت کرنا تو کیوں نہیں سیکھتا۔ اے خدا تو غلاموں کی پرورش کرنا عمید سے سیکھ جو ہمارے شہر کا والی ہے۔

وہ مردِ گستاخ، بالکل محتاج ننگا اور بے سروسامان تھا اور جاڑے کی سرد ہوا میں کانپ رہا تھا۔ اس بے خود نے چُہل کی۔ وجہ یہ کہ اس کو ہزارہا بخششوں پر اعتماد تھا کیوں کہ اہلِ معرفت حق کے آس پاس رہتے ہیں۔ اگر کوئی بادشاہ کا مقرب گستاخی کرے تو تو اس کی تقلید نہ کر کیوں کہ تو مقرب نہیں ہے۔

اب سُنیے ایک دن بادشاہِ وقت نے اِس والی پر تہمت لگائی اور ہاتھ بیر

باندھ کر قید کر دیا۔ اُن خوش لباس غلاموں کو بھی شکنجوں میں کھینچ کر حکم دیا کہ اپنے مالک کے سارے بھید مجھے سناؤ ورنہ تمھارا حلق چیر کر زبان کھینچ لوں گا۔ کامل ایک ماہ تک ان غلاموں کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں اور بار بار کے ان کے ٹکڑے اڑا دیے مگر کسی غلام نے امیر کا راز نہ بیان کیا۔ تب اس گستاخ درویش کے خواب میں ایک فرشتے نے کہا کہ اے شخص تو نے خدا کو آقائی کرنی سکھائی تھی، ذرا غلام بننا بھی سیکھ لے۔

۲۷۔ حضرت بایزیدؒ کے زمانے میں ایک مسلمان کا آتش پرست کو دعوتِ اسلام دینا

حضرت بایزید کے زمانے میں ایک معزز آتش پرست تھا۔ ایک نیک مسلمان نے اُس سے کہا اگر تو مسلمان ہو جائے تو کیا اچھا ہو کہ تو نجات بھی پائے اور سرداری بھی حاصل ہو جائے۔ اس نے کہا کہ اگر ایمان یہی ہے جو شیخ بایزید کا ہے تو مجھے اس کی تاب و طاقت نہیں کہ وہ میری جان کی برداشت سے باہر ہے۔ اگرچہ میں مسلمان نہیں لیکن بایزیدؒ کے ایمان کا قائل ہوں۔ مجھے ایمان ہے کہ وہ جملہ بنی آدم سے افضل ہے اور نہایت پاک، باہمت و باشوکت ہے۔ میں اپنے دل میں اس کے ایمان پر عقیدت رکھتا ہوں، اگرچہ میرے منھ پر سخت مہر لگی ہوئی ہے۔ لیکن اگر تم ایسے ایمان کی جیسا کہ تمھارا ہے دعوت دیتے ہو تو مجھے نہ ایسے ایمان کی طرف کشش ہے نہ خواہش۔ اگر کسی کو ایمان کی طرف رغبت بھی ہو تو تم کو دیکھ کر جاتی رہے کیوں کہ وہ تم میں ایمان کا صرف نام ہی دیکھے گا، اصلیت کا پتا نہ پائے گا۔

۲۸۔ بدآواز موذّن کا کافرستان میں اذان دینا

یہ حکایت سنو۔ ظاہری قصّے کو چھوڑ کر اس کے نتیجے پر غور کرو۔ ایک موذّن بہت بدآواز تھا اور ہر رات اپنا حلق چیرا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ سننے سننے لوگوں کے سر میں درد ہو جاتا تھا۔ ایک طرف بچّے اپنے بچھونوں میں اس کی آواز سن کر اُچھل پڑتے تھے۔ دوسری طرف عورت و مرد کی جان اس کی کرخت آواز سے ضیق میں تھی۔ اس زحمت اور تکلیف کو دور کرنے کے لیے لوگ آپس میں چندہ کرنے جمع ہوئے۔ موذّن کو طلب کر کے سب نے اپنے اپنے چندے دیے اور کہا کہ تیری آواز سے ہم نے بہت راحت پائی۔ دن رات کی اتنی ہی مہربانی کافی ہے۔ اب زبان بند کر اور اس کے بدلے میں یہ چندہ حاضر ہے، اسے لے جا۔ ایک قافلہ حج کو جا رہا تھا۔ یہ موذّن بھی اپنے چندے کی پوٹلی باندھ اس کے ساتھ ہو لیا۔ اتفاق سے اسی رات قافلہ کافروں کی بستی میں ٹھیرا۔ وہ موذّن تو اپنی آواز کا عاشق تھا ہی۔ اس نے اذان دینی شروع کر دی۔ چند آدمیوں نے منع بھی کیا کہ مبادا مقامی قبیلوں سے جنگ و عداوت پیدا ہو جائے۔ لیکن اس نے ہیکڑی کر کے بالکل ہی کڑی آواز سے کافرستان میں اذان دی۔ لوگ ڈر رہے تھے کہ کہیں کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو کہ اتنے میں ایک کافر ہاتھ میں شمع لیے حلوے کا ایک طبق اور ایک نفیس کپڑوں کا جوڑا تحفہ لایا اور قافلے میں دوستوں کی طرح داخل ہوا۔ ایک ایک سے پوچھتا تھا کہ وہ موذّن کہاں ہے جس کی آواز سے راحت پہنچی ہے؟ لوگوں نے پوچھا کہ ایسی بھیانک آواز سے کیا راحت پہنچی ہوگی۔ اس نے کہا کہ میری ایک اکلوتی لڑکی ہے بہت نازک اندام اور خوب صورت اس کو مسلمان ہو جانے کی بہت آرزو تھی۔ یہ سودا اس کے سر سے کسی طرح نہ جاتا تھا۔

کتنے ہی کافروں نے نصیحتیں کیں لیکن بے سود ہوئیں - اس کے دل پر ایمان کی لہر اٹھ آئی تھی اور اس کے دین بدلنے کے خوف سے میں ہمیشہ پریشان اور دردمند رہتا تھا - اس کو سمجھانے سمجھانے میں بالکل ہار چکا تھا - یہاں تک کہ آج اس موذن نے اذان دی - لڑکی نے سن کر کہا - یہ کیا وہ آواز کیا ہے جو چاروں طرف سے میرے کانوں میں آرہی ہے؟ میں نے ساری عمر میں ایسی کرخت آواز نہ کسی مندر میں سنی نہ کسی آتش کدے میں - اس کی بہن نے کہا کہ یہ اذان کی آواز ہے مسلمانوں میں نماز کی اطلاع دینے کا یہی طریقہ ہے اس کو اعتبار نہ ہوا تو دوسرے سے دریافت کیا اس نے بھی تصدیق کی - جب اس کو یقین ہو گیا تو اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور مسلمانی سے اس کا دل ہٹ گیا - میں اپنی لڑکی کے تبدیل مذہب کے خوف سے محفوظ ہو گیا اور اس شکریے میں یہ تحفہ لایا ہوں - وہ موذن کہاں ہے؟ جب اُسے دیکھا تو کہا یہ تحفہ لیجیے - آپ تو میرے محسن اور دستگیر ہیں - آپ نے مجھ پر وہ احسان کیا ہے کہ تمام عمر کو غلام ہو گیا - اگر میرے پاس مال اور ملک اور حکومت ہوتی تو آپ کا مُنھ اشرفیوں سے بھر دیتا ۔

۲۹- ایک عورت کا گوشت کھا جانا اور کہنا کہ بلّی نے کھایا ہے

ایک شخص کی بیوی تھی بڑی چال باز اور چور - میاں جو کچھ گھر میں لاتا بیوی تلپٹ کر دیتی اور مرد کو سوا خاموشی کے کوئی چارہ نہ تھا - ایک دن وہ بے چارہ توڑی کوشش و تردّد سے مہمان کے واسطے گوشت لایا - عورت نے کباب کر کے سب چٹ کر لیا جب میاں آیا اور کہا کہ مہمان آپہنچا وہ گوشت کہاں ہے؟ مہمان کے آگے اس کے کوفتے بنا کر رکھنا ہے - عورت نے کہا کہ گوشت تو بلّی کھا گئی اگر تجھے

غرض ہی تو اور گوشت خرید لا۔ میاں نے غلام سے کہا کہ ذرا ترازو تو لا کہ اس بلّی کو تولوں۔ جب تولا تو وہ کوئی چار سیر تلی۔ اس وقت میاں نے کہا کہ مکّارہ خام پارہ گوشت تو چار سیر سے بھی زیادہ تھا اور بلّی کلھم چار سیر کی ہی اب اگر یہ بلّی ہی تو تو گوشت کہاں ہی اور اگر یہ گوشت ہی تو بلّی کہاں گئی؟۔

۳۰۔ ضیاے بلخی کا شیخ الاسلام تاج کے باب میں ایک لطیفہ

ضیاے بلخی صاحبِ الہام بزرگ تھے اور اُن کے بھائی تاج شیخ الاسلام تھے۔ طالبِ علم میں ایک کثیر جماعت ان کے پاس درس لینے کو ہر وقت حاضر رہتی تھی۔ تاج دارالسلطنت بلخ کے شیخ الاسلام اور بہت ہی ٹھگنے قد کے تھے۔ تاج بڑے فاضل اور صاحبِ ہنر تھے اور ضیا ظرافت میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے لیکن شیخ الاسلام کی طبیعت میں تبختر بھی تھا۔ اور اپنے بھائی ضیا سے ان کو شرم آتی تھی۔ اگرچہ ضیار بھی صاحبِ ارشاد و اعظ تھے۔ ایک دن شیخ الاسلام کے دربار میں بڑے بڑے قاضی مفتی اور علمار جمع تھے کہ ضیا بھی آپہنچے - شیخ الاسلام نے بڑی نخوت و تمکنت سے ان کو نصف تعظیم دی۔ ضیا نے جو ایسا غرور دیکھا اور بھری محفل میں عزّت کرکری ہونے کی وجہ سے کسی قدر شرم آئی تو کہنے لگے کہ تم بے حد لمبے تھے۔ تبرک کے طور پر کچھ درازی سرو چرا لے گیا اس لیے پورے قد سے کھڑے ہونے میں شرماتے ہو۔

۳۱۔ مسخرے کا شاہ ترمذ کو شطرنج میں مات دینا

بادشاہ ایک مسخرے کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا۔ مات جو ہوئی تو بادشاہ کو

غصّہ آگیا اور شہ شہ کہہ کر شطرنج کا ایک ایک مہرہ مسخرے کے سر پر مارنا شروع کیا اور کہنے لگا ارے بے حمیت لے یہ شہ۔ مسخرے نے صبر کیا اور معافی مانگنے لگا۔ اس کے بعد بادشاہ نے ایک بازی اور کھیلنے کا حکم دیا۔ وہ مسخرہ اس قدر لرز رہا تھا جیسے سخت جاڑے میں ننگا کانپتا ہو۔ دوسری بازی بھی بادشاہ ہار گیا اور پھر شہ مات کہنے کا وقت آیا۔ تب وہ مسخرہ وہاں سے اٹھ کر ایک کونے میں گیا اور مہروں کی چوٹ سے بچنے کے لیے کئی لحاف اور توشک اپنے اوپر ڈال لیے۔ بادشاہ نے کہا۔ ہائیں ہائیں، ارے یہ کیا کر رہا ہے؟ اس نے کہا کہ اے شاہ عالی جاہ اب آپ کو شہ مات دیتا ہوں۔ تجھ جیسے غصیل ہٹ چھپٹ سے لحاف میں چھپے بغیر سچی بات کیوں کر کہی جاسکتی ہے؟ اے بادشاہ تجھے پھر مات ہوگئی اور میں تیری چوٹوں سے بچ کر تجھے شہ کہتا ہوں۔

۳۲- ایک صوفی کا حریف کو آنکھیں نکالتا دیکھ کر بے ہوش ہو جانا

ایک صوفی لشکر کے ساتھ جنگ پر گیا۔ وہاں یکا یک دشمن کے حملے اور داروگیر جنگ کی آوازیں جو آئیں تو صوفی اپنی جھولی کو لیے خیمے ہی میں رہ گیا اور شہسوار صفِ جنگ میں جا پہنچے۔ جو لوگ اپنے جسم سے بوجھل تھے وہ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور جو آگے بڑھنے والے تھے وہ آگے بڑھ گئے۔ اہل لشکر جنگ کر کے فتح مند واپس ہوئے اور بہت سا گراں بہا مالِ غنیمت ساتھ لائے۔ انھوں نے ایک تحفہ صوفی کو دیا مگر صوفی نے اٹھا کے پھینک دیا اور کچھ نہ لیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ

حضرت، آخر اس خفگی کا سبب کیا ہے؟ کہا میں جنگ سے محروم رہ گیا اور معرکۂ جنگ میں شریک ہو کر کسی سے دو بدو نہیں لڑا۔ لوگوں نے کہا ہم ایک قیدی ساتھ لائے ہیں تم اسے لے کر قتل کر دو۔ اگر تم اس کا سر تن سے جدا کر دو گے تو تم بھی غازی ہو جاؤ گے۔ اس بات سے صوفی ذرا خوش ہوا اور دل قوی ہو گیا۔ کیوں کہ اگرچہ پانی سے وضو کرنے میں سو طرح کی پاکیزگی اور نورانیت ہے مگر جہاں پانی نہ ملے تو تیمّم ہی کرنا پڑتا ہے۔ القصہ صوفی اس گرفتار قیدی کو اپنے خیمے کے پیچھے لے گیا تاکہ اس سے جنگ کرے۔ صوفی کو وہاں بہت دیر ہوگئی۔ لوگوں نے کہا کہ تعجب ہے ! معلوم اس فقیر پر کیا گزری! اس کافر کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور اس کا مار ڈالنا بات ہی کیا تھی۔ اس کے قتل کرنے میں اتنی دیر کی کیا وجہ ہے؟ ایک آدمی اٹھ کر دیکھنے جو گیا تو دیکھتا ہے کہ صوفی نیچے ہے اور کافر اس پر چڑھا بیٹھا ہے۔ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ مگر غلبہ پا کر صوفی کا گلا دانتوں سے کاٹ رہا ہے اور صوفی بالکل بے ہوش نیچے پڑا ہوا ہے اس نے بندھے ہوئے ہاتھوں سے بلّی کی طرح بغیر کسی ہتھیار کے اس کا حلق زخمی کر دیا تھا اور اس کی ڈاڑھی فقیر کے خون سے رنگین تھی۔ غازیوں کو یہ دیکھ کر بڑی غیرت آئی اور اسی وقت اس کافر کے تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ صوفی کو ہوش میں لانے کے لیے چہرے پر پانی اور گلاب چھڑکا۔ صوفی ہوش میں آیا تو ایک مجمع کو اپنے اطراف میں پایا۔ لوگوں نے پوچھا کہ توبہ توبہ اے بزرگ یہ کیا واقعہ ہے تم کس وجہ سے بے ہوش ہو گئے؟ حیرت ہے کہ ہاتھ بندھے ہوئے ادھ موئے قیدی سے بھی تم مغلوب ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ صوفی نے کہا کہ جب میں نے اس کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اس مردود نے عجب طرح سے مجھے دیکھا۔ پہلے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھا اور پھر آنکھیں اس بُری طرح سے پھیریں کہ میرے ہوش جاتے رہے جوں جوں اس کی

آنکھیں پھر رہی تھیں مجھے ایک بہت بڑا لشکر سامنے دکھائی دے رہا تھا اور میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ نظارہ کس قدر بھیانک تھا۔ قصہ کوتاہ میں ان آنکھوں کو دیکھ کر اس قدر بے قابو ہو گیا کہ بے اختیار زمین پر گر پڑا۔ لوگوں نے کہا سبحان اللہ بس تم تو باورچی خانے اور خانقاہ میں رہا کرو تاکہ دوبارہ فوج میں رسوائی کی نوبت نہ آئے جب تم ایک ہاتھ بندھے ہوئے قیدی کے آنکھ دکھانے سے ایسے ڈوبے کہ تمھاری کشتی تک کے ٹکڑے اُڑ گئے تو ایسی آنکھ والوں سے تم جنگ کیسے کر سکتے ہو؟

۳۳۔ خلیفۂ مصر کا امیرِ موصل کی لونڈی کو غصب کر لینا

ایک مخبر نے خلیفۂ مصر سے عرض کیا کہ امیرِ موصل کے پاس ایک کنیز ہے۔ تمام عالم میں اس کے حسن کا جواب نہیں۔ اس کے حسن کی تعریف بیان میں نہیں آسکتی۔ اس مرقع میں ایک ہلکا سا عکس اس کے حسن کا موجود ہے۔ بادشاہ نے جونہیں کہ مرقع میں اس کی تصویر دیکھی ہوش جاتے رہے۔ اسی وقت ایک پہلوان کو بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ مصر کی سمت روانہ کیا اور حکم دیا اگر وہ اس ماہ پارہ کو تیرے حوالے نہ کرے تو اس کے علاقے کو اُلٹ پلٹ کر دے اور اگر دے دے تو اسے چھوڑ دے اور اس ماہ پارہ کو یہاں لے آ۔ وہ پہلوان بڑے کرّ و فر کے ساتھ ہزاروں رستموں اور طبل و عَلَم کے جھرمٹ میں موصل کو روانہ ہوا۔ جس طرح کہ ان گنت ٹڈیاں کھیتوں کو لپٹ جاتی ہیں اسی طرح یہ فوج اہلِ موصل کی ہلاکت پر کمر بستہ ہو گئی۔ ایک طرف سے تیروں کی دوسری طرف منجنیق کے پتھروں کی بوچھاڑ کر دی اور تیسری طرف تلواریں کوندتی ہوئی بجلیوں کی طرح سونت سونت کر پل پڑے۔ ہفتے بھر سخت خوں ریزی کی۔ امیرِ موصل نے جب لڑائی کی صورت بگڑتی ہوئی دیکھی تو اندرونِ شہر سے ایک

سفیر روانہ کیا کہ ان مسلمانوں کی خوں ریزی سے تیرا مقصد کیا ہے جو جنگ میں روزانہ مارے جا رہے ہیں؟ اگر تیری نیت ملک موصل اور اس کے دارالسلطنت پر ہے تو بغیر جنگ کے بھی یہ بات حاصل ہو سکتی ہے۔ میں اس طرف سے شہر کے باہر چلا جاتا ہوں اور تو اُدھر سے داخل ہو جا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان مظلوموں کا خون تیرا دامن گیر ہو۔ اور اگر تیرا منشا موتی اور سونا چاندی سے ہے تو یہ چیز ملک و شہر دینے سے بھی زیادہ آسان ہے تجھے جتنا سونا چاندی مطلوب ہو وہ میں بھیجے دیتا ہوں۔ جب سفیر اس پہلوان کے پاس پہنچا تو پہلوان نے کہا کہ مجھے ملک چاہیے نہ مال میں تو ایک صاحب جمال چاہتا ہوں۔ وہ مرقع جس میں حسینہ کی تصویر رکھی دے دیا اور کہا کہ اس کے پاس لے جا اور صاف صاف بیان کر دے کہ یہ جس کی تصویر ہے اس کو جلدی روانہ کر دو بس تمہارے ملک اور تمہاری جانوں سے پھر ہم کو کوئی سروکار نہیں۔ ورنہ میرے قہر و غضب کو تم جانتے ہی ہو۔ سفیر نے واپس آ کر سب حال عرض کیا وہ مرقع دیا اور حکم بھی سنا دیا۔ امیر کی مردانگی دیکھو اُس نے کہا کہ میں ایمان کے عہد میں بت پرستی جائز نہیں رکھتا۔ لہٰذا یہ بت اسی بت پرست کے پاس رہنا زیادہ مناسب ہے۔ کافی مال و منال کے ساتھ اس لونڈی کو شاہی لشکر گاہ تک لے جا کر حوالے کر دیا۔

اب سُنیے کہ جب اس پہلوان نے کنیز کی صورت دیکھی تو خود ہزار جان سے عاشق و فریفتہ ہو گیا۔ موصل سے واپس راستہ طے کر رہا تھا کہ ایک پہاڑ کے دامن میں منزل کی۔ اس کے عشق کی آگ اس قدر بھڑک رہی تھی کہ زمین اور آسمان میں تمیز نہ کر سکتا تھا۔ کنیز کے خیمے میں گھس گیا۔ بھلا اس حالت میں عقل کہاں اور خلیفہ کا خوف کیسے رہتا ہے؟ جب اس جنگل میں خواہش اپنی چنگاریاں پھینکتی ہے تو عقل کو کانٹوں کی طرح جلا ڈالتی ہے۔ اس وقت اس کی آگ کے آگے

سو خلیفہ بھی ہوں تو کچھ سے کم نہ ہوتے ہیں لیکن عین مستی کی حالت میں یکایک شور و غوغا لشکر سے اٹھا۔ پہلوان نیم برہنہ تلوار کھینچے باہر نکل آیا۔ دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ کا شیر جنگل کی طرف سے حملہ آور ہوا ہے۔ عربی گھوڑے آسیب زدوں کی طرح اِدھر اُدھر دوڑتے پھر رہے ہیں اور سارے طویلے اور خیمے اوندھے ہو رہے ہیں۔ وہ شیر وڑوک کر موج دریا کی طرح ہوا میں گزوں اونچا اچھل رہا تھا۔ مگر یہ پہلوان بھی بڑا بہادر اور نڈر تھا شیر کے سامنے شیر ہی کی طرح آیا اور تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ دو ٹکڑے کر دیئے اور فوراً ہی اپنی معشوقہ کے خیمے میں آیا۔ ایسے مہیب شیر سے مقابلہ کیا پھر بھی اس کی مستی کم نہ ہوئی اور وہ کنیز بھی اس کی مردانگی کو دیکھ کر تعجب میں رہی۔

چند روز عاشقی کی یہی لَے چلتی رہی۔ اس کے بعد پہلوان اپنے سنگین جرم پر پشیمان ہونے لگا۔ کنیز کو قسمیں دیں کہ چودھویں رات کے چاند! اس واقعے کی خبر کہیں بادشاہ کو نہ ہو جائے۔ اس کا خیال رکھنا۔ اس قسما قسمی کے بعد کنیز کو لے کر بادشاہ کے حضور میں گیا۔ جونہیں بادشاہ نے اس لونڈی کو دیکھا وہ بھی قبضے سے باہر ہو گیا۔ کنیز کا وصف جس قدر سنا تھا اس سے زیادہ دیکھا۔ بھلا دیکھا دیکھی سُنا سُنی کے برابر کیسے ہو سکتی ہے۔ غرض محل میں فوراً داخل کیا۔ لیکن جب خلوت میں اس کے پاس گیا تو اتفاق سے چوہے کے کاغذ کترنے کی آواز اس کے کان میں آئی۔ اسے یہ وہم گزرا کہ یہ سرسراہٹ سانپ کی نہ ہو جو تیزی سے فرش پر چل رہا ہے۔ کنیز نے جو دیکھا کہ بادشاہ کا سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا تو اس پر ہنسی اس قدر غالب آئی کہ بہت دیر تک ہنستی رہی اور بہتیری کوشش کی مگر بند نہ ہوئی۔ بھنگڑوں کی طرح ہنس رہی تھی۔ اس کی ہنسی نفع و نقصان سب پر غالب آئی۔ جس قدر اس پہلوان کا واقعہ یاد کرتی تھی اسی قدر ہنسی بڑھتی

جاتی تھی - اس کی ہنسی ایسی تھی جیسے کہ کسی نہر کا دہانہ کھل گیا ہو۔ جب کسی عنوان اُس کی ہنسی رکی نہیں تو خلیفہ غضب آلود ہو گیا۔ فوراً نیام سے تلوار نکالی اور کہا کہ اے پلید اس ہنسی کا سبب جلد بیان کر۔ میرے دل میں اس ہنسی سے بدگمانی پیدا ہو گئی ہے۔ سچ کہہ بات بنانے نہ دوں گا اگر تو غلط بیانی سے مجھے دھوکا دے گی یا بہانہ بازی سے مجھے ڈرائے گی تو یاد رکھ میں اصل واقعہ جان لوں گا۔ بادشاہوں کے دل میں ایک بڑا چاند روشن رہتا ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی غفلت کے بادل میں چھپ جاتا ہے۔ مگر وہ بادشاہی فراست اس وقت میرے ساتھ ہے۔ اگر تو سچ سچ نہ کہے گی تو میں اسی وقت تلوار سے تیری گردن اڑا دوں گا۔ اب کوئی بہانہ یا فریب کام نہ آئے گا۔ اور اگر سچی بات بتا دے گی تو تجھے آزاد کر دوں گا۔ عہد خدا کا حق ہے۔ میں اس کو نہ توڑوں گا اور تجھے خوش کروں گا۔ کنیز نے مجبور ہو کر اس پہلوان کا حال بیان کر دیا۔ راستے میں اس کا خیمے میں آنا۔ شیر کا نکلنا۔ پہلوان کا شیر کو مارنا اور پھر خیمۂ عروسی میں داخل ہونا سب بیان کیا اور کہا کہ باوجود اس قدر قوت صرف کرنے کے اس کی مستی میں کوئی کمی نہ تھی بلکہ بدستور برقرار تھی۔ تجھ میں تو اس قدر سستی ہے کہ چوہے کے کترنے کی آواز سے تیرے ہوش جاتے رہے۔ چوں کہ میں نے تیرا واقعہ بھی دیکھا اور اس کا بھی دیکھا اس لیے مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔ بھیدوں کو حق خود آشکار کرتا ہے۔ تو بدی کا تخم بوئے گا تو وہ ضرور تیرے آگے اُگے گا۔

یہ سن کر بادشاہ کو سخت عبرت ہوئی۔ اپنے جی میں کہا کہ میں نے دوسروں کے ساتھ جو کچھ کیا اس کا بدلہ میری جان کو ملا۔ اپنی قوت و مرتبے کے بل پر میں نے دوسرے کی بیوی کا قصد کیا تو اس کا یہ وبال پڑا۔ میں نے دوسروں کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو لا محالہ میرا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ جو شخص کہ دوسروں کی ناموس سے بدکاری کا ارادہ رکھے تو جان لو دوسرا بھی اس کے ناموس کو تاکا

میں ہے۔ جب میں نے امیر موصل سے اس کی کنیز ہتھیالی تو لوگوں نے مجھ سے بھی اسے غصب کر لیا۔ اگرچہ وہ میرا امین اور میرا غلام تھا لیکن میری خیانتوں نے اس کو بھی خائن بنا دیا۔ یہ موقع کینہ یا بدلہ لینے کا نہیں ہے۔ کیوں کہ میں نے خود ہی بیہودہ کام کیا تھا۔ اگر کینے پر آتا ہوں تو یہ کنیز مر جائے گی اور یہ جبر وظلم بھی میرے سر پر رہے گا۔ جیسا ظلم میں نے کیا تھا اس کے عوض مجھ پر بھی ظلم ہوا۔ ایک بار آزما لیا۔ اب دوبارہ نہ آزماؤں گا۔ یہ سوچ کر بادشاہ نے کہا کہ اے کنیز بس اب زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ تو نے کیا اس کو دل میں رکھ کسی پر ظاہر نہ کر۔ میں اسی سردار کے ساتھ تجھے کر دوں گا۔ خبردار اس واقعے کی کسی کو خبر نہ کرنا تاکہ وہ مجھے دیکھ کر شرمندہ نہ ہو کیوں کہ اس نے بدی تو ایک کی مگر اس میں لاکھوں نیکیاں پوشیدہ تھیں۔ میں نے بارہا اس کو آزمایا ہے اور تجھ سے زیادہ حسین اس کی نگرانی میں رکھے ہیں۔ آج تک اس کو پورا پورا امانت دار پایا۔ لہٰذا یہ میرے ہی کرتوت کی سزا تھی۔ پھر اس پہلوان کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ اور انتقامی غصّے کو پی کر یہ بہانہ کیا کہ مجھے اس کنیز سے نفرت ہو گئی ہے۔ اور اس کے رشک سے ولی عہد کی ماں فریاد و فغاں کرتی ہے۔ اور غمگین ہو گئی ہے۔ پھر جب اس کنیز کو کسی کے حوالے کرنا ہی ٹھیرا تو اے عزیز تو اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ جب کہ تو ایسی جاں بازیوں سے اس کو یہاں تک لایا ہے تو تیرے سوا دوسرے کے حوالے کرنا پسندیدہ نہیں۔ غرض اس کا نکاح اسی پہلوان سے کر دیا۔ اگرچہ خلیفہ کی مردمی گدھوں کے مقابلے میں ضرورت تھی لیکن اس میں پیغمبروں کی مردانگی غالب تھی اور اس نے وہ کام کیا جو بزرگوں کا حصّہ ہے۔

۴۳۔ سلطان محمود کا موتی تڑوانا

ایک روز سلطان محمود دربار میں آیا۔ جملہ ارکانِ دولت حاضر تھے۔ ایک چمکدار موتی نکالا اور وزیرِاعظم کے ہاتھ میں رکھا اور پوچھا یہ موتی کیسا ہے اور اس کی کیا قیمت ہوگی؟ وزیر نے عرض کی کہ کوئی سو گون سونے کی قیمت کے برابر ہوگی۔ سلطان نے فرمایا اچھا اسے توڑ ڈال۔ وزیر نے دست بستہ عرض کیا کہ اس کو کیوں کر توڑ ڈالوں۔ آپ کے خزانوں اور مال ومنال کا خیر خواہ ہوں۔ سلطان نے اس کو شاباشی دی اور خلعت سے سرفراز کر کے وہ موتی لے لیا۔

کچھ دیر تک سب کو دوسری باتوں میں مشغول کر کے وہ موتی سلطان نے عرض بیگی کو دیا کہ اگر کوئی خواہش مند ہو تو اس کی کیا قیمت لگائے گا۔ اس نے عرض کی ایسی نصف مملکت ہے جس کو خدا زوال سے محفوظ رکھے۔ سلطان نے حکم دیا کہ اچھا اسے توڑ ڈال۔ اس نے عرض کی کہ اے سلطان! ایسے موتی کا توڑ ڈالنا غضب ہو جائے گا۔ قیمت کو چھوڑو ذرا اس کی تاب اور چمک تو دیکھو کہ دن کی روشنی اس کے آگے ماند ہو رہی ہے۔ بھلا اس کے توڑنے پر میرا ہاتھ کیوں کر اٹھ سکتا ہے۔ میں خزانۂ شاہی کا دشمن تھوڑا ہی ہوں۔ بادشاہ نے اسے بھی خلعت سے سرفراز کر کے منصب میں اضافہ کیا اور اس کی عقل و فراست کی تعریف کی۔ کچھ دیر کے بعد وہی موتی امیر الامرا کو دیا اور اس سے بھی موتی کو آنک کر قیمت لگانے اور پھر توڑ دینے کا حکم دیا اس نے بھی یہی کہا اور خلعت و انعام پایا۔ سلطان جوں جوں ان کی تعریف کرتا اور مرتبہ بڑھاتا تھا دوں دوں وہ ادنیٰ لوگ راستے سے بھٹک کر کنوئیں میں گر رہے تھے۔ وزیرِاعظم کی تقلید میں امیر الامرا اور کئی امیروں نے اسی طرح کہا۔ اگرچہ تقلید اس جہان کا ستون ہے لیکن آزمائش کے وقت مقلد

رسوا ہوتا ہے۔ غرض سلطان نے سب کی آزمایش کرلی اور سب نے مال وخلعت سے سرفرازی پائی تو آخر میں موتی ایاز کو دیا اور کہا کہ اے نگاہ باز! ہر ایک نے اس موتی کو دیکھا ہے، ذرا تو بھی اس کی چمک دمک کو دیکھ۔ اے ایاز اب تو بتا کہ یہ موتی اس خوبی اور چمک کے ساتھ کس قیمت کا ہے؟ عرض کی میرے ہر انداز سے اس کی قیمت زیادہ ہے۔ سلطان نے حکم دیا کہ اس کو چورا چورا کردے۔ اس کی آستین میں گویا پہلے ہی سے پتھر موجود تھے فوراً موتی توڑ دیا۔ وہ سلطان کی آزمایش سے واقف تھا اس لیے دھوکے میں نہ آیا اور خلعت اور اضافہ منصب کے لالچ نے اسے گمراہ نہ کیا۔ اس نے سلطان کا حکم پاتے ہی موتی چکنا چور کردیا۔ جب اس نے ایسا خاص موتی توڑ ڈالا تو سب امیر چلّا اٹھے کہ ہائیں یہ کیا بے باکی ہے۔ واللہ وہ شخص کافر ہے جو ایسے نادر موتی کو توڑ ڈالے۔ اس گروہ نے اپنے جہل ونادانی کی وجہ سے شاہی حکم سے موتی کو توڑ ڈالا۔ ایاز نے کہا کہ اے امیرو! شاہی حکم قیمت میں زیادہ ہے کہ یہ موتی؟ ارے خدا کے واسطے یہ تو بتاؤ کہ حکم سلطانی تمھارے نزدیک زیادہ وقعت رکھتا ہے یا یہ موتی؟ اے لوگو تمھاری نظر موتی پر ہے۔ بادشاہ پر نہیں ہے۔ اس لیے تمھارا قبلہ شیطان ہے اور تم صحیح راستہ پر نہیں ہو۔ میں کبھی بادشاہ پر سے نظر نہیں ہٹاتا اور میں مشرکوں کی طرح پتھروں کو پلٹ کے بھی نہیں دیکھتا۔ وہ جان بد خصلت ہے جو ایک رنگین پتھر کو آنکھوں پر رکھے اور حکم سلطانی کو پسِ پشت ڈال دے۔ جب ایاز نے راز میدان میں ڈالا تو سارے ارکان ذلیل و شرمندہ ہوئے۔ ان سب امیروں نے سر نیچے جھکا لیا اور اپنی بھول کا عذر کرنے لگے۔ سلطان نے جلّاد کو اشارہ کیا کہ میرے دربار کو ان ذلیلوں سے پاک کر۔ بھلا ایسے ناپاک میرے دربار کے لائق ہیں جو ایک صدف دانے کے مقابلے میں میرے حکم کو توڑتے ہیں۔ ہمارا حکم ان اہلِ فساد بیا

آکر ایک رنگین پتھر کے مقابلے میں ذلیل اور کم قدر ہوگیا۔اس وقت رحم دل ایاز اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ ان گناہ گاروں کی غفلت اور گستاخی اے معاف کرنے والے محض تیرے عفو کی زیادتی سے تھی۔ تو ان کو معاف کر دے تیری مہربانی غالب ہے اور ہم تجھ سے مغلوب ہیں میں کیا چیز ہوں کہ تیرے آگے کوئی مشورہ دوں یا تجھے شرطِ کرم و بخشش یاد دلاؤں۔ مگر اے بادشاہ ان مجرموں کے سر بھی تیری ہی دیوار سے لگے ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ شاہی جوئے کی بازی میں ہار گئے لیکن اپنے جرم و خطا سے واقف ہو چکے ہیں۔ اب انھوں نے اپنا راستہ چھوڑ کر تیری ہی طرف رُخ کیا ہے۔ اے بادشاہ تیری ہی مہربانی تیری طرف راستہ دیتی ہے۔

دفتر ششم مثنوی شریف

۳۵۔ امیروں کا ایاز پر حسد کرنا

جب امیرانِ دربار کا حسد حد سے سوا ہوگیا تو اپنے بادشاہ کو مطعون کرنے لگے کہ یہ ایاز تیس عقلیں کہاں رکھتا ہے جو تیس امیروں کے برابر اعزاز و مراتب اسے دیے گئے ہیں۔ ایک روز سلطان ان تیس امیروں کو ساتھ لیے جنگلوں اور پہاڑوں میں بغرضِ شکار نکل گیا۔ دُور سے ایک کارواں کو آتے دیکھا۔ ایک امیر سے کہا کہ جاؤ اور ان سے پوچھو کہ کہاں سے آرہے ہیں؟ وہ گیا اور جواب لایا کہ رَے سے آرہے ہیں۔ سلطان نے پوچھا کہ کہاں جائیں گے تو وہ امیر چپ رہ گیا۔ دوسرے امیر سے کہا کہ جاؤ اور دریافت کرو کہ کارواں کہاں جائے گا؟ وہ جواب لایا کہ یمن جائیں گے۔ سلطان نے پوچھا کہ ان کے ساتھ کیا سامان ہے؟

وہ بھی جواب نہ دے سکا۔ تو تیسرے امیر کو حکم دیا کہ جاؤ اور ان کا سامانِ سفر دریافت کرو وہ بھی واپس آیا اور عرض کی کہ ان کے پاس ہر چیز ہے اور غالباً ان کے پاس رازی پیالے ہیں۔ سلطان نے پوچھا کہ وہ شہر رے سے کب نکلے تھے؟ وہ امیر بھی جواب دینے سے عاجز ہوا۔ چوتھے امیر کی طرف اشارہ کیا کہ جاؤ اور پوچھو کہ کارواں رے سے کب نکلا ہے؟ اس نے واپس آ کر عرض کی کہ ساتویں رجب کو نکلے تھے۔ سلطان نے پوچھا کہ شہر رے میں ان چیزوں کا نرخ کیا ہے؟ وہ بھی دم بخود ہو گیا۔ اس طرح سب کے سب ناقص العقل ثابت ہوئے۔ ہر امیر ایک سوال کا جواب لے کر چلا آیا۔ پوری طرح کسی نے استفسارِ حال نہ کیا۔ پھر سلطان نے ان امیروں سے کہا کہ میں نے تم سے پہلے اپنے ایاز کی بھی آزمائش کی تھی وہ گیا اور ایک ہی دھلے میں سارے سوالوں کا جواب لے آیا۔ یعنی بغیر صراحت کے خود ہی سارا حال پوچھ آیا تھا جو کچھ کہ ان تیس امیروں سے تیس بار میں بھی معلومات حاصل نہ ہوئی وہ اس اکیلے سے ایک ہی دفعہ میں حاصل ہو گئی۔ پس ان امیروں نے کہا کہ یہ اس کی قابلیت اور خدا کی دین ہے۔ کوشش سے نہیں حاصل ہوتی۔ خدا نے چاند کو خوب صورت چہرہ عطا فرمایا ہے اور مٹی ہی کو سوندھی خوش بو بخشی ہے۔

۳۷۔ ایک چڑی مار کا جسم پر گھاس لپیٹ لینا

ایک پرندہ سبزہ زار میں پہنچا جہاں شکار کے لیے جال لگا ہوا تھا دیکھا کہ چند دانے زمین پر بکھرے پڑے ہیں اور ایک شخص اپنے جسم کو پتوں اور گھاس سے چھپائے ہوئے ہے اور ایک پھولوں کی ٹوپی سر پر پہن رکھی ہے۔ پرندہ بالکل انجان اس طرف آیا اور دانے کے گرد پھر کے اس چڑی مار سے پوچھنے لگا کہ اے سبز پوش تو کون ہے

جو اس درندوں کے جنگل میں آیا ہے اس نے کہا کہ میں تارکِ دنیا زاہدوں میں سے ہوں۔ میں نے یہاں کی گھاس پات پر قناعت کر لی ہے۔ زہد و تقویٰ کو میں نے اپنا دین و مذہب بنا لیا ہے کیوں کہ موت سر پر کھڑی نظر آتی ہے۔ ہمسائے میں ایک شخص کی موت دیکھ کر مجھے عبرت ہوئی اور یہ خیال دل میں جم گیا کہ جب ایک دن قبر ہی میں جانا ہے تو ابھی سے کیوں نہ دنیا سے الگ ہو کر خدا سے دل لگاؤں۔ پرندے نے کہا بھی کہ حضرت یہ ترکِ دنیا تو دینِ احمدیؐ میں جائز نہیں ہے لیکن وہ چڑی مار اسی قسم کی باتیں بناتا رہا۔ ادھر پرندے کی نظر بار بار دانے پر جاتی اور لالچ پیدا ہوتا تھا۔ پوچھا کیوں حضرت یہ گیہوں کے دانے کیسے پڑے ہیں؟ چڑی مار نے کہا یہ یتیموں کا مال میری امانت ہیں لوگ رکھوا دیتے ہیں۔ پرندے نے کہا میں اس وقت بھوک سے ایسا بے تاب ہوں کہ مجھ پر مردار بھی حلال ہے۔ اے نیک بزرگ اجازت دیجیے کہ دو چار دانے کھا لوں۔ چڑی مار نے جواب دیا کہ اپنی حالت کو دیکھ کر تم خود ہی فیصلہ کرو۔ احتیاط تو یہ ہے کہ مجبوری میں بھی پرہیز کیا جائے۔ پرندہ اس وقت عجب کشمکش میں پڑ گیا۔ آخر کار رہا نہ گیا۔ گیہوں کے دانے پر چونچ ماری اور فوراً ہی جال میں گرفتار ہو گیا۔ پھر بہتیری ہی مناجات کی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ پھنسنے کے بعد افسوس اور واویلا سے کیا نتیجہ ہے۔ یہ دل کا دھنواں تو وقت سے پہلے نکلنا چاہیے تھا۔ جس وقت تیری حرص اور ہوس زور کرے تو اسی وقت دعا کر کہ اے فریاد کو پہنچنے والے قبل اس کے کہ دانہ میرا جال بن جائے تو میری حرص کی گرمی کو ٹھنڈا کر دے۔ جال میں پھنس کر پرندے نے کہا کہ یہ اس کی سزا ہے جو زاہدوں کی فریبی باتوں میں آ جائے۔ زاہد بنے ہوئے چڑی مار نے کہا کہ نہیں یہ سزا تو اس اندھی ہوس کی ہے جو یتیموں کا مال کھانے پر تُل جائے۔

۳۷۔ چور کا بھیڑ لے جانا اور پھر لباس بھی اڑا لینا

ایک شخص اپنی بھیڑ کو لیے جا رہا تھا۔ بہت لمبی رسّی باندھ رکھی تھی۔ کسی چور نے پیچھے سے رسّی کاٹ ڈالی اور بھیڑ کو لے کر چل دیا۔ جب اُسے خبر ہوئی تو دائیں بائیں دوڑنے لگا۔ اتنے میں چور بھیڑ کو چھپا کر ایک کنویں پر آبیٹھا اور زار قطار رونے اور واویلا کرنے لگا۔ بھیڑ والے کو شبہہ تو ہوا مگر یہ حالت دیکھ کر اس نے پوچھا کہ ای بھائی کیوں روتا ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میری روپوں کی تھیلی اس کنویں میں گر پڑی ہو۔ اگر کسی کو کنویں میں اُترنا آتا ہو تو اُترے اور وہ تھیلی نکال لائے اس کا پانچواں حصّہ خوشی خوشی میں دے دوں گا۔ میری تھیلی میں پانسو درہم ہیں۔ بھیڑ والے نے اپنے جی میں کہا کہ یہ تو دس بھیڑوں کی قیمت ہو۔ اگر ایک دروازہ بند ہوا تو کیا ہو۔ دس دروازے کھل گئے۔ ہمارا ایک بھیڑا گیا تھا خدا نے بدلے میں اونٹ دلوا دیا۔ کپڑے اتار کر فوراً کنویں میں اُترا۔ چور وہ کپڑے بھی سمیٹ کر بھاگا۔

ہوشیار آدمی کو چاہیے کہ سیدھے راستے سے گانو تک پہنچے۔ جہاں احتیاط نہیں ہوتی وہاں لالچ طاعون لے آتا ہو۔

۳۸۔ مال چوری جانے کے بعد نگہبان کا ہات دھوت کرنا

ایک قافلے کا نگہبان اہلِ قافلہ کے مال و اسباب کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا۔ ایک رات نگہبان پر نیند کا غلبہ ہوا اور چور تمام اسباب لوٹ لے گئے اور بچھونے کپڑے وغیرہ جگہ جگہ زمین میں دفن کر دیے۔ جب صبح ہوئی اور اہلِ کارواں کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ گھوڑے، اونٹ، روپیہ پیسہ غائب ہی اور نگہبان ہات دھوت کر کے

بڑے غصے میں چابک پھٹکار رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیوں بھی یہ تو بتا کہ مال و اسباب کیا ہوا؟ اس نے کہا چور نقاب ڈالے آئے اور میرے سامنے تمام سامان اُٹھا کر چل دیے۔ لوگوں نے کہا کہ ارے ریت کے ٹیلے اس وقت تو کیا کر رہا تھا؟ تو بھی عجب نالائق آدمی ہے۔ نگہبان نے جواب دیا کہ میں ایک تھا وہ بہت تھے اور اُن کے پاس ہتھیار اور بڑا کرّوفر تھا۔ لوگوں نے کہا اگر جنگ میں تو اُن سے سر برنہ ہو سکتا تھا تو کم از کم آواز دے کر اہلِ کارواں کو تو اُٹھا دیتا۔ نگہبان نے کہا کہ اس وقت انھوں نے مجھے چھری اور تلوار دکھائی کہ چپکا پڑا رہ ورنہ تجھ کو مار ڈالیں گے اُن کے ڈر سے میں نے منہ بند کر لیا تھا۔ اس کے بدلے اب فریاد اور ہات دھوت کر رہا ہوں۔ اس وقت تو دم مارنے کی ہمت بھی مجھے نہ تھی اب جتنا ممکن ہے ہات دھوت کر لیتا ہوں۔ ساری عمر رسوا کرنے والے شیطان کی نذر ہو چکی۔ اب اعوذ اور سورۂ فاتحہ پڑھنا بے مزہ ہے۔ اگرچہ اب بے مزہ ہے لیکن پھر بھی غفلت میں رہنا اس سے زیادہ بے مزہ ہے۔

۳۹۔ ایک مخمور تُرک کا گویّے کو طلب کرنا

ایک عجمی ترک صبح سویرے بیدار ہوا۔ رات کی شراب کا خمار اور بے کیفی کی حالت تھی اس میں ایک گویّے کو طلب کیا۔ مست کی گزک اور قوت راگ ہی ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو گویا پھر ستوالا کر دیتا ہے۔ گویّے نے اس مدہوش ترک پر راگ کے پردے میں یہ اسرار کھولنے شروع کر دیے کہ میں نہیں جانتا کہ تو کہاں ہے اور میں کہاں؟ میں نہیں جانتا کہ تو مجھے کیوں اپنی طرف کھینچتا ہے؟ علیٰ ہذا تمام مضامین "میں نہیں جانتا" کے بیان کرتا رہا اور می ندانم می ندانم

گاتا رہا۔ جب گویئے کی می ندانم حد سے زیادہ ہوئی تو وہ ترک بیزار ہو کر غضب آلود ہو گیا اور مارنے کے لیے گرز اٹھا لیا۔ سوچا کہ اس وقت مطرب کو مار ڈالتا درست نہیں بلکہ پوچھا کہ تو نے یہ بے مزہ می ندانم کی کیا رٹ لگائی ہے۔ اب میں تیرا سر توڑ دوں گا۔ اے دلّال کیا تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ ارے بیہودہ وہ سنا جو تو جانتا ہے۔ می ندانم می ندانم کو ختم کر۔ میں پوچھتا ہوں کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے اور تو کہتا ہے کہ نہ بلخ کا ہوں نہ ہرات کا، نہ روم کا نہ ہند کا، نہ چین کا نہ شام کا، نہ عراق کا نہ بغداد کا نہ موصل کا۔ اسی طرح نہیں نہیں کو لمبا کھینچتا ہے اور کام کا جواب نہیں دیتا۔ اگر میں پوچھوں کہ تو نے صبح کو کیا کھایا ہے اور تو جواب دے کہ نہ شراب نہ کباب نہ ترکاری، نہ پنیر نہ پیاز، نہ دودھ نہ شکر نہ شہد۔ ارے تو نے جو کچھ کھایا ہے بس اسی کا نام بتا۔ جو نہیں کھایا اس کا کیا ذکر کرتا ہے گویے نے کہا کہ میں نے تیری نفی کی تاکہ تو اثبات کو پا جائے۔ میں اس ساز کو نفی سے شروع کرتا ہوں جب تو مرے گا تو موت اصل راز فاش کرے گی۔ تو نے بہتیری جان کھو دی مگر اب تک پردے میں ہے کیوں کہ اصل نکتہ مرنا تھا وہی تجھ سے نہ ہو سکا۔ جب تک سیڑھی پوری نہ ہو اس وقت تک کوٹھے پر نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر سو گز میں سے ایک گز بھی رسّی کم ہو اور ڈول رسّی باندھ کنویں میں ڈالا جائے تو اس میں پانی کیوں کر آئے گا؟۔

۴۰۔ ایک شاعر کا روزِ عاشورہ حلب میں پہنچنا

عاشورہ کے روز اہلِ حلب بابِ انطاکیہ میں رات کو جمع ہوتے ہیں شیعہ لوگ رات بھر وہاں نوحہ و بکا کرتے اور کربلا کا عاشورہ یاد کرتے ہیں یزید و شمر کے مظالم

سے جو کچھ اس خاندان پر گزری ان تمام مصیبتوں اور آزمائشوں کا ذکر کرتے ہیں ۔ اس قدر چیخیں اور نعرے لگاتے ہیں کہ سارا جنگل اور میدان گونج اٹھتا ہے ۔ قضا را ایک پردیسی شاعر عاشورے کے دن وہاں پہنچا اور رونے دھونے کی آوازیں سنیں آبادی سے نکل کر اسی طرف چلا جس طرف سے نوحہ و بکا کی آوازیں آرہی تھیں بڑی رحمدلی اور ہمدردی کے جوش میں پوچھتا پوچھتا جارہا تھا کہ کاہے کا غم ہے اور یہ ماتم کون کر رہا ہے؟ شاید کوئی بڑا امیر مرگیا ہے کیوں کہ اتنا بڑا مجمع معمولی نہیں ہے۔ اس امیر کا نام اور اوصاف مجھے بتاؤ کیوں کہ میں مسافر ہوں ۔ میں اس کی مہربانیوں اور احسانات پر مرثیہ لکھوں گا۔ کسی نے کہا ارے دیوانہ ہوگیا ہے۔ تو شیعہ نہیں بلکہ خانۂ رسالت کا دشمن معلوم ہوتا ہے ۔ تجھے اتنا بھی نہیں معلوم کہ آج عاشورے کا دن ہے اور ایسی روحِ پاک کا ماتم ہے جو اپنی صدی کی سب روحوں سے افضل تھی بھلا مومن کے نزدیک یہ واقعہ کیسے حقیر ہوسکتا ہے۔ جسے کان سے محبت ہوگی اسے بالی سے محبت ضرور ہوگی ۔ شاعر نے کہا یہ تو سچ ہے مگر اب یزید کا زمانہ کہاں رہا اور یہ غم کس زمانے میں گزرا اور کتنی مدت میں یہاں تک پہنچا۔ کیا تم اب تک سوتے رہے کہ اس وقت ماتم میں کپڑے پھاڑتے ہو۔ اے غافلو! تم اپنا ماتم کرو کیوں کہ تمھاری غفلت موت سے بدتر ہے۔ ایک بادشاہ کی روح قیدخانے سے چھٹی ۔ ہم کیوں کپڑے پھاڑیں اور کیوں ہاتھ چبائیں ؟ چوں کہ وہ بزرگ دین کے بادشاہ گزرے ہیں، اس لیے یہ تو خوشی کا موقع ہے کہ انھوں نے قید و بند توڑے اور ابدی سلطنت کی طرف چل نکلے ۔ اور قیدخانے کی زنجیروں کو یہیں چھوڑ گئے ۔ اگر تو ذرہ بھر بھی ان سے واقف ہے تو اب تو زمانہ ان کی حکومت اور خودمختاری کا ہے۔ اب اس پر رونا کیسا ؟

۴۱۔ غیر آباد مکان کے دروازے پر ایک شخص کا بھیرویں الاپنا

ایک شخص کسی حویلی کے دروازے پر بھیرویں گا رہا تھا حالاں کہ ابھی آدھی رات آئی تھی۔ اس سے ایک کہنے والے نے کہا کہ بھائی! تو بھی عجیب بے صبرا ہے۔ آدھی رات کو گلا چیرے جاتا ہے، یہ بھیرویں صبح ہوتے گائیو۔ دوسرے، ذرا یہ تو دیکھ بھال لے کہ اس گھر میں کوئی ہے بھی یا نہیں، یہاں تو سوا بھوت پریت کے اور کوئی نہیں تو اپنا وقت ناحق خراب کرتا ہے۔ تیرا گانا سمجھنے اور مزہ لینے کو صاحبِ ہوش چاہیے سو یہاں صاحبِ ہوش کہاں ہے۔ اس نے جواب دیا کہ غلام سے جواب سن لیجیے تاکہ آپ کو میری حرکت پر حیرت نہ رہے۔ اگرچہ اس وقت آپ کی حس آدھی رات محسوس کر رہی ہے لیکن میرے نزدیک یہ وقتِ صبحِ صادق کا ہے اور ساری راتیں میری آنکھوں میں دن ہو گئی ہیں اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ حویلی اور جلو خانے میں کوئی نہیں ہے طبل کیوں بجاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص آگاہ ہے وہ دوست کے گھر کو دوست سے آباد رکھتا ہے۔ اور بہت سے مکان بھرے پڑے ہیں لیکن انجام بیں نگاہوں کو خالی نظر آتے ہیں۔

۴۲۔ ایک بیمار کا صوفی و قاضی کے چانٹا لگانا

ایک شخص طبیب کے پاس گیا اور کہا کہ ذرا میری نبض دیکھ دیجیے۔ طبیب نے نبض ہاتھ میں لی اور جان گیا کہ اس مریض کی صحت کی امید نہیں۔ اس سے کہا کہ جو تیرے جی میں آئے وہ کر تا کہ تیرے جسم سے یہ بیماری جاتی رہے۔ اس مرض کے لیے صبر و پرہیز کو نقصان سمجھ اور جس کام کو تیرا دل چاہے وہ ضرور کر۔ بیمار نے

کہا کہ خدا تجھے اچھا رکھے۔ اے بھائی اب تو میں نہر کے کنارے جاتا ہوں۔ نہر کے کنارے ایک صوفی بیٹھا ہاتھ منہ دھو رہا تھا یکایک جو اس مریض کے جی میں آئی تو صوفی کی گُدّی پر ایک چانٹے کا ہاتھ صاف کیا۔ کیوں کہ اس نے سوچا کہ چانٹا لگانے کی رغبت ہے، اب اس رغبت کو پورا نہ کروں گا تو طبیب کہہ چکا ہے کہ بیماری بڑھ جائے گی۔ جو نہیں اس نے تڑاق سے ایک چانٹا رسید کیا صوفی تڑپ کر کھڑا ہو گیا اور ارادہ کیا کہ دو تین گھونسے کس کر لگائے اور داڑھی مونچھ اکھاڑ ڈالے لیکن نظر بھر کے جو دیکھا تو وہ بہت منحنی اور بیمار تھا۔ سوچا کہ یہ اس قدر کمزور ہے کہ اگر ایک گھونسا بھی لگاؤں تو شاید اس کا دم نکل جائے گا۔ مرض الموت نے اس کا پہلے ہی کام تمام کر دیا ہے وہ تو میرے ایک گھونسے میں رانگ کی طرح پگھل جائے گا اور لوگ سارا الزام مجھ پر دھریں گے۔ یہ سوچ کر اس کا دامن تھام لیا اور کھینچتا ہوا قاضی کے پاس لایا کہ اس بے نصیب گدھے کو گدھے پر بٹھایا جائے یا چانٹے کے بدلے اس کو دُرّے کی سزا دی جائے، بہرحال جو آپ کی رائے ہو وہ کیجیے۔ قاضی نے کہا کہ مارنے کا مقام کون سا ہے کیوں کہ تیرا دعویٰ ابھی ثابت نہیں! احکامِ شرع زندوں اور سرکشوں کے لیے ہیں مرنے والوں پر احکامِ شرع نافذ نہیں ہو سکتے اس کو گدھے پر بٹھانا بھی مصلحت نہیں۔ بھلا سوکھی لکڑی کو کون گدھے پر بٹھاتا ہے۔ اس کے بیٹھنے کے لیے گدھے کی پیٹھ سزاوار نہیں۔ اس کی سواری کو تابوت سزاوار ہے۔

صوفی نے کہا تو کیا آپ جائز سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے چانٹا بھی لگائے اور کوئی سزا بھی نہ پائے؟ کیا یہ جائز ہے کہ ہر راستہ چلتا بازاری آدمی صوفیوں کو بے وجہ بے سبب چانٹا لگا دے؟ قاضی نے کہا ارے جا صوفی کا کیا گیا، ایسے قریب الموت بیمار سے جھگڑا مت کر۔ اے صوفی اس وقت تیرے پاس کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ چھ درم میرے پاس ہیں۔ قاضی نے کہا تین درم تو خرچ کر

اور باقی تین درم اسے دے دے۔ یہ بے حد کم زور ہے۔ بیمار اور مسکین ہے۔ تین درم اس کو روٹی کھانے کے کام آئیں گے۔

یہ سُن کر صوفی بہت بگڑا اور قاضی سے رد و قدح ہونے لگی لیکن اِدھر اس بیمار کا بُرا حال تھا۔ قاضی کی گُدّی پر جو اس کی نظر پڑی تو دیکھا کہ وہ صوفی کی گُدّی سے بھی زیادہ چکنی اور اچھّی تھی۔ چانٹے کے لیے ہاتھ تانا اور کان میں بات کہنے کے طور پر قاضی کے پاس آیا اور زنّاٹے سے ایک چانٹا قاضی کے بھی رسید کر دیا اور کہا کہ وہ چھ درم تم دونوں ہی بانٹ لو تاکہ میں سب بے خرخشے اور بے وسوسے چلا جاؤں۔ اس حرکت پر قاضی مارے غصّے کے بے قابو ہو گیا اور چاہا کہ اس کے فوراً دُرّے لگوائے۔ صوفی نے کہا ہائیں! اے شریعت پناہ! تمھارا حکم عین انصاف ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہہ نہیں کر سکتا جو بات تو اپنے لیے نہیں پسند کرتا وہی بات اپنے بھائی کے حق میں کیسے تجویز کر رہا تھا۔

۳۴۔ سلطان محمود کا ایک ہندو غلام کو تخت پر بٹھانا اور اس غلام کا رونا

اے فرزند! میں نے جو جو تیری لغزشیں بیان کی ہیں اسی قسم کی عطّار سے بھی سُنی ہیں۔ اُن رحمۃ اللہ علیہ نے محمود غازی کا ایک قصہ بیان کیا ہے کہ سلطان کو ہند کی جنگ میں ایک لڑکا ہاتھ آیا۔ سلطان نے اسے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ اس لمبے چوڑے قصّے کی خوبی در خوبی تو اُن بزرگ کے کلام ہی سے ڈھونڈو۔ مختصر یہ کہ ایک بار اسے تختِ شاہی پر بٹھا دیا وہ تختِ زرنگار پر اس شہر یار کے بازو بیٹھا لیکن وہ لڑکا تھا

کہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا اور آنسوؤں کی جھڑی برسا رہا تھا۔ سلطان نے اس سے کہا کہ اقبال مند! تو کیوں روتا ہے؟ کیا یہ عزت و اقبال تجھے ناگوار ہے کہ ساتویں آسمان سے بھی بلند درجے پر سلطان کے پاس تو بیٹھا ہے۔ تو تخت پر بیٹھا ہے اور تمام امیر وزیر اور اہلِ فوج تیرے تخت کے اطراف چاند سورج کی طرح صف باندھے کھڑے ہیں۔ لڑکے نے کہا کہ یہ رونا اس لیے ہے کہ میری ماں میرے وطن میں مجھے ہمیشہ سلطان کے نام سے ڈرایا کرتی تھی کہ خدا کرے تو محمود کے ہاتھ میں گرفتار ہو جائے۔ اس وقت میرا باپ میری ماں کو روکا کرتا تھا کہ یہ تمہارا کیسا غصہ ہے کہ بچے کو ایسی بد دعا دیتی ہو۔ تم بڑی سنگ دل اور بے رحم ہو کہ سینکڑوں تلواروں سے اس کو خود ہی قتل کرتی ہو۔ میں دونوں کی بحث و تکرار سے بہت حیران ہوتا تھا اور میرے دل میں بڑا خوف اور غم پیدا ہوتا تھا کہ الٰہی پاک پروردگار محمود کس دوزخ سے نکلا ہے کہ اس کے ہاتھ پڑنا سب سے سخت عذاب سمجھا جاتا ہے؟ اے سلطان میں آپ کے خوف سے کانپ اٹھا کرتا تھا اور اپنی اس جھوٹی بدگمانی پر آج روتا ہوں اور حسرت کرتا ہوں کہ اب میرے ماں باپ کہاں ہیں کہ مجھے اس حال میں دیکھیں کہ شاہِ جہاں کے تخت پر بیٹھا ہوں۔

اے تنگ فطرت! یہ فقر ہی محمود ہے جس سے تیری طبیعت ہمیشہ ڈرتی رہتی ہے۔ اگر تو اس محمود کے رحم و کرم سے آگاہ ہو جائے تو بڑی خوشی سے اپنی آخرت فقر پر ہونے کی دعا کرنے لگے۔

۴۴۔ درزی کا ایک مدعی تُرک کے کپڑے سے ٹکڑے چرانا

تم نے نہیں سنا کہ کوئی شیریں گفتار ایک رات یاروں میں بیٹھا درزیوں کی شکایت

رہا تھا اور لوگوں کو اس گروہ کی چوریوں کے قصے سنا رہا تھا۔ اس نے اچھا خاصا
رزی نامہ پڑھ ڈالا اور خلقت اس کے اطراف جمع ہو کر سنتی رہی سننے والوں کو
س قدر دلچسپی ہو رہی تھی اسی قدر وہ بھی مزے لے لے کر بیان کر رہا تھا بلکہ سراپا
نکایت بن گیا تھا۔ جب اس نے درزیوں کی بہت سی چوریوں کے حالات سنائے
لہ یہ مکار کس کس طرح لوگوں کو ٹھگتے اور نقصان پہنچاتے ہیں تو سننے والوں میں سے
ملک خطا کا ایک ترک اُن کی بدمعاشیوں پر بالکل آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے
پوچھا کہ اے داستان گو! یہ تو بتا کہ تمہارے شہر میں کون سا درزی مکر و دغا میں سب کا
اُستاد ہے؟ اس نے کہا کہ ایک درزی پورشش نامی بڑا شہر کا بجھا ہوا ہے اور ہاتھ
کی صفائی میں گلا کٹ کا قاتل ہے۔ ترک نے کہا کہ میں شرط کرتا ہوں کہ چاہے
وہ کتنے ہی بہانے کرے وہ میرے کپڑے میں سے ایک تار بھی نہ لے سکے گا۔ لوگوں
نے کہا ارے بھائی تجھ سے زیادہ ہوشیار لوگ اس سے مات کھا چکے ہیں تو اپنی
عقل پر دھوکا نہ کھا۔ کہیں تو اس کے چال چکر میں آ کر بالکل لٹ نہ جائے۔ اب تو
ترک بپھر گیا اور بشرط بدکر اپنا مال گروی رکھا اور کہنے لگا کہ اجی کیا نیا اور کیا پرانا
مجھ سے وہ کچھ چرا نہ سکے گا! شہ دینے والوں نے اور بھی ترک کو بے آپے کر دیا اور
اس نے بھی گھوڑا گروی رکھ کر شرط بدی کہ اگر وہ درزی میرا ذرا سا بھی کپڑا چرا لے
تو یہ تازی گھوڑا ہار دوں گا اگر نہیں چرا سکا تو تم کو ایسا ہی گھوڑا میرے حوالے کرنا
پڑے گا۔ غرض شرط طے ہو گئی اور ترک کو مارے پیچ و تاب کے رات بھر نیند
نہیں آئی اور اسی کے خیال میں الجھتا رہا۔ صبح ہوتے ہی ایک اطلس کا کپڑا بغل
میں دبایا اور بازار میں اس دغا باز کی دکان پر پہنچا۔

درزی نے جو اس نو وارد گاہک کو دیکھا تو بہت ادب سے کھڑے ہو کر
سلام کیا اور خوش آمدید کہی۔ ترک کے مرتبے سے کہیں زیادہ تعظیم سے پیش آیا

یہاں تک کہ ترک کے دل میں ایک قسم کی مروّت پیدا ہوگئی اور اس نے اپنی استنبولی اطلس اس کے آگے رکھ دی اور کہا کہ اس اطلس کی ایک قبا قطع کر جو میدانِ جنگ میں پہننے کے لائق ہو۔ اوپر کا حصہ تنگ ہو کہ جسم پر پھنسا ہوا رہے اور نچلا حصہ ذرا کشادہ رہے اور ایسا کہ پیروں میں دبنے نہ پائے۔ درزی نے دونوں آنکھوں اور سینے پر ہاتھ رکھے اور عرض کی کہ سرکار میں ہر طرح کی خدمت کو حاضر ہوں۔ کپڑے کو ناپا اور قطع کرنے کے لیے جگہ جگہ نشان لگائے اور ساتھ ساتھ میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا بڑے بڑے امیروں کے واقعات اور ان کی بخشش اور انعام اور بخیلوں کے قصے ان کا ٹھٹھولا پن بھی ہنسانے کے لیے بیچ بیچ میں کہتا گیا۔ انھی حکایتوں میں ایک قصہ ایسا ہنسانے والا سنایا کہ وہ ترک ہنستے ہنستے لوٹ گیا جب وہ اس داستان پر ہنسنے لگا تو اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور بھی بند ہوگئیں۔ درزی نے جھٹ ایک ٹکڑا کپڑے کا چرا کر ران کے نیچے اس طرح دبا یا کہ سوا خدا کے اسے کوئی نہ دیکھ سکا اور خدا اگرچہ سب چالاکیاں دیکھتا ہے مگر اس کی صفت تو ستّاری ہے۔ البتہ اگر حد سے زیادہ ہو جائے تو بھانڈا پھوڑ دیتا ہے۔ غرض داستان کے مزے میں وہ ترک اپنے اصلی قصد اور دعوے کو بھول گیا۔ کدھر کی اطلس کہاں کا دعویٰ اور کیسا شرط میں بدا ہوا گھوڑا۔ وہ ٹھٹھے اور مذاق میں سب سے غافل ہو گیا اور درزی کی خوشامد کرنے لگا کہ خدا کے واسطے ایک مذاق کا قصہ اور سناؤ اس سے میرا جی بہل رہا ہے۔ درزی نے ایک بے اختیار کر دینے والا قصہ اور سنایا کہ وہ مارے قہقہوں کے چت ہو گیا۔ درزی نے بڑی صفائی سے اطلس کا ایک اور ٹکڑا کتر کر نیفے میں چھپا لیا اور ترک تو ہنسی میں بھی دیوانہ ہو رہا تھا اور اسے ذرا خبر نہ ہوئی۔ اسی طرح تیسری دفعہ بھی اس ترک خطائی نے درخواست کی کہ برائے خدا ایک دل لگی کا قصہ اور سناؤ۔ اس نے پھر ایک قصہ سنایا کہ ترک پھڑک اٹھا اور بالکل درزی کا

شکار ہوگیا۔ ترک کی آنکھیں بند، عقل رخصت اور ہوش حواس غائب۔ مارے قہقہوں کے لوٹا جاتا تھا۔ اب اسکے تیسری دفعہ پھر اس قبا کے کپڑے میں سے ایک پٹّی درزی نے چرالی کیوں کہ ترک کی ہنسی کی وجہ سے چرانے کی گنجایش کافی مل گئی تھی جب چوتھی مرتبہ اس ترک نے درزی استاد سے دل لگی کا فسانہ سُنانے کی خواہش کی تو درزی کو اس ترک کے حال پر رحم آگیا اور کہنے لگا کہ سرکار! بس اب دل لگی کو چھوڑ دو۔ اگر اور قصّہ سناؤں گا تو آپ کو عمر بھر حسرت رہ جائے گی۔

اب اس قصّے کا نتیجہ سن! وہ بےخوف تو ہی ہے۔ اور یہ عیّار دنیا درزی ہے جو اطلس کی قبا تقویٰ اور نیکی کے لیے تجھے سلوانی تھی۔ وہ مذاق اور قہقہوں میں برباد ہوگئی۔ اطلس تیری عمر ہے، مذاق اور قہقہہ نفسانی جذبات ہیں۔ دن رات قینچی ہیں اور دل لگی کی رغبت تیری غفلت ہے۔ گھوڑا تیرا ایمان ہے اور شیطان گھات میں لگا ہوا ہے لہٰذا اپنے ہوش و حواس ٹھیک کر اور افسانے کے ظاہر کو چھوڑ۔ تیری عمر کی اطلس کو زمانے کی قینچی سے مکّار درزی ٹکڑے ٹکڑے کر کے چرائے لیے جا رہا ہے۔

۴۵۔ ایک شخص کا شیخ ابوالحسن خرقانی کی زیارت کو آنا اور ان کی بیوی کی بدزبانی

شہر طالقان سے ایک فقیر خرقان کو حضرت شیخ ابوالحسن کی شہرت سن کر گیا۔ بڑے بڑے پہاڑ اور جنگلوں کو طے کر کے حضرت شیخ کے دیکھنے کو حاضر ہوا۔ جب منزلِ مقصود پر پہنچا تو حضرت کا مکان ڈھونڈ کر پہنچا بڑے عجز و نیاز کے ساتھ اس نے کنڈی کھٹکھٹائی تو ایک عورت نے دروازے سے باہر سر نکالا اور پوچھا کہ آپ

کس کو بلاتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ میں حضرت شاہ ابوالحسن کی قدم بوسی کو حاضر ہوا ہوں۔ اس عورت نے ایک فرمایشی قہقہہ لگایا اور کہا کہ اس داڑھی پر آخ تھو ہے۔ اتنا بڑا سفر کر کے یہاں تک پہنچا ہے کیا تجھے اپنے وطن میں کوئی اور کام نہ تھا، یا تو دیوانہ ہے یا غالباً شیطان نے تجھے بہکایا ہے۔ الغرض اس عورت نے بہت سی نامناسب باتیں کہیں جن کو میں یہاں بیان نہیں کر سکتا۔ اس کے آوازوں توازوں سے وہ مرید بڑے رنج اور پریشانی میں پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے مگر پھر پوچھا کہ خیر یہ تو سب سہی مگر وہ بادشاہ ہیں کہاں؟ اس عورت نے کہا کہ وہ دھوکے باز نرا بہروپیا ہے بیوقوفوں کا جال اور گمراہی کی کمند ہے اگر تو اس سے نہ ملے اور صحیح سلامت واپس ہو جائے تو بہتر ہے کہیں تو بھی اس کے چکر میں نہ پھنس جائے۔ ایسا بڑ بولا، خوشامدی اور مفت خورا ہے کہ سارے ملک میں شہرت ہو گئی ہے۔ اس قوم کے لوگ سبطی اور گوسالہ پرست ہیں جو ایسی گائے کو پچکارتے اور اس کی خدمت کرتے ہیں۔ افسوس کہ موسیٰ کے امتی تو اب تک گوسالہ پرستوں کو قتل کریں اور ان مسلمانوں کا یہ حال ہو جائے۔ پیغمبر اور آپ کے اصحاب کا طریق کہاں رہا۔ وہ نماز میں اذکار و اشغال اور آداب عبادت کدھر گئے۔ ان لوگوں نے شریعت اور خوفِ خدا کو پیچھے ڈال دیا۔ حضرت عمرؓ کہاں رہے کہ سختی سے امر معروف کرتے۔ یہ بدزبانی سن کر اس معتقد کو بہت غصہ آیا اور اس نے بھی عورت کو خوب صلواتیں سنائیں اور اس کے بعد وہاں سے نکل کر ایک ایک سے پوچھتا پھرا کہ حضرت شیخ کہاں ہیں؟ ایک شخص نے خبر دی کہ وہ قطب زمانہ پہاڑیوں کی طرف جلانے کی لکڑی لانے گئے ہیں۔ وہ مسافر شیخ کے شوقِ نیاز میں سیدھا ادھر ہی روانہ ہوا۔ آدمی کے ہوش و حواس کے آگے شیطان وسوسہ لایا کرتا ہے جس سے چاند گرد میں چھپ جاتا ہے۔ چناں چہ راستہ چلتے چلتے اسے بھی یہ وسوسہ آیا

کہ حضرت شیخ نے ایسی عورت کو اپنے گھر میں کیوں رکھ چھوڑا ہے۔ دو ضدوں میں باہم دگر محبت کیسے ہو سکتی ہے اور ایسے امام زمانہ کے ساتھ بھی یہ شیطان موجود ہے یہ کیا معاملہ ہے؟ پھر وہ لاحول پڑھتا اور اپنے جی میں کہتا کہ شیخ پر اعتراض کرنا بہت برا ہے غرض اسی اُلجھن میں گرفتار چلا جا رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ شیخ نامدار ایک شیر پر سوار چلے آ رہے ہیں شیر پر لکڑیاں لدی تھیں اور لکڑیوں پر آپ بیٹھے تھے۔ ہاتھ میں ایک سانپ بطور تازیانے کے تھا۔ آپ نے مرید کو دور سے دیکھا اور ہنس کر کہا ای فریب خوردہ اس کی بات نہ مان۔ ان بزرگ نے اس کے نفس کی ادھیڑ بن کو پا لیا اور تمام احوال ایک ایک کر کے جو کچھ اس پر گزرے تھے سب سنا دیے۔ اس کے بعد بیوی کی لعنت و ملامت کے واقعات حضرت نے خود ہی ارشاد فرمائے۔ اور کہا کہ وہ میری بیوی ہے۔ اب تو خیال کر کہ اگر میں ایک عورت کی بدزبانی پر صبر نہ کر سکتا تو یہ شیر نر میری بیگار کیسے اٹھاتا؟

۴۶۔ مسلمان یہودی اور عیسائی کا ہم سفر ہونا

او فرزند ایک حکایت سن تاکہ تو خوش بیانی اور ہنر کے چکر میں نہ آئے۔ ایک سفر میں یہودی، مسلمان اور عیسائی ہم راہ ہوئے۔ جب تینوں ہمراہی کسی منزل پر پہنچے تو کوئی بھلا آدمی ان مسافروں کے لیے حلوا لایا۔ تینوں مسافروں کے سامنے حسبۃً للہ وہ حلوا رکھ دیا۔ وہ دونوں تو اس روز بدہضمی میں مبتلا تھے اور مسلمان روزے سے تھا۔ جب نماز شام کا وقت آیا تو مسلمان کو بہت بھوک لگی مگر ساتھیوں نے کہا کہ ہمارا پیٹ تو بھرا ہوا ہے۔ بہتر یہ کہ آج کی رات اسے رکھ چھوڑیں اور کل اس کو کھائیں۔ مسلمان نے کہا نہیں، اس کو تو تازہ ہی کھا لینا چاہیے۔ کل ہم...

صبر کون کرے۔ ان دونوں نے کہا کہ تیرا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے تو اکیلا کھا جائے۔ اس نے کہا کہ اے دوستو! ہم تین آدمی ہیں۔ جب اختلافِ رائے ہو گیا تو بہتر یہ ہے کہ آپس میں بانٹ لیں جو چاہے اپنا حصّہ کھا لے اور جو چاہے اٹھا رکھے مگر وہ کافر اس فکر میں تھے کہ وہ مسلمان رات بھر بھوکا مرے اور غم کھاتا رہے۔ چوں کہ وہ خدا کی مرضی پر صابر و شاکر تھا ان دونوں کی ضد دیکھ کر خاموش ہو رہا۔ پس تینوں سو گئے اور صبح بیدار ہو کر تیار ہوئے منہ ہاتھ دھو کر ہر ایک اپنی اپنی عبادت میں مشغول ہوا۔ مسلمان ہو یا یہودی، آتش پرست ہو یا بت پرست سب کا رُخ، اسی سلطانِ دو جہاں کی طرف رہتا ہے۔ بلکہ پتھر، خاک، پہاڑ اور پانی سب کو خدا ہی سے نسبت ہے۔ القصّہ جب ضروریات سے فارغ ہوئے تو ایک نے بات چھیڑی کہ رات کو جس نے جو خواب دیکھا ہو وہ بیان کرے۔ جس کا خواب سب سے بہتر ہو یہ حلوا اُسی کا ہے خواہ خود کھائے خواہ دوسروں کو شریک کرے، کیوں کہ جس کی معرفت زیادہ ہو اس کا کھانا سب کے کھانے کے برابر ہے، اُس کی ہر نورِ جان سب پر فوقیت لے جاتی ہے، باقیوں کو صرف اس کی خدمت گزاری کافی ہے۔ پس یہودی نے رات کو جو کچھ دیکھا اور جہاں جہاں پھرا تھا بیان کرنا شروع کیا۔ اس نے کہا کہ میں خواب میں ایک طرف چلا جا رہا تھا کہ حضرت موسیٰؑ کی روح سے ملاقات ہوئی میں حضرت کے پیچھے پیچھے کوہِ طور پر پہنچا۔ ہم تینوں نور میں چھپ گئے تینوں سائے اس آفتاب کی روشنی میں چھپ گئے۔ اس کے بعد اس نور سے ایک دروازہ کھلا۔ اس نور میں سے ایک اور نور پھوٹا اور یہ دوسرا نور پھیلتا گیا، میں، موسیٰؑ بھی اور کوہِ طور بھی تینوں اس نور کی چمک میں گم ہو گئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ جب نورِ حق نے اس میں پھونک ماری تو وہ پہاڑ تین ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا جو سمندر میں گرا تو زہر جیسا کڑوا پانی میٹھا ہو گیا۔ دوسری شاخ زمین پر گری تو آبِ رواں کا ایک چشمہ پیدا ہوا۔

خدا کی برکت سے پانی سب بیماریوں کا علاج ہی اور اس کی تیسری شاخ جو اُڑی تو کعبے کے قریب عرفات پر گری - پھر اس بے ہوشی سے جب میں ہوش میں آیا تو دیکھا کہ طور اپنی جگہ پر جیسا کا ویسا ہی ہی لیکن وہ موسیٰ کے پاؤں کے نیچے برف کی طرح پگھل رہا تھا - نہ اس کی کوئی چوٹی باقی رہی تھی نہ اس میں پتھر یلا پن تھا - مارے خوف کے پہاڑ زمین کے برابر ہوگیا تھا اور اس کی ساری بلندی نشیب میں تبدیل ہوگئی تھی - غرض اسی قسم کی بہت سی باتیں اس یہودی نے بتائیں

اس کے بعد عیسائی نے کہنا شروع کیا کہ مجھے خواب میں حضرت مسیحؑ کا دیدار ہوا - میں اُن کے ساتھ چوتھے آسمان پر گیا جو اس آفتاب کا مرکز ہی - آسمانی قلعوں میں ایسے ایسے عجائبات ہیں کہ اس دنیا کے عجائبات کو ان سے کوئی نسبت نہیں - اور یہ تو ہر شخص جانتا ہی کہ آسمان کی عظمت زمین سے بدرجہا زیادہ ہی -

آخر میں مسلمان کی باری آئی تو بہت کس مسا کر بولا - بھائیو! میں کیا بیان کروں میرے خواب میں تو آج رات کو حضرت مصطفیٰؐ تشریف لائے - یہ سید سادات رسولوں کے بادشاہ، دو جہاں کے فخر اور ہدایت کرنے والے - آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تیرے ساتھیوں میں ایک تو طور کو گیا - کلیم اللہ کے ساتھ عشقِ الٰہی میں مصروف ہو گیا اور دوسرے کو حاکم زمانہ عیسیٰ علیہ السّلام اپنے ساتھ چوتھے آسمان پر لے گئے لہٰذا اے کمبخت! تو اٹھ اور یہ حلوا کھا لے - وہ دونوں صاحبان ہنر تو گھوڑے اُڑاتے ہوئے نکل گئے اور اقبال اور مرتبے کا پروانہ انھیں مل گیا اور فرشتوں سے جا ملے، تو نکما اکیلا رہ گیا ہی - تو اس حلوے کے تھال پر ہی قناعت کر - میں نے ایسے بادشاہِ جہان کا فرمان پاتے ہی مجبوراً ساری روٹیاں حلوے کے ساتھ کھا لیں - یہ سن کر یہودی اور عیسائی دونوں گھبرا کر بولے کہ ارے حریص بے وقوف - سچ کہہ کیا تو اکیلا سارا حلوا کھا گیا - مسلمان نے جواب دیا کہ جب میرے سرکار نے حکم دیا

تو میرا کیا حوصلہ تھا کہ انکار کرتا۔ کیا تو یہودی ہونے کے باوجود موسیٰ کے حکم سے سرتابی کرے گا؟ اور تو عیسائی ہو تو کیا عیسیٰ کے بڑے یا چھوٹے احکام کی تعمیل سے منھ پھیر سکتا ہی؟ تو میں اپنے فخرِ انبیا کے حکم سے کیسے سرتابی کروں۔ میں نے تو وہ حلوا کھا لیا اور اب مگن ہوں۔ پس ان دونوں نے کہا کہ خدا کی قسم تو نے سچا خواب دیکھا اور تو نے جو دیکھا وہ ہمارے سو خوابوں سے بھی بہتر ہی۔ تیرا خواب عین بیداری ہی کہ بیداری میں اس کا اثر عیاں ہی ٭

۷۴۔ اونٹ، بیل اور بھیڑ کا راستے میں گھاس کی ایک پولی پانا

اونٹ، بیل اور بھیڑ نے ایک گھاس کا گٹھا راستے میں پڑا پایا۔ بھیڑ نے کہا کہ اگر اس کو تقسیم کر لیں تو ہم میں سے کوئی سیر نہ ہوگا۔ بہتر یہ ہی کہ جس کی عمر زیادہ ہو اس کے کھانے کو اسے چھوڑ دیا جائے۔ کیوں کہ حضرت مصطفیٰ کی حدیث ہی کہ بزرگوں کو مقدم رکھنا چاہیے۔ پس بھیڑ نے بیل اور اونٹ سے کہا کہ اے رفیقو! جب شرط یہ آ ٹھیری تو چاہیے کہ ہر ایک اپنی اپنی عمر بتائے، جو سب سے زیادہ بوڑھا ہو وہ کھائے اور باقی نہ کھائیں۔ بھیڑ نے کہا کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے زمانے میں میری چراگاہ وہیں تھی جہاں حضرت کو ذبح کرنے کے لیے لائے تھے۔ بیل نے کہا کہ میں تجھ سے زیادہ عمر رسیدہ ہوں۔ میں تو اسی جوڑی کا بیل ہوں جس کو آدمؑ نے سب سے پہلے جوتا تھا۔ جب ایسی عجیب باتیں اونٹ نے بیل اور بھیڑ سے سنیں تو سر جھکا کر منھ بڑھایا اور وہ پولی ہڑپ کر گیا اور کہا کہ مجھے تو اپنی عمر کی

بڑائی یاد رکھنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ میرا جسم اور گردن کافی بڑی ہے۔

۴۸۔ شاہی منادی سُن کر دلقک مسخرے کا گانو سے شہر کو دوڑنا

بادشاہِ ترمذ کے پاس ایک مسخرہ دلقک بادشاہ کا بہت چہیتا تھا۔ ایک بار رخصت لے کر اپنے گانو گیا۔ اسی زمانے میں بادشاہ کو شہر سمرقند میں ایک اہم کام پیش آیا۔ بادشاہ نے منادی کرائی کہ جو شخص پانچ روز میں سمرقند میں جاکر جواب باصواب لے آئے گا میں اس قدر دولت بخشوں گا کہ نہال ہو جائے گا۔ اتفاق سے دلقک مسخرے نے بھی اپنے گانو میں بیٹھے ہوئے یہ منادی سُنی تو وہ فوراً سوار ہوا اور ترمذ کو مارا مار پہنچا۔ اس قدر تیزی سے منزل طے کی کہ راستے میں دو گھوڑے مر گئے۔ راستے کے گرد و غبار میں اٹا ہوا۔ بالکل خلاف اوقات دربارِ شاہ میں داخل ہوا۔ سارے اہلِ دربار میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور بادشاہ کو بھی طرح طرح کے گمان ہونے لگے۔ شہر کے خاص و عام بھی پریشان ہو گئے کہ الٰہی نہ جانے اس شخص پر کیا پریشانی اور بلا آن پڑی ہے۔ یا تو کوئی زبردست دشمن ہماری طرف بڑھا آ رہا ہے یا پردۂ غیب سے کوئی مہلک بلا آنے والی ہے کہ دلقک مسخرہ اپنے گانو سے اس قدر مارا مار آیا ہے کہ راستے میں قیمتی گھوڑے تک مر گئے۔ بادشاہ کے محل پر مخلوق جمع ہو گئی تاکہ معلوم کرے کہ دلقک مسخرہ اس قدر تیزی سے کیوں آیا ہے؟ اس کی جلدی، گھبراہٹ اور کوشش کو دیکھ کر شہرِ ترمذ کی خلقت میں ایک تلاطم مچ گئی۔ کوئی دونوں ہاتھ زانوؤں پر مار رہا تھا اور کوئی مارے وہم کے واویلا

کر رہا تھا۔ اس عام بے چینی اور آنے والی مصیبت کے وہم سے ہر دل سو سو طرح کے اندیشوں میں مبتلا تھا۔ ہر شخص اپنے قیاس کے مطابق نئی فال لیتا تھا۔ الغرض دلقک مسخرے نے خاص بادشاہ سے ملنا چاہا۔ چناں چہ بادشاہ نے فوراً بار یاب کیا۔ باہر جو کوئی اس مسخرے سے حال پوچھتا تھا وہ منھ پہ ہاتھ رکھ کر خاموشی کا اشارہ کرتا تھا۔ اس کی اس پردہ داری سے لوگوں کا وہم اور بڑھ گیا اور سب حیران و ششدر رہ گئے کہ نہ جانے کیا اہم واقعہ ہے۔

آخر بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا اور بادشاہ نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے جلدی بیان کر، دلقک مسخرے نے اشارے سے عرض کیا کہ اے بادشاہ ذرا ٹھیر جائیے تاکہ میرا سانس قابو میں آجائے۔ ذرا میرے ہوش و حواس ٹھیک ہوں کہ میں ایک عجیب حالت میں گرفتار ہوں۔ گھنٹہ بھر تک بادشاہ منتظر رہا یہاں تک کہ طرح طرح کے وسوسوں سے بادشاہ کا حلق اور منھ کڑوا ہو گیا۔ بادشاہ نے دلقک کو اس حال میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ قسم قسم کے لطیفے اور مذاق تراشا کرتا تھا اور بادشاہ کو خوش رکھتا۔ وہ کبھی جلسے میں اس قدر ہنستا تھا کہ بادشاہ دو دو ہاتھوں سے پیٹ پکڑ لیتا تھا۔ باوجود اس کے آج یہ حال ہے کہ چہرہ بالکل اترا ہوا اور غمگین، اور ہاتھ منھ پر رکھ کر بادشاہ کو چپ رہنے کا اشارہ کرتا ہے۔ ان دنوں خود بادشاہ کے دل میں بھی ایک کھٹکا لگا ہوا تھا کیوں کہ خرم شاہ بہت خوں ریز بادشاہ تھا۔ اس کا دارالسلطنت سمرقند تھا اور ایک بدتمیز وزیر اس کا مشیر کار ہو گیا تھا۔ اس بدبخت نے اس طرف کے کئی بادشاہوں کو حیلے بہانے سے اور کہیں جبراً لشکر کشی کر کے مروا ڈالا تھا۔ بادشاہ ترمذ بھی خرم شاہ سے خوف زدہ رہتا تھا۔ دلقک کی ان حرکتوں سے اس خوف میں اور پختگی پیدا ہو گئی بادشاہ نے پوچھا کہ جلد بیان کر کہ اصل بات کیا ہے۔ تیری اس قدر گھبراہٹ اور

خوف کس وجہ سے ہے؟ آخر دلقک نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ میں نے گاؤں میں سنا کہ بادشاہ نے ہر طرف یہ منادی کرائی ہے کہ ایسا آدمی چاہیے جو ہمارا فرستادہ بن کر تین روز میں سمرقند جا پہنچے جب وہ پیغام کا جواب باصواب لے آئے گا تو اس کو دولت بے قیاس ملے گی۔ اس منادی کو سن کر اے بادشاہ میں آپ کے حضور میں اس لیے فوراً حاضر ہوا ہوں کہ عرض کروں کہ مجھ میں تو یہ تاب و تواں نہیں۔ اور ایسی تیزی اور پھرتی مجھ سے تو ممکن نہیں، لہذا مجھ سے اس کام کے انجام دینے کی امید نہ رکھیے، بادشاہ نے کہا ارے تیری اس مستعدی پر لعنت، کہ سارے شہر میں فکر و تشویش پھیل گئی۔ ارے بے وقوف، تو نے اتنی سی بات کے لیے ساری چراگاہ میں آگ لگا دی۔

۴۹ چوہے کی مینڈک سے دوستی اور اپنا پانو اُس کے پانو سے باندھ لینا

خدا کی کرنی یہ ہوئی کہ چوہے اور مینڈک میں ایک ندی کے کنارے دوستانہ ہوگیا۔ دونوں کے دونوں ہر صبح وقت مقررہ پر ایک جگہ جمع ہو جاتے تھے۔ دونوں کا دل باہمی میل جول سے کشادہ ہوتا تھا اور آپس میں ایک دوسرے سے بات چیت اور قصہ بازی ہوتی تھی۔ یہ محبت یہاں تک بڑھی کہ چوہے نے مینڈک سے کہا۔ پیارے دوست میں اس تھوڑے سے مقررہ وقت میں جی بھر کر تجھ سے حکایتیں بیان نہیں کر سکتا۔ نماز تو پانچ وقت کی فرض ہے لیکن عاشقوں کا حال یہ ہے کہ وہ ہمیشہ نماز میں ہیں وہ نشہ پانچ نمازوں سے قائم نہیں رہتا۔ تیرا مکھڑا دیکھے بغیر ایک دم کو بھی چین نہیں۔

یہ نہیں مروت ہوگی اگر تو مجھے خوش کرے اور وقت بے وقت اپنی مہربانی سے مجھے یاد کرتا رہے۔ تونے پورے دن میں صرف صبح سویرے ایک وقت ملنے کا مقرر کیا ہے لیکن میں ایک بار کے راتب پر قانع نہیں ہوں۔ پانی میں اترنا میرے امکان سے باہر کر دیا گیا ہے کیوں کہ میری تخلیق خاک سے ہوئی ہے۔

آخر کار یہ قرار پایا کہ ایک لمبی ڈوری استعمال کریں تاکہ ڈوری کے کھینچنے سے اشارہ معلوم ہو۔ ڈوری کا ایک سرا میرے پاؤں میں بندھا رہے اور دوسرا سرا تیرے پاؤں میں بندھا رہے۔ تاکہ جب کبھی میں تجھے خشکی پر بلانا چاہوں تو اس ڈوری کو کھینچ کر اشارہ کرسکوں۔ مینڈک کے دل پر یہ تجویز گراں گزری اس نے اپنے جی میں کہا کہ دیکھو یہ مجھے قید و بند میں گرفتار کرتا ہے۔ جب کسی کام سے کراہت آجاتی ہے لیکن وہ کام ہو جاتا ہے تو وہ آفت سے خالی نہیں ہوتا۔ پھر بھی دوست کی خاطر مینڈک نے بات مان لی اور ہمارا چوہا ندی کے کنارے مینڈک سے ملاقات کرنے کو جب ڈوری کھینچتا تو مینڈک باہر آجاتا تھا۔ بہت دن اس طرح گزر گئے قضا را فراق کا کوا ایکایک آن پہنچا تو چوہے پر جھپٹا مارا اور اس جگہ سے اڑا لے گیا جب کوے کے چنگل میں چوہا ہوا میں بلند ہوا تو مینڈک بھی پانی کی تہ میں سے کشاں کشاں اوپر آیا۔ چوہا تو کوے کی چونچ میں تھا مگر مینڈک بھی لٹکا ہوا ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ خلقت دیکھ کر حیران تھی کہ اس مکار کوے نے پانی کے مینڈک کا شکار کیوں کر کر لیا۔ بھلا یہ کوا پانی میں کیسے گیا ہوگا اور پانی کا مینڈک کوے کا شکار کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اور مینڈک یہ کہتا جاتا تھا کہ یہ سزا اس کی ہے جو کسی نااہل سے دوستانہ اختیار کرے۔ ہائے ہائے نااہل ہمنشیں سے خدا بچائے۔

اے بزرگو نیک ہم نشیں تلاش کرو ۞

۵۰۔ سلطان محمود کا ایک رات چوروں کے ساتھ شریک رہنا

ایک رات کو سلطان محمود بھیس بدل کر نکلا اور چوروں کی جماعت کے ساتھ ہو گیا۔ جب کچھ دیر ان کے ساتھ رہا تو انھوں نے پوچھا کہ اے رفیق تو کون ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ میں بھی تمھیں میں سے ایک چور ہوں۔ اس پر ایک چور نے کہا بھائیو! آؤ ذرا اپنا اپنا ہنر تو بتاؤ۔ ہر شخص بیان کرے کہ وہ کیا خاص کمال رکھتا ہے۔ ایک نے جواب دیا کہ میرے دونوں کانوں میں عجب کمال ہے کہ کتا جو بھونکتا ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ لوگ فلاں شخص کی امارت کا کیا چرچا کرتے ہیں۔ دوسرے نے کہا میری آنکھوں میں یہ کمال ہے کہ جس کسی کو رات کے اندھیرے میں دیکھ لوں تو دن کے وقت اس کو پہچان لیتا ہوں۔ تیسرے نے کہا میرے بازو میں یہ قوت ہے کہ صرف ہاتھ کی قوت سے کوہ لگاتا ہوں۔ چوتھے نے کہا میری ناک میں عجیب وصف ہے۔ جگہ جگہ کی خاک سونگھ کر پہچان لیتا ہوں کہ کس جگہ دولت گڑی ہے۔ پانچویں نے کہا میرے پنجے میں وہ قوت ہے کہ جب کمند پھینکتا ہوں تو محل چاہے کیسا ہی بلند ہو میری کمند اس کے کنگورے کو پکڑ لیتی ہے۔ آخر میں سلطان سے مخاطب ہو کر ان سب نے پوچھا کہ بھائی اب تو بتا کہ تجھ میں کیا وصف اور کمال ہے۔ سلطان نے جواب دیا کہ میری داڑھی میں یہ وصف ہے کہ جب مجرموں کو جلاد کے سپرد کرتے ہیں اس وقت اگر میری داڑھی ہل جائے تو مجرم رہا ہو جاتے ہیں۔ سب چوروں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہمارا سردار بس تو ہی ہے کیونکہ مصیبت کے دن تیرے باعث ہم کو چھٹکارا نصیب ہوگا۔

اس کے بعد سب مل کر باہر نکلے اور سلطان کے محل کے پاس پہنچے۔ جب دائیں طرف کتا بھونکا تو پہلے چور نے کہا کہ بھائیو! یہ تو کہتا ہے کوئی بادشاہ تمہارے آس پاس ہے۔ دوسرے چور نے مٹی سونگھ کر بتایا کہ اس کے قریب بادشاہی خزانہ ہے۔ پس کمند پھینکنے والے نے کمند پھینکی اور سب اس بلند دیوار کے دوسری طرف جا پہنچے۔ نقب لگانے والے نے نقب لگا کر سب کو خزانے کے اندر پہنچا دیا اور ہر ایک نے خزانے سے جو ہاتھ لگا وہ اٹھایا۔ اشرفیاں، زربفت کے تھان، موتی وغیرہ اٹھا لیے گئے اور ایک جگہ چھپا دیا۔ سلطان نے ان کی جائے پناہ اچھی طرح دیکھ لی اور ایک ایک کا حلیہ نام سب اچھی طرح معلوم کر لیا۔ پھر اپنے کو سب کی نگاہوں سے چھپا کر واپس ہو گیا اور دوسرے دن چوری کا ماجرا بیان کیا۔ اب کیا تھا بڑے بڑے طاقتور، تلوار لیے سپاہی دوڑ پڑے اور ہر سپاہی نے ایک ایک چور کو گرفتار کر لیا۔ وہ چور ہتھکڑیاں پڑے ہوئے دربار میں حاضر کیے گئے جو اپنی جان کے خوف سے کانپ رہے تھے۔ جب تختِ سلطانی کے آگے کھڑے کیے گئے تو سلطان تو خود ہی چاند کی طرح رات کو ان کے ساتھ تھا۔ جو چور رات کے اندھیرے میں دیکھ کر دن کو پہچان لیتا، اس نے بادشاہ کو تخت پر دیکھ کر ساتھیوں سے کہا کہ رات کی پھرائی میں یہ ہمارے ساتھ تھا۔ پس ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ اے چھپواں گشت کرنے والے بادشاہ! اب وقت آ پہنچا کہ آپ ازراہِ کرم اپنی داڑھی ہلائیں۔ ہم میں سے ہر ایک تو اپنا کمال دکھا چکا اور ان کمالوں سے بدبختی اور مصیبت ہی بڑھتی گئی یہاں تک کہ ہماری گردنیں بندھ گئیں۔ وہ سب ہنر و کمال کھجور کی بٹی ہوئی رسیاں تھے جو ہماری گردنوں میں پڑے ہوئے ہیں اور موت کے دن ان سے کوئی مدد نہیں پہنچتی ہاں اس موقع پر اگر کوئی کام آیا تو وہ شخص جس کی آنکھ بادشاہ کو پہچان گئی۔ محمود کو بھی رحم آ گیا اور اس کی داڑھی کے اشارے سے ان چوروں کی جان بچ گئی۔

اور انھیں معافی مل گئی ۔

۵۱ - ایک بھیڑ کا حضرت کلیم اللہ سے ڈر کر بھاگنا

ایک بھیڑ حضرت کلیم اللہ سے ڈر کر بھاگی ۔ آپ جو اس کے پیچھے دوڑے تو وہ اور بھاگی یہاں تک کہ تلاش اور تعاقب میں آپ کے جوتے ٹوٹ گئے اور پاؤں میں آبلے پڑ گئے ۔ شام تک اس کو ڈھونڈتے رہے ۔ آخرکار بھیڑ تھک کر سست کھڑی ہو گئی تو حضرت کلیم اللہ اس تک پہنچ گئے ۔ پھر آپ نے اس کی گرد جھاڑی ۔ آپ اس کے سر اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے تھے اور ماں کی طرح محبّت سے پیش آ رہے تھے آپ میں ذرّہ برابر بھی غصّہ نہ تھا ۔ بلکہ اس بھیڑ کی تکان پر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور اس سے کہنے لگے یہ مانا کہ تجھے مجھ پر رحم نہ آیا مگر یہ بتا کہ تو نے اپنے پر یہ تکلیف کیوں گوارا کی ؟ اس وقت خدا نے ملائکہ سے ارشاد فرمایا کہ دیکھو یہی شخص ہماری نبوّت کے لائق ہے ۔ خود حضرتِ مصطفٰےؐ کا ارشاد ہے کہ ہر نبی خواہ جوان ہو خواہ بچّہ اس کا گلّہ بانی کرنا ضروری ہے ۔ ان میں صبر و وقار پیدا کرنے کے لیے خدائے تعالٰی نبوّت سے پہلے ان کو گلّہ بان بناتا ہے ۔

۵۲ - ایک امیر کا گھوڑا خوارزم شاہ کو پسند آنا اور عماد الملک کی تدبیر

ایک امیر کے پاس ایسا خوبصورت گھوڑا تھا کہ خوارزم شاہ کے گلّہ میں بھی

اس کا ثانی نہ تھا۔ ایک روز وہ امیر سوار ہو کر جا رہا تھا۔ اتفاقاً خوارزم شاہ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اس کی دوڑ اور رنگ بادشاہ کی آنکھوں میں کھُب گیا اور واپسی تک اسی گھوڑے پر ٹکٹکی لگی رہی۔ گھوڑے کے جس جوڑ بند پر نظر پڑتی تھی ایک سے ایک بہتر نظر آتا تھا۔ چستی، بشاشی اور اٹھلا کر قدم مارنے کے علاوہ خدا نے اور نادر صفتیں بھی اس میں رکھی تھیں۔ بادشاہ نے غور کیا کہ کیا بات ہے جو اسی گھوڑے کی خوبی اور کشش میری عقل کو متحیّر کر رہی ہے۔ میں گھوڑوں سے سیر چشم اور بے پروا ہوں اور میرے پاس ایسے ایسے دو سو سورجوں کی روشنی موجود ہے۔ ارے میں تو وہ ہوں کہ بادشاہوں کا چہرہ بھی مجھے پیادے کا چہرہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ معمولی جانور کیوں میری نیّت بگاڑے دیتا ہے؟ لیکن اس کے سینے میں شوق بڑھتا ہی چلا گیا۔ جب بادشاہ سیر سے واپس ہوا تو سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسی وقت وہ گھوڑا امیر کے گھر سے لے آئیں وہ جماعت آگ کی طرح جا دھنسی اور وہ امیر جو پہاڑ کی طرح وقار رکھتا تھا ایک گھاس کا تنکا بن گیا۔ رنج اور بے عزّتی کے غم سے اس کی جان لبوں پر آ گئی۔ اب اس کو عماد الملک کے سوا کوئی پناہ نظر نہ آئی کیوں کہ عماد الملک ہر مظلوم اور غم زدہ کا رفیق تھا۔ دربار میں کوئی امیر اس سے زیادہ باعزّت نہ تھا اور بادشاہ اس کا نہایت ادب کرتا تھا۔ وہ بے طمع ہشریف النسب اور پارسا ہعبادت گزار راتوں کو جاگنے والا اور سخاوت میں حاتمِ وقت تھا۔ صاحب تدبیر اور نیک دل تھا۔ اس کی رائے ہر معاملے میں آزمائی جا چکی تھی۔ وہ ہر محتاج کے لیے مثل باپ کے تھا، اور سلطان کے پاس ہر ایک کا سفارشی تھا۔ وہ بُروں کے لیے حلم خدا کی طرح پردہ پوش تھا اس کے اخلاق و عادات دوسروں سے جدا تھے۔ کئی بار پہاڑ پر اکیلا جا بیٹھا اور بادشاہ بڑی خوشامد اور آمد سے واپس لایا۔

غرض وہ امیر سخت پریشانی میں عماد الملک کے پاس پہنچا اور کہا کہ جا

میرا سارا مال و متاع بادشاہ لے لے مگر وہ ایک گھوڑا جس پر میری جان فدا ہے
اگر وہ مجھ سے چھین لیا گیا تو یقیناً میں مر جاؤں گا۔ چوں کہ خدا نے اب آپ سے مجھے
وابستہ کر دیا ہے لہٰذا اے مسیحا! ذرا آپ میرے سر پر ہاتھ رکھیے۔ عماد الملک یہ
حال سن کر روتا اور آنکھیں ملتا ہوا بُرے حال و احوال سلطان کے حضور میں پہنچا اور
چپکا منہ بند کیے ہوئے کھڑا ہو گیا اور یہ دعا کر رہا تھا کہ اے خدا اگر بادشاہ ٹیڑھا راستہ
اختیار کرے تو سوا تیرے کون بچا سکتا ہے۔ وہ اسی طرح دل میں دعائیں کرتا
طرح طرح کے اندیشوں میں مبتلا تھا کہ بادشاہ کے آگے سپاہی گھوڑے کو کھینچ لائے
سچ یہ ہے کہ آسمان کے نیچے ایسے قد اور قدم کا کوئی گھوڑا نہ تھا۔ اس کا رنگ ہر آنکھ
میں کھب جاتا تھا۔ جب بادشاہ تھوڑی دیر تک اس کو دیکھ دیکھ کر حیرت کرتا رہا
تو اس کے بعد عماد الملک کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ بھائی! یہ بھی کیا گھوڑا ہے۔
یہ تو بہشت کا معلوم ہوتا ہے زمین کا نہیں۔ تب عماد الملک نے عرض کی کہ اے بادشاہ
اگر آپ شیطان پر التفات کریں تو فرشتہ ہو جائے اگرچہ یہ گھوڑا بہت خوب صورت
اور بانکا جانور ہے مگر اس کا سر ایسے جسم پر بالکل بد نما ہے۔ معلوم ہوتا ہے
جیسے گائے کا سر لگا دیا ہے۔

اس بات نے خوارزم شاہ کے دل پر اثر کیا اور یکایک گھوڑا بادشاہ کی
نظروں سے گر گیا۔ عماد الملک سے جو اس کی مذمت اور عیب سنا تو بادشاہ کے
دل میں اس گھوڑے کی محبت پھیکی پڑ گئی۔ اپنی آنکھ چھوڑی اور اس کی آنکھ اختیار
کی۔ اپنے ہوش ترک کیے اور اس کی بات مانی۔ یہ بہانہ تھا۔ بات یہ تھی کہ اس
صاحب دیانت بزرگ نے اپنے عجز سے بادشاہ کے دل کو سرد کر دیا اور بادشاہ
کی آنکھ پر ایسے نکلنے کا پردہ ڈالا کہ جس سے چاند بھی ہو تو سیاہ نظر آئے۔ سلطان نے
حکم دیا کہ فوراً گھوڑے کو واپس لے جاؤ اور اس ظلم صریح سے مجھے نجات دلاؤ۔

عمادالملک نے اس موقع پر جو چال کی وہ عین خیر و انصاف کے لیے کی۔ اس کو نیک انجام بہانہ کہتے ہیں لیکن تجھے چاہیے کہ بد اور نیک میں تمیز کرے۔

۵۳ صدرِ جہاں کا ایسے سائل کو کچھ نہ دینا جو زبان سے مانگے

شہرِ بخارا میں صدرِ جہاں کی داد و دہش مشہور تھی۔ وہ بے حد و بے حساب دیتے تھے اور صبح سے شام تک ان کے دریائے فیض سے رُپے اور اشرفیاں برستی رہتی تھیں۔ کاغذ کے پرزوں میں اشرفیاں لپٹی رہتی تھیں جب تک وہ ختم نہ ہو جائیں اس وقت تک برابر دیتے رہتے تھے۔ صدرِ جہاں کا حال سورج اور چاند کا سا تھا کہ جس قدر نور کی چمک ان کو حاصل ہوتی وہ سب دنیا پر تقسیم کر دیتے ہیں۔ خاک کو زر بخشنے والا کون ہے؟ آفتاب ہی تو ہے۔ سونا کان میں اس سے دمکتا ہے اور خزانہ اگر کہیں گڑا ہو تو سیاہ ہو جاتا ہے۔ ہر روز کے لیے ایک جماعت مقرر تھی تاکہ کوئی گروہ محروم نہ رہے۔ ایک دن مصیبت زدوں کے لیے دوسرا دن بیواؤں کے لیے تیسرا دن مفلس فقیروں اور گوشہ نشینوں کے لیے چوتھا دن محتاج مُلّاؤں کے لیے پانچواں دن عام مسکینوں کے لیے چھٹا دن قرض داروں کے لیے ساتواں دن یتیم بچوں کے لیے آٹھواں دن قیدیوں کے لیے، نواں دن مسافروں کے لیے، دسواں دن غلاموں کے لیے، مگر شرط یہی تھی کہ کوئی شخص زبان سے کچھ نہ مانگے۔ بلکہ مفلس چپ چاپ اس کے راستے میں صف باندھے دیوار کی طرح کھڑے رہیں۔ جو کوئی اتفاقاً کوئی سوال کر دیتا تو اس جرم میں اس کو کچھ نہ دیتے تھے یہاں تک کہ ایک دن ایک بڈھے نے کہا کہ بھوکا ہوں کچھ زکوٰۃ دے۔ لوگوں نے بہر چند

اس کو مانگنے سے منع کیا لیکن وہ اڑ گیا۔ صدرِ جہاں نے کہا کہ تو بڑا بے شرم بڈھا ہے۔ اس بڈھے نے جواب دیا کہ مجھ سے زیادہ بے شرم تو ہے کہ اس جہان کو خوب کھا گیا اور لالچ کر رہا ہے کہ اس جہان کی نعمتوں کے ساتھ دوسرے جہان کی نعمتوں کو بھی حاصل کرے۔ صدرِ جہاں کو بہت ہنسی آئی۔ اس بڈھے کو بہت دولت دی اور وہ اکیلا لے گیا۔ اس بڈھے کے سوا اور کسی سوال کرنے والے کو کبھی کچھ نہ دیا۔

اب سنیے کہ ملّاؤں کی باری کے دن اتفاقاً ایک ملّا مارے حرص کے چلّا اٹھا۔ لہٰذا اسے کچھ نہ ملا۔ وہ ہر چند رویا دھویا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ طرح طرح کے سوال کیے مگر صدرِ جہاں کا دل نہ پسیجا۔ دوسرے دن وہی شخص پاؤں کو پٹیاں لپیٹ کر بیماروں کی صف میں انجان جا بیٹھا۔ اس نے پنڈلیوں پر چاروں طرف کھپچیاں باندھ لیں تاکہ گمان ہو کہ اس کے پیر ٹوٹ گئے ہیں مگر صدرِ جہاں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا اور کچھ نہ دیا۔ تیسرے دن ایک لبادے میں منہ لپیٹا اور اندھا بن کر اندھوں کی صف میں جا کھڑا ہوا۔ جب بھی صدرِ جہاں نے پہچان لیا اور سوال کرنے کے جرم میں کچھ نہ دیا۔ جب ساری مکّاریاں کر کے عاجز آ گیا تو عورتوں کی طرح ایک چادر سر پر اوڑھی اور بیواؤں کے بیچ میں جا کر بیٹھ گیا۔ سر جھکا لیا اور ہاتھ چھپا لیے۔ جب بھی صدرِ جہاں نے اسے پہچان کر کچھ نہ دیا۔ اس سے اس کے دل میں غم کی آگ بھڑک اٹھی۔ وہ کفن چور کے پاس سویرے ہی پہنچا اور فرمائش کی کہ مجھے ایک نمدے میں لپیٹ کر راستے کے کنارے جنازہ بنا کر رکھ دو۔ کسی سے کچھ نہ کہو۔ راہ تکتے ہوئے بیٹھے رہو۔ یہاں تک کہ صدرِ جہاں ادھر سے گزریں۔ ممکن ہے کہ وہ دیکھیں اور مردہ گمان کر کے تجہیز و تکفین کے لیے کچھ اشرفیاں تابوت میں ڈال دیں جو کچھ ملے گا اس میں آدھا تجھیں دوں گا۔ اس کفن چور فقیر نے ایسا ہی کیا کہ اس کو ایک نمدے میں لپیٹ کر راستے

میں رکھ دیا۔ حسبِ معمول صدرِ جہاں اِدھر سے گزرے تو انھوں نے چند اشرفیاں اس نمدے پر ڈال دیں۔ مُلّا نے گھبرا کر فوراً ہاتھ باہر نکالے کہ کہیں وہ کفن چور نہ اُٹھالے اور خود ہی نہ اینٹھ لے۔ اس مردے نے فوراً نمدے سے دونوں ہاتھ باہر نکالے اور ساتھ ہی سر بھی باہر نکالا اور صدرِ جہاں سے مخاطب ہو کر کہا، اے دروازۂ کرم بند کرنے والے، دیکھا! آخر لے کر ہی چھوڑا۔ صدرِ جہاں نے جواب دیا کہ ارے مردود جب تک تو نہ مرا ہماری سرکار سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکا۔

۵۴۔ ایک بادشاہ کا مُلّا کو شراب پلانا

ایک بادشاہ رنگ رلیوں میں مصروف تھا کہ ایک مُلّا اس کے دروازے پر سے گزرا۔ حکم دیا کہ اس کو محفل میں کھینچ کر لاؤ اور زبردستی شراب پلاؤ۔ پس لوگ جبراً اس کو محفل میں کھینچ لائے اور وہ آکر سانپ کے زہر کی طرح بالکل ترش رو ہو بیٹھا۔ شراب پیش کی تو اس نے قبول نہ کی۔ اور بادشاہ اور ساقی دونوں سے آنکھ پھیر لی اور بگڑ کر کہا کہ میں نے عمر بھر کبھی شراب نہیں پی۔ اس شراب پینے سے تو زہر پینا بہتر ہے، بجائے شراب کے مجھے زہر لا دو۔ بادشاہ نے ساقی سے کہا کہ اے نیک قدم دیکھتا کیا ہے۔ ذرا اس کو بے تکلف تو کر۔ عقل پر بھی ایک پوشیدہ حاکم ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنی حکمت سے آپے سے باہر کر دیتا ہے۔ ساقی نے مُلّا کے چند چانٹے لگائے اور کہا کہ خیر اسی میں ہے کہ شراب پیو۔ چانٹوں کے خوف سے وہ مصیبت زدہ فوراً شراب پی گیا۔ اب کیا تھا وہ مست و بے خود ہو کر ایسا خوش اور باغ کی طرح کھل گیا کہ بادشاہ کی مصاحبت اور مسخراپن کرنے لگا۔ اسی حال میں پیشاب کے لیے گیا۔ شاہی بیت الخلا پر بھی ایک خوب صورت لونڈی مامور تھی۔ مُلّا نے جو اُسے دیکھا تو شراب کے نشے میں اور

بھی آپے سے باہر ہو گیا اور لگا اس لونڈی سے خرمستیاں کرنے۔ اُس نے غل مچایا اور اُدھر مُلّا کو واپس آنے میں دیر ہوئی تو بادشاہ خود اُدھر گیا اور یہ دیکھ کر کہ مُلّا شرم وحیا زہد و تقویٰ سب کو چھوڑ کر خود اُس کنیز سے دست درازی کر رہا ہے بسخت ناراض ہوا۔ مُلّا جلدی سے نکل کر پھر محفل میں آ گیا اور فوراً شراب کا پیالہ ہاتھ میں لے لیا۔ بادشاہ دوزخ کی طرح آتشِ غضب و آتشِ انتقام سے بھڑکنے لگا اور مُلّا کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ جب مُلّا نے دیکھا کہ بادشاہ کا چہرہ مارے غصّے کے لال اور جام زہر کی طرح تلخ ہو گیا ہے تو اس نے ساقی کو للکارا کہ "ارے محفل گرم کرنے والے بیٹھا کیا دیکھ رہا ہے اُٹھ اور ذرا اس کو بے تکلّف تو کر دے!" بادشاہ ہنس پڑا اور کہا کہ اے شخص! میں تو بے تکلّف ہوں، جا وہ چھوکری تجھے بخش دی ؛

۵۵- ایک شخص کا خواب دیکھ کر خزانے کی اُمّید پر مصر کو جانا

ایک شخص کو وراثت میں مالِ کثیر ہاتھ آیا۔ وہ سب کھا گیا اور خود ننگا رہ گیا سچ ہے کہ میراث کا مال نہیں رہا کرتا جس طرح دوسرے سے الگ ہوا اسی طرح یہاں بھی جُدا ہو جاتا ہے۔ میراث پانے والے کو بھی ایسے مال کی قدر نہیں ہوتی جو بے محنت اور تکلیف ہاتھ آ جاتا ہے۔ اے شخص تجھے بھی جان کی قدر اسی لیے نہیں ہے کہ حق نے تجھے مفت بخشی ہے۔ الغرض اس شخص کا نقد وجنس اور جائداد سب قبضے سے نکل گئی اور اُلّوؤں کی طرح ویرانے میں رہنے لگا۔ اس نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ تو نے مجھے سرو سامان دیا تھا وہ جاتا رہا۔ لہٰذا تو اب مجھے سروسامانِ زندگی عنایت کر

موت بھیج دے۔ اِس دعا اور گڑگڑاہٹ میں اس نے دونوں ہاتھ پیٹے ۔ اس زرپرست کو بے محنت زر کی طلب تھی لیکن وہ کون ہے جو خدا کی رحمت کے دروازے کو کھٹکھٹائے اور اس کی قبولیت میں سو بہاریں نہ پائے ۔ اس نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ کہتا ہے کہ تجھے شہرِ مصر میں دولت ملے گی تو مصر کو جا وہاں تیرا کام بن جائے گا۔ خدا نے تیری گریہ وزاری کو قبول کیا فلاں گاؤں میں ایک بڑا خزانہ ہے۔ اس کی تلاش میں تجھے مصر جانا ہوگا۔ فلاں بستی کے فلاں کوچے میں ایک نادر خزانہ دفن ہے تو بغداد سے ہوتا ہوا فوراً مصر کو جا اور اسے حاصل کر۔

یہ خوش خبری سُن کر کر ہمت چُست ہو گئی اور اسی امید پر کہ فرشتے نے خزانہ بتایا ہے۔ وہ شخص بغداد سے منزلیں طے کرتا ہوا مصر پہنچا۔ لیکن وہاں پہنچتے پہنچتے اس کے پاس پیسہ ٹکا کچھ نہ رہا اور ظالم پیٹ نے مجبور کیا کہ کسی سے سوال کرے ۔ ہر چند شرم دامن پکڑتی تھی مگر بھوک نے بے حواس کر ڈالا تھا۔ اپنے جی میں کہتا بہتر ہے کہ رات کے وقت چھپتا چھپاتا باہر نکلوں تاکہ اندھیرے میں بھیک مانگنے سے شرم نہ آئے۔ میں نعرہ لگانے والے فقیر کی طرح دور سے صدا دوں تاکہ کوٹھوں پر سے پیسہ دھیلی مل جائے۔ اِسی سوچ میں باہر نکلا اور چاروں طرف ہچکچاتا ہوا پھرنے لگا۔ کبھی شرم اور اپنی قدیم عادت مانع آتی تھی اور کبھی بھوک دستِ سوال بڑھانے پر مجبور کرتی تھی۔ ایک پہر رات تک یہی حالت رہی کبھی قدم آگے بڑھاتا اور کبھی پیچھے ہٹا لیتا اور اپنے دل سے سوال کرتا کہ اب سوال کروں یا بھوکا پیاسا سو جاؤں۔ اتفاق سے اس زمانے میں اہلِ شہر چوروں سے سخت پریشان اور تکلیف زدہ تھے۔ راتیں اندھیری اور کوتوال شہر چوروں کی بڑی جستجو میں تھا یہاں تک کہ خلیفہ نے بھی حکم دے دیا تھا کہ جو شخص راتوں کو گشت لگاتا نظر آئے اگر میرا عزیز بھی ہو تو بھی اُس کے ہاتھ کاٹ لو۔ اہلِ دربار نے بھی کوتوال پر

طعنہ کیا تھا کہ تمھاری کوتوالی میں چور اس قدر زیادہ کیوں ہوگئے ہیں بادشاہ نے عتاب کیا تھا کہ ان بدمعاشوں کو گرفتار کرو ورنہ سب کی سزا تم کو ملے گی تاکہ اہلِ شہر اس آئے دن کی مصیبت سے نجات پائیں۔

غرض کوتوال تو غضب ناک تھا ہی اس شخص کو جو رات میں اس طرح دبکتے اور چکّر لگاتے دیکھا تو پکڑ کر خوب پیٹا کہ بتا تو کون ہے؟ اس فقیر مسافر نے بے اختیار چیخنا چلاّنا شروع کیا اور کہا کہ للہ مجھے نہ مارو جو اصل حقیقت ہے وہ میں بیان کرتا ہوں۔ کوتوال نے ہاتھ روک کر کہا کہ اچھا تو بتا کہ تو اتنی رات کو باہر کیوں نکلا تھا۔ تو یہاں کا رہنے والا نہیں ہے تو کہیں دُور کا رہنے والا بدمعاش معلوم ہوتا ہے۔ اس نے بڑی کڑی قسمیں کھا کر کہا کہ نہ میں چور ہوں نہ جیب کترا، نہ میں اٹھائی گیرا ہوں نہ خونی۔ میں تو اس شہر میں بہ حیثیت مسافر کے آیا ہوں اور بغداد کا رہنے والا ہوں۔ پھر اپنے خواب اور اس خزانے کا واقعہ بیان کر دیا اور کوتوال کو بھی اس کی بات سچ معلوم ہوئی۔ اس کے قسمیں کھانے سے سچائی کی خوش بو آئی۔ کوتوال نے کہا کہ بے شک تو نہ چور ہے نہ راہ زن بلکہ محض ایک خیال پر حرص و نادانی سے تو نے اتنا دُور دراز کا سفر اختیار کیا اب یہ سُن کر کہ تجھے تو بغداد میں مصر کا خزانہ نظر آیا اور میں نے اسی مصر میں کئی بار یہ خواب دیکھا کہ بغداد میں ایک پوشیدہ خزانہ ہے اور فلاں موضع اور فلاں کوچے میں دفینہ ہے اور کوچے اور مکان کا نام اسی خزانے کے نام پر ہے بلکہ یہاں تک بھی بتایا گیا کہ مکان کے فلاں حصّے میں دبا ہے جا اور نکال لے۔ اے عزیز میں نے اپنے جی میں کہا کہ خزانہ تو خود میرے گھر میں ہے مجھے وہاں جانے کی کیا محتاجی ہے میں اپنے خزانے پر بیٹھا ہوا ہوں اور محتاجی کے مارے مرا جاتا ہوں۔ کیوں کہ اپنے خزانے سے غافل اور خود چھپا ہوا ہوں۔

مسافر فقیر نے جو یہ خوش خبری سُنی تو بے خود ہوگیا۔ اس کا سارا درد جاتا رہا اور اپنے جی میں کہا اس قدر لاتیں کھانے پر نعمت کا ملنا موقوف تھا۔ میری دکان میں تو خود آبِ حیواں موجود تھا۔ پھر کوتوال سے کہا الحمدللہ عجیب و غریب دولت ہاتھ آئی وہ سب میرے وہم کا اندھا پن تھا کہ میں اپنے کو مفلس سمجھتا تھا۔ مگر چاہے تم مجھے احمق کہو چاہے عقل مند جو کچھ میرا دل چاہتا تھا وہ میں نے یہیں پایا۔

پھر وہ مصر سے بغداد کو سجود و رکوع کرتا اور حمد و ثنا پڑھتا واپس ہوا۔ وہ سارے راستے حیران اور اس تعجب سے بے خود رہا کہ دیکھو ہماری طلب کا راستہ کیا تھا اور روزی ہمیں کہاں ملی۔ مجھے امیدوار کدھر بنایا تھا اور عنایت و انعام کدھر سے عطا ہوا۔ اس میں کیا حکمت تھی کہ اس کا ن مراد نے مجھے اپنے گھر سے خوشی خوشی غلط راستے پر نکلوایا۔ میں جلدی جلدی گم راہی کی طرف دوڑ رہا تھا اور ہر آن مقصدِ حقیقی سے جدا ہو رہا تھا۔ پھر اسی گم راہی کو خدا نے اپنے عین کرم سے ہدایت و مقصود تک پہنچنے کا وسیلہ بنا دیا ؛

۵۶۔ مسخرے کی بیوی کا قاضی کو فریب دے کر اپنے گھر لے جانا

ایک مسخرہ اپنی مفلسی کو دیکھ کر بیوی سے مخاطب ہوتا اور کہتا کہ جب تمھارے پاس ہتھیار موجود ہیں تو جاؤ شکار کر و تاکہ ہم تمھارے شکار کے تھنوں سے دودھ دوہیں۔ آخر اس کی بیوی قاضی کے پاس یہ شکایت لے کر گئی کہ میں اس بدنیت شوہر سے بیزار ہوں۔ قاضی نے کہا کہ اس وقت ہمارے محکمے میں بھیڑ بہت ہے، اس

شکایت کی سماعت کے لیے فرصت نہیں۔ اگر تو میرے مکان پر آئے تو میں اچھی طرح تیری شکایت سنوں گا اور اگر انصاف تیری طرف ہوگا تو اسے سزا دوں گا۔ تو رنجیدہ مت ہو جب مجھے تیرا حال اچھی طرح معلوم ہو جائے گا تو تیرے شوہر کو خوب نرم کر لوں گا۔ عورت نے کہا کہ آپ کے گھر میں تو برے بھلے سب قسم کے لوگ اپنے اپنے قضیے لے کر آتے رہتے ہیں اگر تکلیف نہ ہو تو کسی وقت میرے مکان پر تشریف لے آیئے۔ عورت کے مکر کی انتہا نہیں۔ وہ قاضی بھی ریجھ گیا اور شام کو اس کے مکان پر پہنچا۔ عورت نے دو شمعیں روشن کیں اور مزہ دار باتیں شروع کیں۔ قاضی اس نوازش سے اور بھی کھل پڑا۔ مکان بھی خالی تھا اور وہ خوش خوش عورت کے پہلو میں ہو بیٹھا اور اس نزدیکی سے اس کی جان خوش ہونے لگی۔ عین اس وقت مسخرے نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا فوراً قاضی گھبرا کر اٹھا تا کہ وہاں سے کھسک جائے۔ عورت نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ اگر اس بدبخت حاسد نے آپ کو یہاں سے جاتے دیکھا تو مجھ کو جان سے مار ڈالے گا اور آپ کو سخت رسوا کرے گا چھپنے کی اور کوئی جگہ بھی نہ تھی ناچار عورت کے گھبرا دینے سے ایک بڑے سے خالی صندوق میں جا چھپا۔ وہ مسخرہ گھر میں آیا اور کہنے لگا، اری او حرافہ! تو بہار و خزاں دونوں موسموں میں مجھ پر وبالِ جان ہے۔ میرے پاس کون سی چیز ہے جو تجھ پر قربان نہیں کی پھر بھی تو ہمیشہ شکایت کر کے میرے گناہ سمیٹتی رہتی ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا ہے کہ تو قاضی کے پاس گئی تھی اور بہت سی جھوٹی شکایتیں کیں۔ مجھ بے گناہ پر تو نے زبان درازی کی حد کر دی ہے۔ کبھی تو مجھے مفلس بتاتی ہے اور کبھی دیوث کہتی ہے۔ اگر یہ عیب مجھ میں ہیں تو ایک خدا کی طرف سے ہے اور ایک تیری طرف سے ہے سوا اس صندوق کے میرے پاس اب کیا رکھا ہے مگر لوگ جانتے ہیں کہ میں دولت مند ہوں اور اسی گمان کی بنا پر مجھ سے اپنا قرض طلب کرتے ہیں۔ اگرچہ صندوق ظاہر میں بہت خوب صورت ہے لیکن سامان اور سونے چاندی سے بالکل خالی ہے لہٰذا کل اس صندوق کو

بازار میں لے جاؤں گا اور عین چوراہے پر اُس کو جلا دوں گا تاکہ ہر مسلمان عیسائی اور یہودی دیکھ لے کہ اس صندوق میں سوا لعنت کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ عورت نے کہا۔ ہائیں میاں خدا کے لیے ایسا نہ کرنا یہ کیا دیوانگی ہے۔ مسخرے نے قسم کھائی کہ میں تو ایسا ہی کروں گا۔ فوراً ایک رسّی لے کر صندوق کو باندھ دیا اور خود انجان ہو گیا۔ صبح سویرے ایک مزدور کو لایا اور فوراً صندوق اُس کی پیٹھ پر لاد دیا۔ قاضی مارے تکلیف اور خوف کے حمّال کو پکارنے لگا۔ اس حمّال نے ہر طرف دیکھا کہ یہ آواز کدھر سے آ رہی ہے۔ یہ بُلانے والا کوئی فرشتہ ہے یا کوئی پری کہ چھپ کر آواز دے رہی ہے۔ جب یہی آواز بار بار آئی اور بڑھتی گئی تو آخر کار پہچانا کہ یہ آواز اور آہ وزاری اس صندوق کے اندر سے آ رہی تھی، ہو نہ ہو اس میں کوئی پوشیدہ ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل کی تو انتہا نہیں قاضی نے کہا کہ اے صندوق لے جانے والے خدا کے لیے محکمۂ قضات میں میری خبر کر اور میرے نائب کو فوراً یہاں بلا تاکہ اس صندوق کو اشرفیاں دے کر خرید لے اور صندوق کو جوں کا توں ہمارے گھر پہنچائے۔ حمّال نے ایک راہ گیر سے کہا کہ محکمۂ قضات کو جاؤ اور نائب قاضی سے یہ واقعہ بیان کرو اور کہہ دو کہ قاضی کی ڈونڈی اب پٹنے والی ہے۔ اپنے کام کو چھوڑ کر فوراً یہاں آؤ اور مسخرے سے اس صندوق کو بند کا بند خرید لو۔ راہ گیر گیا اور پیغام پہنچا دیا۔ اُدھر مسخرے نے آگ سلگائی کہ اب صندوق کو جلا ڈالوں گا۔ سرِ بازار عوام الناس میں ایک جوش و خروش پھیل گیا کہ کیا بات ہے کہ مسخرے نے یہ ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ نائب قاضی آیا اور پوچھا کہ صندوق کی کیا قیمت ہے اس نے کہا کہ نو سو سے زیادہ اشرفیاں دیتے ہیں۔ میں ہزار سے نیچے نہیں اُتروں گا۔ اگر منظور ہے تو لاؤ تھیلی کا منھ کھولو۔ نائب نے کہا کہ ارے شرم کر بھلا دیکھتے بھالتے اتنی بڑی رقم پر اس کو کون خریدتا ہے۔ مسخرے نے کہا کہ بے دیکھے خریدنا ناجائز ہے ہماری فروخت چادر میں چھپی ہوئی ٹھیک نہیں۔ میں اسے کھول کر دکھاتا ہوں۔ اگر پسند نہ آئے تو نہ خریدو کہیں

ایسا نہ ہو کہ خرید نے کے بعد افسوس کرو۔ نائب نے کہا کہ نہیں نہیں بس جانے دو۔ میں اِس کو بند ہی خرید لوں گا، تو میری بات مان، اشرفیوں کی کمی بیشی پر تکرار تو بہت ہوئی۔ مگر بہر حال نائب نے ہزار اشرفیاں دیں اور صندوق خرید لیا۔

ایک برس کے بعد مسخرہ پھر مفلس ہوا، بیوی سے کہا کہ ہوشیار عورت! وہی چال پھر چل اور قاضی کے پاس جاکر میری شکایت کر، اب کے وہ عورت دوسری عورتوں کے ساتھ قاضی کے پاس پہنچی اور ایک دوسری عورت کو بیچ میں ڈال دیا تاکہ کہیں اس کی آواز قاضی پہچان نہ لے اور اس کو اپنی گزشتہ مصیبت یاد نہ آجائے۔ عورتوں کا ناز وغمزہ تو فتنہ ہے لیکن عورت کی آواز سے وہ فتنہ سوگنا ہوجاتا ہے۔ اگر عورت آواز نہ نکال سکتی تو عورت کے پوشیدہ غمزے بے اثر رہتے قاضی نے شکایت سن کر کہا کہ جا اپنے شوہر کو بلا لا تاکہ تیری شکایت اُس کے روبرو سماعت کروں۔ اب مسخرہ جو آیا فوراً قاضی نے پہچان لیا کیوں کہ صندوق کے اندر سے اُس کی آواز بھی سن چکا تھا جو صندوق کی خرید و فروخت اور کمی بیشی کے متعلق ہورہی تھی۔ قاضی نے پوچھا کہ اپنی عورت کا نفقہ کیوں نہیں دیتا؟ مسخرے نے کہا کہ احکامِ شرع کا جان سے غلام ہوں، لیکن اگر میں مرجاؤں تو کفن کو بھی پاس نہیں اس عورت کے چھکّے پنجوں سے مفلس ہوگیا ہوں۔ اس بات سے قاضی اس کو اچھی طرح پہچان گیا اور اس کو اس کا مکر و فریب یاد آگیا۔ قاضی نے کہا کہ وہ چھکّے پنجے میرے ساتھ تو پہلے کھیل چکا ہے جا اب کہیں اور جاکر داؤ لگا۔

۵۷۔ حق تعالیٰ کا عزرائیل سے خطاب کہ تجھے کس پر رحم آیا؟

حق تعالیٰ نے عزرائیل سے پوچھا کہ اے ہماری سُنائی پہنچانے والے! سب مرنے والوں میں تجھے کس پر رحم آیا؟ عزرائیل نے عرض کی کہ سب پر میرا دل دُکھتا ہے لیکن حکم سے سرتابی نہیں ہو سکتی، ورنہ میں تو عرض کرتا کہ جوانوں کے عوض خدا مجھے قربان کردے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے کس پر سب سے زیادہ رحم آیا اور کس کی موت پر تیرا دل زیادہ دردمند ہوا؟ عزرائیل نے عرض کی کہ ایک دن ایک کشتی کو جو تیز موج پر بہہ رہی تھی میں نے تیرے حکم سے توڑ دیا اور وہ ریزہ ریزہ ہوگئی اس کے بعد تو نے حکم دیا کہ ان سب کی جان قبض کر اور صرف ایک عورت اور ایک بچے کو چھوڑ دے۔ چناں چہ وہ دونوں ایک تختے پر رہ گئے۔ موجیں اس تختے کو آگے بڑھاتی رہیں۔ جب ہوا نے اس تختے کو کنارے لگا دیا تو ان دونوں کے بچ جانے سے میرا دل بہت خوش ہوا۔ پھر تو نے فرمایا کہ ماں کی روح قبض کر اور بچے کو تنہا چھوڑ دے جب میں نے اس بچے کو ماں سے جُدا کیا ہے تو خود تو ہی جانتا ہے کہ مجھے کس قدر تکلیف ہوئی اس کے بعد میں نے کتنے سخت غم و ماتم دیکھے لیکن اس بچے کی تنہائی کا غم میں بھول نہ سکا۔ خدا نے فرمایا کہ میں نے اپنے فضل سے موج کو حکم دیا کہ اسے ایک گھنے جنگل میں ڈال دے۔ اس جنگل میں نہایت شفاف میٹھے پانی کے چشمے بہتے تھے۔ اسی جگہ میں نے اس بچے کو پرورش کیا۔ میں نے وہاں لاکھوں خوش نوا پرندے بھیجے جو ہر وقت چہچہاتے اور نئے نئے راگ الاپتے رہتے تھے۔ میں نے چنبیلی کے پتوں میں اس کا بستر بنایا اور اس کو ہر قسم کے خوف و خطر سے محفوظ کر دیا۔ میں نے

آفتاب کو حکم دیا کہ اپنی چلچلاتی دھوپ سے اُسے نہ کاٹ اور ہوا کو فرمان دیا کہ اس پر سے آہستہ سے گزرے، بادل کو حکم دیا کہ اس پر مینھ نہ برسا اور بجلی کو تہدید کی کہ اس کو اپنی تیزی نہ دکھا۔ ایک مادہ بھیڑیے نے اُسی وقت بچے دیے تھے میں نے اس کو حکم دیا کہ تو اس بچے کو بھی دودھ پلا۔ چنانچہ اس نے دودھ پلایا اور اس کی دیکھ ریکھ بھی کی یہاں تک کہ وہ جوان موٹا تازہ اور بہادر ہو گیا۔ اس کو باوجودے کہ ایسی نگرانی اور حفاظت سے بلا امدادِ غیرے میں نے پرورش کیا اور وہ اس کا شکر بھی ادا کرتا تھا، لیکن آگے بڑھ کر وہی نمرود نکلا۔ اور اس نے میرے خلیلؑ کو آگ میں جھونکا، اب وہ کافر ہو کر لوگوں کو میری راہ سے پھیرتا ہے اور غرور اور خدائی کا دعویٰ کرتا ہے ؛

تمت

ہماری زبان

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار

ہر مہینے کی پہلی اور سولھویں تاریخ کو شائع ہوتا ہے
چندہ سالانہ ایک روپیہ فی پرچہ ایک آنہ

اُردو

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے

اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے۔ تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اُردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں ان پر تبصرہ اس رسالے کی ایک خصوصیت ہے۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحے یا اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملا کر سات روپے سکۂ انگریزی (آٹھ روپے سکۂ عثمانیہ) نمونے کی قیمت ایک روپیہ بارہ آنے (دو روپے سکۂ عثمانیہ)

رسالۂ سائنس

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) کا ماہانہ رسالہ

(ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے شائع ہوتا ہے)

اس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اردو داں اصحاب میں مقبول کیا جائے۔ دنیا میں سائنس کے متعلق جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں یا بحثیں یا ایجادیں ہو رہی ہیں ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس سے اردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع ہوتے ہیں۔ قیمت سالانہ صرف پانچ روپے سکۂ انگریزی (چھ روپے سکۂ عثمانیہ)

خط و کتابت کا پتا:-
معتمد مجلس ادارت رسالۂ سائنس جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

انجمن ترقیٔ اردو (ہند) دہلی

مرغوب عام پریس دہلی میں باہتمام لالہ موتی رام مینیجر چھپی اور سید صلاح الدین جمالی مینیجر انجمن ترقی اردو (ہند) نے دہلی سے شائع کیں